سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ ہند

عہد برطانیہ

بی۔ اے کے لئے

از باب چہارم تا آخر کتاب یعنی یورپین اقوام کے داخلۂ ہندوستان سے ۱۸۹۱ء تک کے تاریخی واقعات

مولفہ

جے۔ سی۔ مارشمین، اسکوائر سی۔ ایس۔ آئی

مترجمہ

منشی فاضل حکیم سید محمد عبد السلام صاحب ایم۔ اے (علیگ)

۱۳۴۱ھ م ۱۳۳۲ف م ۱۹۲۳ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ ہند

عہد برطانیہ

باب اول

فصل اول پرتگالی عروج و ترقی

پانچ صدی سے اسلامی حملوں کا سیلاب وسط ایشیا سے چڑھکر دریائے سندھ کو عبور کر کے جنوب کی طرف بڑھتا رہا تھا - اب ایک عصر جدید کی ابتدا ایک یورپین بیڑے کے سواحل ہند پر نمودار ہونے سے ہوتی ہے - اور غیر ملکیوں کی ترقی کا رُخ جنوب سے شمال کی طرف نظر آتا ہے - مسلمان ہندوستان میں خاص فتوحات کی نیت سے آئے تھے اور اہل یورپ محض تجارت کی غرض سے آئے - اہل مغرب کو قدیم زمانے سے مشرقی ممالک کی پیداوار کی خرید و تلاش کا بڑا شوق تھا اور یہاں کا مال اُنکے ملک تک بہت سے چکر دار راستوں سے جاکر پہنچا کرتا تھا - قرون وسطے میں مشرقی تجارت نے جمہوریہ وینس و جینوا کو مالامال کر دیا تھا اور عام اضطراب یہ تھا کہ کسی طرح ہندوستان تک رسائی کا کوئی سیدھا راستہ نکل آئے - پندرھویں صدی کے اندر یورپ میں بحری حوصلہ مندی کا جوش بڑے زوروں پر ہو گیا تھا جسکا خاص اثر یورپ کی چھوٹی سی باہمت سلطنت پرتگال پر زیادہ نظر آتا تھا جہاں جہاز رانی کی صنعت میں بھی بڑی ترقی کر لیگئی تھی - اس جوش کو فرمانروایان پرتگال کی طرف سے خاص امداد ملتی رہتی تھی - جنھوں نے متواتر کئی بحری مہمیں سلطنت کی طرف سے تو ترتیب دیکر روانہ کیں جو سواحل افریقہ تک بڑھتی چلی گئیں اور ہر سفر میں نئے نئے مقامات دریافت کر کے آئیں ؛

راس امید

آخر کار جان ثانی شاہ پرتگال نے بارتھولومیو ڈیاس کی سرکردگی میں تین جہاز خاص اسلئے بھیجے کہ اقلیم افریقہ کی حد جنوبی دریافت کرکے آئیں۔ بارتھولومیو پہلا جہازراں تھا جسنے راس امید کے گرد سفر کیا اور وہاں اس قدر طوفان خیز سمندر سے اسکا سابقہ پڑا کہ اُسنے اسکا نام راس طوفان رکھدیا۔ مگر اُسکے مسرور بادشاہ کو اس راستے سے ہندوستان پہنچنے کی امید بندھگئی اسلیئے اسنے اسکا نام راس امید رکھدیا

(صفحہ ۱۰۷)

اسکے کچھ ہی عرصے بعد جینوا کے ایک حوصلہ مند جہازراں کرسٹوفر کولمبس نے اس اطمینان پر کہ جانب مغرب سفر کرتے چلے جانے سے ہندوستان کا پتہ لگ جائیگا اپنی خدمات شاہ جان ثانی کے حضور میں پیش کیں گمر انکو شرف منظوری نہیں نصیب ہوا اس لیئے وہ اپنی اس جان جوکھم کی مہم پر شاہ اسپین کی سرپرستی میں روانہ ہوگیا اور ۱۴۹۲ع میں امریکہ کا پتہ لگا لایا۔

ہندوستان کا پتہ لگ گیا

ڈیاس نے راس امید کا پتہ لگا لیا تھا مگر اُسکے گیارہ سال بعد تک اس کھوج کو آگے چلانیکی کوئی کوشش نہیں کیگئی اور شاہ جان کی جگہ شاہ ایمنوئیل تخت نشین ہوگیا جسنے اس معاملے کو پھر بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہاتھ میں لیا اور ۱۴۹۷ع میں تین جہازوں کی ایک مہم راس امید کے گرد ہوکر ہندوستان کا راستہ دریافت کرنیکے لیئے روانہ کی۔ یہ چھوٹا سا مختصر وزن کے جہازوں کا بیڑہ واسکوڈی گاما کی ناخدائی میں دیا گیا جو مذہبی رسوم کی ادائگی کے بعد بادشاہ اور رعایا کے پرجوش بسفر رفتنت مبارکباد کے نعروں میں ۸۔ جولائی ۱۴۹۷ع کو لسبن سے روانہ ہوا۔ راس امید تک بخیر و عافیت پہنچکر اُسنے ہمت کرکے اپنے جہازوں کو دریائے بے پایاں میں ڈال دیا اور ۲۳ دن تک ایسا سفر ہوا کہ اوپر نیلے آسمان اور نیچے نیلے پانی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ مئی ۱۴۹۸ع میں اُسنے ساحل مالابار کا پتہ لگا لیا اور اپنی مہم کو کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچا کر کالی کٹ سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہوگیا۔ یہ شہر اُس حصۂ دکن میں واقع تھا جہاں اسلامیوں کے فاتحانہ قدم اب تک نہیں پہنچے تھے اور یہاں کے ہندو راجہ ملقب بہ زمورین نے پرتگالی امیرالبحر کا بڑے اعزاز کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اُسکو اپنی مملکت میں تجارت کرنیکے حقوق عطا کردئے۔ لیکن مالابار کے پورے پچاس بندرگاہوں کی تجارت کا اب تک مصر اور عرب کے تاجروں نے بالکل اجارہ سا لے رکھا تھا اسلیئے ان کو ان یورپین دخیل کاروں کا قدم درمیان آجانا ناگوار گزرا اور

انھوں نے زمورین کے وزیر کو ملا کر زمورین کے ذہن نشین یہ کر دیا کہ یہ لوگ
جو اپنے تئیں تاجر ظاہر کرتے ہیں در اصل پرتگالی تاجر نہیں ہیں بلکہ بحری قزاق ہیں
جو اپنے ملک سے جان بچا کر ادھر نکل آئے ہیں تاکہ مشرقی سمندروں میں رہزنیاں
کریں۔ اس سے راجہ کے خیالات بالکل بدل گئے اور واسکوڈی گاما نے کئی ماہ تک
ساحل پر مقیم رہنے کے بعد صفائی سے مایوس ہو کر واپسی وطن کے لئے لنگر اٹھا دیا۔
۲۹۔ اگست ۱۴۹۹ء کو ۲۶ ماہ کی غیر حاضری کے بعد وہ دریائے ٹیگس کے دھانے
میں گھسا اور شاہانہ جلوس کے ساتھ بادشاہ اور رعایا نے اسکا استقبال کیا جو
سب کے سب اِن کارنمایاں انجام دیکر آنیوالے جہازوں کا خیر مقدم کرنے ساحل پر
جمع ہو گئے تھے۔ اس سے چھ سال پہلے کولمبس نے نئی دنیا کا پتہ لگا کر یورپ کو
حیرت میں ڈال دیا تھا اور اس وقت واسکوڈی گاما نے ہندوستان کا
بحری راستہ دریافت کر کے اس حیرت کو اور بڑھا دیا کیونکہ ہندوستان ایسا ملک تھا
جسکی دولت کے فسانے زبان زد خاص و عام تھے ٭

(صفحہ ۱۰۸)

کابرل کی سرکردگی میں دوسری مہم

شاہ پرتگال نے اس معاملہ کو اسی حد تک نہیں چھوڑ دیا بلکہ
بڑی تعجیل کے ساتھ ایک اور مہم تیرہ جہازوں کی تیار کی
جن پر بارہ سو بحری سپاہی رکھے گئے اور اسکی ناخدائی
اس دفعہ بجائے واسکوڈی گاما کے کابرل کے سپرد کیگئی جو اسکے سرانجام کی
زیادہ اہلیت رکھتا تھا۔ کابرل کے ساتھ آٹھ پادری بھی بھیجے گئے اور اسکو حکم دیا گیا
کہ جو ملک آشتی و صلح کے ساتھ کلمۃ الحق کا خیر مقدم کرنیکو تیار نہ ہو اسکو آتش و تیغ کے
سپرد کردے۔ بحر اطلانٹک میں گھسنے کے بعد طوفان نے اسکے بیڑے کو تھپیڑے مار کر
۱۵۰۰ء میں سواحل جنوبی امریکہ پر پہنچا دیا جہاں اُسنے برازیل کا پتہ لگا کر اُس پر
قبضہ کرلیا اور اس وقت سے اب تک یہ ملک پرتگالی مستعمرات (Coloniee)
میں شامل ہے۔ وہاں سے روانہ ہو کر ۱۳۔ ستمبر ۱۵۰۰ء کو وہ کالی کٹ کے قریب
لنگر انداز ہوا اور واسکوڈی گاما جو یرغمالین اپنے ساتھ لیگیا تھا وہ شاہ زمورین کی
خدمت میں واپس کیں اور زمورین نے بڑے اعزاز کے ساتھ اسکا خیر مقدم کیا اور اسکو
ایک تجارت گاہ قایم کرنیکی اجازت دیدی۔ لیکن مسلمان سوداگروں نے کچھ ایسی

روکا وٹیں ڈالیں کہ کابرل کو تجارتی مال ہی نہیں ملتا تھا اسلئے اُسنے ایک مرتبہ طیش میں آکر ان تاجروں کا ایک قیمتی مال سے لدا ہوا جہاز گرفتار کرلیا اور اُسکا تمام مال اپنے جہاز پر منتقل کرکے خالی جہاز میں آگ لگادی۔ اسکے جواب میں پرتگالی تجارتگاہ پر حملہ کیا گیا اور پچاس آدمی قتل کرڈالے گئے۔ کابرل نے جواب الجواب میں مسلمانوں کے دس جہاز اور گرفتار کرکے اُنکا مال بھی اپنے جہازوں پر منتقل کرلیا اور خالی جہازوں میں آگ لگادی۔ پھر اُسنے اپنے بیڑے سے شہر کالی کٹ پر خوب گولہ باری کی اور وہاں سے روانہ ہوکر قریب کے ایک دوسرے بندرگاہ موسومہ کوچین پر پہنچا جہاں کا راجہ زمورین کا باجگذار تھا۔ اس راجہ کے ساتھ معاہدۂ اتحاد طے کرکے کابرل اپنے وطن لسبن کو واپس چلا گیا ؀

واسکوڈی گاما کا دوسرا بحری سفر

کابرل کو جن نحوستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اُنکا لحاظ کرکے کارکنان سلطنت اسپر آمادہ ہوگئے کہ وہ شاہ پرتگال کو ان جان جوکھم کارناموں میں پھنسنے سے احتراز کرنیکا مشورہ دیں مگر شاہ پرتگال کے دل میں مشرقی سلطنت قایم کرنیکے ولولے اُٹھ رہے تھے اسلئے اُسنے پاپائے روما سے اُن تمام ممالک مشرقی کی سلطانی کا اجازت نامہ حاصل کیا جسکا پتہ پرتگالی بیڑہ لگائے اور اسکے بعد اُسنے "شہنشاہ تجارت وفتوحات وجہانرانی عرب وہندوستان" کا لقب اختیار کیا اور فوراً پندرہ جہازوں کا ایک بیڑہ مسلح کرکے واسکوڈی گاما کی ناخدائی میں پھر دیا گیا جو ۱۵۰۲ء میں پھر کالی کٹ پہنچا اور اُس توہین کی تلافی کا مطالبہ کیا جو کابرل کے ساتھ روا رکھی گئی تھی اور جب اُس تلافی سے انکار کیا گیا تو اسنے شہر کالی کٹ کو آگ لگادی اور وہاں سے روانہ ہوکر کوچین کے دوستانہ بندرگاہ پر آیا اور یہاں پرتگالی تجارتگاہ کی حفاظت کے لئے محض مٹھی بھر آدمی پشیکو کی قیادت میں چھوڑکر یورپ کی واپسی کے لئے لنگر اُٹھادیا۔ زمورین نے کالی کٹ پر اسلئے پیشقدمی کی کہ راجہ کوچین کو پرتگالیوں کی پناہ دہی کی سزا دے۔ چنانچہ کوچین پہنچکر اُسنے پرتگالی تجارتگاہ کا محاصرہ کرلیا۔ اگرچہ زمورین کی فوج پشیکو کی فوج سے پوری پچاس گنی تھی مگر زمورین ہی کو ذلت کے ساتھ شکست ہوی اور یورپ کے سپاہی کی فوقیت اُسی وقت سے ایشیا کے سپاہی پر ثابت ہوگئی اور جب سے اب تک اسی طرح قایم چلی آتی ہے

(صفحہ ۱۰۹)

اور اسی وقت سے ہندوستان میں یورپین اقتدار کی بنیاد پڑ گئی ٭

المیڈا ۱۵۰۵ء میں شاہ پرتگال نے المیڈا کو روانہ کیا اور اُسکو وائسرائے ہند کا شاندار خطاب بھی عطا کر دیا دراں حالیکہ اُسکے قبضے میں ہندوستان کی چپہ بھر زمین بھی نہیں تھی - المیڈا کو ایک نئے اور زیادہ سخت دشمن سے دوچار ہونا پڑا - اہل وینس جو اب تک ہندوستان کی دولت خیز تجارت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے پرتگالیوں کی اس حرکت کو نفرت و مخاصمت سے دیکھنے لگے کہ وہ ہندوستانی تجارت کا رخ پھیر کر اُسے راس امید کے پار گھسیٹے لیئے جا رہے ہیں - جس تجارت نے سیقت وینس کو بحیرۂ ایڈریاٹک کی ملکہ بنا رکھا تھا اُسکا بڑا حصہ مصر کے توسط سے وینس تک پہنچا تھا اسلیئے مصر میں اہل وینس کو بڑا خاص اقتدار حاصل تھا - چنانچہ انھوں نے سلطان مصر کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑہ بھیجکر پرتگالی دخیل کاروں کو بحر ہند سے نکال باہر کرے - اس بیڑے کے لیئے ضروری مال مصالحے کا انتظام اہل وینس نے اپنے ڈلامیشا کے جنگلوں سے کر دیا - گجرات کے جہاز ران صوبہ کا مسلمان بادشاہ بھی پرتگالیوں کے روز افزوں بحری اقتدار کو مخدوش نظروں سے دیکھتا تھا اسلیئے اُسنے مصری بیڑے کے ساتھ شرکت عمل کرنیکے لیئے اپنے جہازوں کو بھی بھیجدیا - یہ متحدہ بیڑا بندرگاہ چول پر پرتگالی بیڑے کے مقابلے میں آیا اور اُسے شکست دیدی - نوجوان المیڈا بھی اسی آویزش میں مارا گیا اور اُسکے باپ نے اُسکے قتل کا انتقام لینے کا عہد کیا اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ساحل کے نہایت اہم بندرگاہ ڈابل نے بھی اس آویزش میں حصہ لیا تھا تو اُسنے ۱۵۰۸ء میں اُسپر حملہ کر کے بیصرفہ خونریزی کی اور پھر اُسے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا - اسکے بعد وہ متحدہ بیڑے کی تلاش میں روانہ ہوا اور اُسکو بندرگاہ ڈیو پر لنگر زن پایا اور وہاں اُسپر نہایت شاندار فتح حاصل کی لیکن اُسنے اپنی تمام نیکنامی کو اس ایک حرکت سے داغ لگا لیا کہ جوش انتقام سے مغلوب ہو کر اُسنے اپنے تمام اسیران جنگ کو قتل کر ڈالا ٭

البوقرق لیکن ان آویزشوں سے پیشتر ہی دربار لسبن نے البوقرق کو المیڈا کے باپ کا جانشین کر کے امیر البحری کے منصب پر سرفراز فرما دیا تھا اور اُسے پرتگالی بیڑے کا انصرام اپنے ہاتھ میں لے لینے کے لیئے روانہ بھی کر دیا تھا - البوقرق بڑا حوصلہ مند اور اولوالعزم امیر البحر تھا - اُسنے اول شہر کالی کٹ پر حملہ کیا مگر اس حملے میں اُسکی چوتھائی فوج

فصل اول

ضائع ہوگئی پھر اُسنے یہ سوچا کہ اب تک جو پرتگالی بے قاعدہ حملے کرتے رہے ہیں اُن سے بہتر یہ ہوگا کہ ساحل کے کسی شہر پر ایک مستقل جائے قیام قائم کرلی جائے جہاں پرتگالی جہازوں کو بھی وقت پر پناہ مل سکے اور فوج کا مستقر بھی بن سکے چنانچہ اُسنے گوا کو پسند کیا جو ساحل کنارا ا پر ۲۳ میل محیط کے ایک جزیرہ پر واقع تھا اور اُس ساحل کے نہایت قابل قدر بندرگاہوں میں سے تھا۔ اس طرح پرتگال کی ہندوستانی سلطنت کا صدر مقام گوا ہوگیا اور دیسی رئیسوں کی طرف سے جو کوششیں وقتاً فوقتاً اس مقام کو فتح کرنیکی کیجاتی رہیں اُن میں سے کسی میں بھی کامیابی نہو سکی۔ البوقرق نے اسکے بعد ایک مشرقی رئیس کے سے ٹھاٹ باٹ اختیار کرلیئے اور بڑی شان و شوکت سے اُسکے پاس دوسرے دیسی رئیسوں کے سفرا آنے جانے لگے۔ البوقرق نے مجمع الجزائر ملایا کے بعید صوبہ جات تک قدم بڑھا لیئے اور اپنے تجارتی کاروبار کو سماترا۔ جاوا اور سیام تک پہنچا دیا۔ اسکے بعد اُسنے مغرب کی طرف توجہ کی اور خلیج فارس کی بڑی پر رونق منڈی الھرمز پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح البوقرق کی قابلیت سے نو سال کے اندر ملک مشرق میں ایک زبردست یورپین مملکت قایم ہوگئی۔ اُسنے اپنا انداز ایسا رکھ چھوڑا تھا کہ گویا اُسے توسیع مملکت سے نفرت ہے پھر بھی تمام مشرقی سمندر میں اوسکی قوت کا ڈنکا بجتا تھا اور ساحل پر بارہ ہزار میل تک اُسی کا اقتدار غالب تھا جسپر اُسنے تیس تجارتگاہیں قایم کردی تھیں جنمیں سے کئی ایک تو بالکل مستحکم قلعے کی طرح تھیں۔ لیکن البوقرق کا آخری زمانہ اپنے ملک کی ناسپاسی کی وجہ سے خراب ہوگیا۔ عین اُسکی فاتحانہ رفتار کے دوران میں اُسکے درباری کی سازشیں اُسکے خلاف کامیاب ہوگئیں اور اپنی معزولی سے شکستہ دل ہوکر جس وقت وہ بندرگاہ گوا میں داخل ہوا تو ۱۵۱۵ء میں اُسکا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ علم یورپین اور دیسی طبقات کے رنج و ماتم کے ساتھ اُسی نوآبادی میں اُسے دفن کردیا گیا جو اُسنے قایم کی تھی ؎

(صفحہ ۱۱)

سولھویں صدی

تمام سولھویں صدی کے دوران میں پرتگال کی بحری قوت نصف کرۂ شرقی میں سب سے زبردست رہی اور جہاز رانی قوم پر اُسکا رعب غالب رہا انھوں نے جزیرۂ لنکا پر قبضہ کرلیا اور ۱۵۱۷ء میں مقام میکاؤ پر پہلی یورپین تجارتگاہ قائم کی ۱۵۲۳ء میں انھوں نے چارسو جہازوں کا ایک زبردست بیڑہ تیار کیا جسپر بائیس ہزار فوج رکھی گئی جسمیں تین ہزار چھ سو یورپین تھے اور ڈیو کو تسخیر کرلیا۔ پھر یہ مقام کچھ عرصے کے لیئے

اُنکے ہاتھ سے نکل گیا مگر آخر کار پھر اُنھیں کے قبضے میں آگیا۔ ۱۵۳۷ء میں گجرات کے مسلمان بادشاہ
نے ترکی سلطان سے استدعا کی کہ اُسے کافروں کے پنجے سے نجات دلائے چنانچہ سویز پر
ایک زبردست ترکی بیڑہ مسلح کیا گیا جسمیں سات ہزار ترک سپاہی تھے اور گجرات کی
فوج بھی اُنکے شریک ہو گئی اور بیس ہزار مجموعی سپاہ نے ڈیو کو سخت محاصرے میں لے لیا۔
پرتگالی قلعدار سلویرا کے پاس اس وقت صرف چھ سو مردان کار تھے مگر اُسنے آٹھ ماہ تک
مقاومت جاری رکھی اور بھوک پیاس کی اور دوسری ہر قسم کی سختیاں برداشت کیں۔
آخر کار محاصرین نے مجبور ہو کر محاصرہ اُٹھا لیا اور اس غیر ملکی کی شہرت تمام ہندوستان میں
پھیل گئی جسنے سلطان روم اور شاہ گجرات کی متحدہ افواج کی پیش نہیں جانے دی تھی۔

(صفحہ ۱۱۱)

پرتگالی ہند کی تاریخ میں سب سے زیادہ قابل یادگار وہ اتحاد ثلثہ تھا جو احمد نگر
اور بیجاپور کے بادشاہوں کے اور زمورین کے درمیان پرتگالیوں کو ہندوستان سے
نکال باہر کرنیکے لیے عمل میں آیا تھا۔ ۱۵۷۰ء میں تینوں رئیسوں نے گوا کا محاصرہ کیا
اور دس ماہ تک یہ محاصرہ قایم رہا آخر کار محاصرین نے بارہ ہزار جانوں کا نقصان اُٹھا کر
محاصرہ اُٹھا لیا۔ ۱۵۳۸ء میں شاہ بنگال کو جب شیر سنگہ نے زیادہ تنگ کیا تھا تو
اُسنے گوا میں اپنا سفیر پرتگالی گورنر جنرل کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ شیر سنگہ کے
پنجۂ جرأت سے بنگال کو چھڑائے چنانچہ گورنر جنرل نے شاہ بنگال کی امداد کیلیے
نو مسلح جہاز بھیجدئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ اہل یورپ کے قدم بنگال میں آئے۔
پرتگالیوں نے اپنی ایک تجارت گاہ ایک مقام پر قایم کی جسکا نام گولا تھا جسکے معنے
اس زبان میں غلے کے کوٹھے کے ہوتے ہیں۔ اس مقام کو پرتگالیوں نے ہگلی کہا
اور یہاں اُنکی تجارت کو ایسی ترقی ہوئی کہ قریب ہی کی ایک منڈی ست گنگ جو
پندرہ سو سال سے نہایت پر رونق چلی آتی تھی اُسکی تمام تجارت کھچکر ہگلی میں چلی آئی۔
یہ چھوٹی سی تجارت گاہ بڑھتے بڑھتے ایک شاندار شہر ہوگئی جسمیں کثرت سے خوبصورت گرجا گھر
بنے تھے اور اسکا استحکام اتنا زبردست تھا کہ آخر میں جس وقت مغلوں نے اسپر حملہ کیا ہے
تو انکی تین پوری فوجیں بھی دھاوا کرکے اسکو فتح نہیں کر سکیں اور اُنکو مجبوراً انگریزوں سے
کام لینا پڑا تھا۔

ولندیزیوں کا عروج اور پرتگالیوں کا زوال

سترھویں صدی کی ابتدا میں جبکہ پرتگالیوں کی عظمت و شان

باب اول
فصل اول

معراج کمال تک پہنچ چکی تھی اُنکے مقابلے میں ایک اور یورپین ہمچشمہ کھڑا ہوا جسنے اُنکا
مقابلہ کرکے اُنکے قدم اکھیڑ دئے۔ ہالینڈ نے اسپین کی حکومت کا جُوا کندھے سے
اُتارتے ہی بحری کارناموں میں غیر معمولی جوش اور حوصلہ مندی کے ساتھ قدم رکھا۔
۱۵۹۶ء میں ولندیزیوں نے راس امید کے گرد ہوکر ممالک مشرق میں جانیکے لئے
ایک بحری ہم بھیجی جو گرم مصالحہ اور دیگر قیمتی مال تجارت سے لدی ہوئی واپس آئی
اور اس سے اُنکے تجارتی جوش میں ایسا غیر معمولی ہیجان پیدا ہوگیا کہ پانچ سال کے
اندر چار سے چھ سوٹن وزن کے چھوٹے موٹے چالیس جہاز اس تجارت میں معروف
ہوگئے۔ ولندیزیوں نے رفتہ رفتہ جزائر تیز بو (Spice Islands) ملکا۔ اور سیلون کو
پرتگالیوں کے ہاتھ سے چھین لیا لیکن یہ تسخیر بغیر نہایت سخت خونریزی کے عمل میں
نہ آسکی۔ اسکے بعد ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی شرکت شاہ ایران نے کرکے
ایک متحدہ بحری ہم تیار کی جسنے پرتگالیوں کو ارمز سے بھی نکال باہر کیا اور واسکوڈی گاما
کے ہندوستان پہنچنے سے ڈیڑھ سو سال کے اندر پرتگال کے تمام مشرقی مقبوضات
میں سے صرف گوا۔ مزمبیق اور مکاؤ پرتگالیوں کے پاس باقی رہگئے۔ ولندیزیوں کی
تجارت زیادہ تر مجمع الجزائر مشرقی کی طرف محدود رہی۔ خاص اقلیم ہند میں اُنکے پاس
سوائے چند تجارت گاہوں کے اور کچھ نہیں تھا۔

فصل دوم (صفحہ ۱۱۲)

فرانسیسیوں کی ترقیاں۔ لغایتہ صلحنامہ ایز لا شیپل

فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی

اہل پرتگال و ہالینڈ کو جو منافع ہندوستانی تجارت سے حاصل ہوئے تھے اُنکو دیکھکر فرانسیسیوں کو بھی اس تجارت مین حصہ لینے کا شوق پیدا ہوا اور سترھویں صدی کے نصف اُولی میں فرانسیسیوں نے کئی کوششیں کیں کہ کوئی پاؤں دھرنیکی جگہ ممالک مشرق میں مل جائے مگر کسی طرح کامیابی نہو سکی۔ آخرکار فرانس کے زبردست وزیر سلطنت کالبرٹ نے جو فرانسیسی بیڑے اور فرانسیسی بندرگاہوں کا بانی تھا اس معاملے کو بھی اپنے ہاتھ میں لیا اور فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنا ڈالی۔ پہلا کارنامہ اس کمپنی کا مڈگاسکر کا قبضہ تھا مگر بعد میں اس جزیرے کو اسلیئے چھوڑ دیا گیا کہ یہاں کی آب و ہوا بالکل ناموافق تھی اور یہاں کے اصلی باشندے سخت ناسازگار تھے چنانچہ فرانسیسی کمپنی نے غیر آباد جزیرۂ بوربن پر قبضہ کرکے اُسکے قرب ہی میں ایک بڑے جزیرۂ مارشیس پر قبضہ کر لیا۔ اپریل سنہ ۱۶۷۴ء میں سب سے پہلے مستعمرین (Colonists) میں سے ایک زبردست سرگرمیوں اور قابلیت والے آدمی مسمی مارٹن نے ساحل کورومنڈل پر ایک دیسی رئیس سے کچھ اراضی بطور عطیہ کے حاصل کی اور شہر پانڈیچری کی بنا ڈالی جسکو مستحکم کرنیکی بھی اُسکو رئیس مذکور نے اجازت دیدی۔ اسکے تین سال بعد اس شہر کو سیواجی نے اپنی جنوبی مہمات کے سلسلے میں دھمکی دی مگر مارٹن کے توڑ جوڑ سے یہ شہر بچ رہا۔ آخرکار یورپ میں ہالینڈ اور فرانس میں اعلان جنگ ہوگیا اور چونکہ ولندیزیوں کو پانڈیچری کی روز افزوں ترقی پر پہلے سے ہی رشک تھا اسلیئے انھوں نے اُنیس مسلح جہاز اسپر حملہ کرنیکو بھیجدیئے۔ مجبور ہوکر مارٹن کو قلعہ سپرد کر دینا پڑا اور سواحل پر فرانسیسی مملکت قایم کرنیکی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا تھا مگر چار سال بعد صلحنامہ رزویک کی رو سے پانڈیچری پھر فرانسیسیوں کے قبضے میں آگیا جسکو ولندیزیوں نے

باب اول فصل دوم

نہایت مستحکم کرکے ہندوستان کے ناقابل تسخیر قلعہ جات کے ذیل میں شامل کر دیا تھا۔
مارٹن نے پھر قبضہ پاتے ہی قلعے کے استحکام کو اور بھی زبردست کر دیا اور عام وخاص کے
ساتھ اس قدر تواضع اور ایسی ایمانداری وصفائی کا برتاؤ کرنا شروع کیا کہ ہندوستانی
نوآبادکار یہاں آآکر کثرت سے آباد ہونے لگے اور ۳۲ سال پہلے جس شہر کی بنا
مارٹن نے صرف چھ یورپین مستعمرین کے ساتھ ڈالی تھی وہ مارٹن کے انتقال کے
وقت چالیس ہزار کا ایک شاندار اور بارونق شہر بنگیا تھا۔ فرنچ کمپنی کا پٹہ ۱۷۱۹ء
میں منسوخ ہوگیا اور یہ کمپنی بھی اُن جنوبی سمندر کے منصوبوں میں ہضم ہوگئی
جو مسی سیپی کے متعلق ایم لا وزیر مالیہ فرانس نے تجویز کئے تھے۔ ایم لا نے اپنے
جنوبی سمندر کے منصوبوں کو پامال ہوتے دیکھکر ایسٹ انڈیا کمپنی کو پھر انجمن
تجارت کے نام سے زندہ کر دیا اور شہر پانڈیچری کی رونق جو کمپنی کے لُٹ جانے پر
ماند ہوتی چلی تھی پھر اپنی اصلی آب وتاب پر آنے لگی اور جو گورنر
وہاں آتے رہے اُنکی جدت پسند طبیعتوں نے اسمیں اور چار چاند لگائے کیونکہ وہ
سب ایسے ہی آئے جو مشرقی ٹھاٹ باٹ دیسی رئیسوں سے کسی طرح کم نہیں رکھنا
چاہتے تھے۔

(صفحہ ۱۱۳)

ڈیوما۔ گورنر پانڈیچری

ایم ڈیوما ۱۷۳۵ء میں پانڈیچری کا گورنر مقرر ہوکر آیا۔ اسمیں اپنی
فطری مستعدی کے ساتھ تواضع کی قابلیت بھی ایسی تھی جو
ہندوستان کے یورپین طبقے میں بہت کم نظر آتی ہے اس وجہ سے ہندوستان کے
رئیس ورعایا سب خواہ مخواہ اسکی طرف کھچتے تھے۔ اسی زمانے میں راگھو جی بھونسلا
راجۂ برار نے پچاس ہزار مرہٹہ سپاہ سے اس ملک پر یورش کی اور دوست علی نواب کرناٹک نے
اُسکا راستہ روکنے کے لئے اُسکا مقابلہ کیا مگر شکست کھاکر سر میدان کام آگیا۔
اُسکے بیٹے صفدر جنگ اور داماد چندا صاحب نے ڈیوما سے استدعا کی کہ انہیں
پانڈیچری میں پناہ دیجائے جو اُس زمانے میں ساحل کا مستحکم ترین قلعہ تھا۔ ڈیوما نے
ان پناہ گزینوں کا سرکاری طور سے استقبال کیا اور شاہی سلامی کے ساتھ دونوں
شہزادوں کو معہ اُنکے رفقا کے لیکر اپنے سواروں اور پیدلوں کے جلوس کے ساتھ
شہر میں داخل ہوا۔ اسکے کچھ ہی عرصے بعد صفدر جنگ نے ایک کروڑ کا وعدہ کرکے

مرہٹوں سے صلح کرلی اور اُسکو مرہٹہ سردار نے بغیر شاہ دہلی کی منظوری کے یا شہنشاہ کے دکنی عامل نواب نظام الملک کے استصواب کے نواب کرناٹک بنا دیا۔ صفدر جنگ کا خاندان بھی پانڈیچری سے چلا گیا مگر چندا صاحب کا خاندان اب بھی فرانیسی فصیلوں کی پناہ میں رہا۔ راگھوجی بھونسلا کے ہاتھ سے یہ دوسری سونیکی چڑیا نکلی جاتی تھی اسلیئے اُسنے سولہ ہزار فوج اسلیئے بھیجی کہ چندا صاحب کے خاندان کی حوالگی اور ساٹھ لاکھ روپیہ جرمانے کا مطالبہ ڈیوما سے کرے۔ ڈیوما نے بھی بارہ سو فرانیسیوں اور چار پانچہزار دیسی سپاہیوں کی ایک فوج مرتب کر رکھی تھی۔ اُسنے مرہٹہ سفیر کا بڑی عزو شان کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اُسکو اپنے تمام ذخائر حرب اور سلح خانے دکھائے اور فوج کو اُسکے سامنے قواعد کراکر دکھایا اور اُس سے نہایت اخلاق سے یہ کہا کہ اپنے آقا کو بعد سلام کے یہ پیام پہنچا دینا کہ جب تک ایک فرانیسی بھی زندہ ہے اُس وقت تک سپر افگنی کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ ڈیوما کے اس استقلال تمکین نے اور قلعے کے وافر وسائل نے راگھوجی کے دل پر بہت گہرا اثر کیا لیکن اصل میدان جسنے جیتا وہ فرانیسی سنگین نہیں تھا بلکہ فرانیسی شراب تھی۔ ڈیوما نے مرہٹہ سفیر کے ہاتھ بطور سوغات کے کچھ فرانیسی شرابیں راگھوجی کے لیئے بھیجدی تھیں راگھوجی نے اپنی بیوی کو دیں اور وہ اُنکو پی کر ایسی مسرور ہوئی کہ اُسنے مزید فرمائش کی۔ کچھ تو محبوبہ بیوی کی فرمائش کی تعمیل کا خیال اور کچھ ایک مستحکم یوروپین قلعے کی قواعد داں یوروپین فوج سے مقابلہ کرنیکا پس و پیش غرض دونوں نے ملکر پانڈیچری کا حملہ ملتوی کرا دیا اور کچھ اس قسم کا نامہ و پیام شروع ہوا جس کے آخر میں مرہٹہ فوجیں وہاں سے ہٹ کر چلی گئیں۔ ہندوستان کے دوسرے رئیسوں نے ڈیوما کو زبردست مرہٹوں کے مقابلے میں اس طرح اڑکر جیت جانے پر مبارکباد دیاں دیں اور شہنشاہ دہلی نے ڈیوما اور اوسکے جانشینوں کے لیئے نواب کا خطاب عطا کیا اور ساڑھے چار ہزاری کے منصب سے بھی سرفراز فرمایا۔ (صفحہ ۱۴۱)

ڈیوپلے کی سرگرمیاں

ڈیوما کی جگہ ڈیوپلے گورنر پانڈیچری ہوکر آیا۔ یہہ غیر معمولی قابلیتوں کا آدمی تھا اور فرانیسی ہند کی تاریخ میں سربرآوردہ ترین مدبر اسیکو سمجھا جا سکتا ہے۔ ڈیوپلے اپنی ذاتی تجارت میں خوب دولت پیدا کر چکا تھا

باب اول
فصل دوم

اُسکے بعد وہ چندر نگر کا مہتمم بناکر بھیجا گیا تھا جہانکہ دریائے ہگلی کے کنارے ۱۶۷۶ء
میں ایک فرانسیسی تجارتگاہ قایم کیگیئی تھی۔ قیام کے وقت سے اس تجارتگاہ کو کبھی
فروغ نہیں ہوا تھا اور کلکتے کی انگریزی تجارتگاہ برابر دولت و اہمیت میں ترقی
کرتی چلی جارہی تھی لیکن ڈیوپلے کی قوت تخلیق نے دس سال کے عرصے میں چندر نگر کو
بنگال کی متمول ترین تجارتگاہ بنادیا۔ جس وقت اس شہر کا اہتمام ڈیوپلے نے اپنے ہاتھ میں
لیا ہے تو بندرگاہ میں معمولی درجے کے آدھے درجن تجارتی جہاز کھڑے دکھائی دیتے تھے
مگر جس وقت وہ گورنر پانڈیچری ہوکر وہاں سے روانہ ہورہا تھا تو اُسی چندر نگر میں
جدہ۔ مکہ۔ بصرہ اور چین کے ساتھ تجارت کرنیوالے ستر سے زائد جہاز موجود تھے۔ اُسنے
اندرون ملک کی بڑی بڑی منڈیوں میں اپنے آڑھتیئے مقرر کردئے تھے اور اپنے
کاربار کو تبت تک پھیلادیا تھا۔ چندر نگر کے گرد ڈیوپلے نے استحکامات تعمیر کروائے
اور شہر میں دو ہزار نئے مکانات اُسکی امداد سے بنگئے تھے۔ اکتوبر ۱۷۴۱ء میں
ڈیوپلے کو گورنر پانڈیچری مقرر کیا گیا اور چونکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ ممالک مشرق میں
ظاہری شان و شوکت پر تمام سیاسی قوت کا دارمدار ہے اسلیئے اُسنے اس قدر
شان و شوکت کا انداز قایم کیا اور سلطنت مغلیہ کے ایک نواب کی حیثیت سے
ایسے آن بان کے آداب اپنے دربار کے مقرر کیئے کہ جس سے دکن کی رعایا برایا کی
آنکھیں خیرہ ہوکر رہگئیں اور فرانسیسی عظمت و اقتدار کا گہرا نقش اُنکے دلوں پر بیٹھ گیا
سب سے پہلے اُسنے قلعے کے استحکام پر توجہ کی لیکن ابھی وہ اسکو اتمام تک
نہیں پہنچا چکا تھا کہ اُسے کمپنی کے مہتممین نے اطلاع دی کہ انگلستان اور فرانس میں
جنگ چھڑ گئی ہے اور صورت حالات یہ ہے کہ فرانسیسی گورنمنٹ اس وقت پانڈیچری کی
حفاظت کے لیئے روپیہ یا سامان حرب یا فوج کی امداد نہیں دے سکتی ہے۔ اسکے ساتھ ہی
اُسکے پاس یہ خبر بھی آئی کہ انگلستان سے ایک زبردست بیڑہ ہندوستان کو
روانہ ہونیوالا ہے دراں حالیکہ ڈیوپلے اس وقت میں صرف ۴۳۶ فرانسیسی
سپاہی میدان میں لاسکتا تھا اور اُسکے تصرف میں صرف ایک جنگی جہاز تھا۔
اس نازک وقت پر اُسنے دیسی رئیسوں سے امداد طلب کرنیکا عزم کیا جنکے ساتھ
اُسکے پیشرو گورنروں نے بڑے اہتمام کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہمیشہ قایم رکھے تھے۔

اُسی زمانے میں نواب کرناٹک نواب نظام الملک کی طرف سے مقرر کیا ہوا ایک شخص انورالدین تھا اُسکو ڈیوپلے نے اسبات پر راضی کیا کہ وہ مدراس کے گورنر کو ایسا حکم دے کہ فرانسیسی قلعے پر ہر قسم کی مجارحت سے انگریز لوگ محترز رہیں اور اُس وقت پریزیڈنٹ مدراس نے بھی اس حکم کی تعمیل میں اپنی مصلحت سمجھی۔ اسکے ساتھ ہی ڈیوپلے کی تشویش اس سے اور کم ہوگئی کہ لیبر ڈونلے ایک زبردست فرانسیسی بیڑہ لیکر آپہنچا۔ لیبر ڈونا عدیم النظیر حوصلہ مندی کا آدمی تھا (صفحہ ۱۷۸) اور اُسنے اپنی مستعدی اور انتظامی قابلیت سے اپنی گورنری ملرشیس اور بوربن کے زمانے میں اُن جزیروں کو نہایت رونق و خوشحالی کے درجے تک پہنچا دیا تھا۔ جس وقت لیبر ڈونا گورنر ہو کر پہنچا تھا تو اُسنے مارشیس کے بڑے حصے کو گنجان اور دشوار گزار جھاڑی سے اٹا ہوا پایا تھا اور ایک نہایت خفیف الجثہ وتن آساں قوم وہاں آباد تھی۔ تھوڑے ہی دن میں اُسی مارشیس میں مخازن۔ سلح خانے۔ فوجی قیامگاہیں اور قلعے تعمیر ہوگئے۔ پن چکیاں۔ گھاٹ اور نہریں بنگئیں اور اس نو آبادی کو فرانسیسی قومی کارناموں میں وہ اہمیت حاصل ہوگئی جو ستر سال تک برابر قائم رہی۔ لیکن لیبر ڈونلے کی تمام شاندار قابلیتوں کی قدر و قیمت اُس کے کبر و نخوت کے آگے خاک میں ملی ہوئی تھی۔ مختصر یہ کہ لیبر ڈونا کے سواحل ہند پر پہنچنے کے کچھ ہی عرصے بعد انگریزی اور فرانسیسی بیڑے برسر مقابلہ آگئے ہو۔

نتیجۂ آویزش

ہندوستان میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی آویزش جو ۱۷۴۶ء کے اس بحری معرکے سے شروع ہوئی موجودہ تاریخ ہند کے اہم ترین واقعات میں شمار ہونیکے قابل ہے۔ اب تک جو خال خال مستعمرات سواحل کورومنڈل پر واقع تھیں وہ اپنے پُرامن تجارتی مشاغل سے کام رکھتی تھیں اور اندرون ملک کے انقلاب حکومت یا سلطنتوں کے عروج و زوال سے زیادہ تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ بلکہ اس وقت تک یہ حالت رہی تھی کہ اکثر یورپ میں انگلستان و فرانس برسر جنگ رہے اور اُن کی ہندوستانی مستعمرات امن کی حالت میں ایک دوسرے کے پاس پاس قایم رہیں لیکن اُس وقت تماشہ گاہ کا ایک نیا پردہ اُٹھگیا تھا۔ دونوں کمپنیوں کے گورنر ایکدوسرے کے ساتھ آویزش میں معروف ہوگئے تھے۔ اپنی ضروریات کے لئے ہندوستانی تلنگے

باب اول فصل دوم

بھرتی کر رہے تھے۔ یورپین سپاہی طلب کر رہے تھے بمقابلہ تجارت کے جنگ کی طرف انکی توجہ
زیادہ مبذول ہوگئی تھی اور اکثر ایسا ہونے لگا تھا کہ یورپ میں انکی قومیں صلح کر لیتی تھیں
اور یہ ہندوستان میں برابر کٹتے مرتے رہتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی رئیسوں کے
ساتھ اتحادی معاہدے طے کرنے شروع کر دئیے تھے اور انکے باہمی تنازعات میں گھس پڑے
تھے اور ان آویزشوں میں یورپین سپاہی کی فوقیت برابر ہندوستانی سپاہی پر
ثابت ہوتی چلی جا رہی تھی جس سے ملک میں یورپین اقتدار بڑھتا چلا جا رہا تھا جس کا
لازمی نتیجہ یہ نکل رہا تھا کہ اہل یورپ کے ہاتھ برابر علاقہ آتا جا رہا تھا۔ فرانسیسیوں نے
جنوب میں اتنے علاقے کی خود مختار حکومت حاصل کر لی تھی جسکی آبادی تین ساڑھے تین کرور
تھی اور شمال میں انگریزوں نے اتنے علاقے پر اقتدار حکومت حاصل کر لیا تھا جو بہ اعتبار رقبہ
اور آبادی کے برطانیہ عظمیٰ سے بڑا تھا۔

تسخیر مدراس

انگریزی اور فرانسیسی بیڑوں کی ۱۷۴۶ء سنہ میں ٹکر ہوئی۔ معرکہ کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ انگریز
انگریزی امیر البحر نے یہ عذر کیا کہ ایک جہاز مرمت طلب ہے اور جنوب کی طرف
اپنے بیڑہ کو ہٹا لیگیا اور مدراس کو جسکی حفاظت کے لئے اُسے تعین کرایا گیا تھا
بے پناہ چھوڑ گیا۔ وہ چھوٹا سا موضع جس پر ۱۶۳۹ء سنہ میں برطانوی علم نصب کیا گیا تھا

(صفحہ ۱۱۶)

ایک صدی کے دوران میں بڑھکر اتنا بڑا شہر ہوگیا تھا جسکی آبادی اس وقت ایک
اور دو لاکھ کے درمیان تھی۔ مدراس کی قلعبندی جو پہلے سے بھی کچھ مستحکم نہیں تھی
اس وقت بالکل ہی بوسیدہ حالت میں تھی اور جو دو سو مقامی یورپین فوج وہاں تھی
اُسنے کبھی گولا چلتا ہوا بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس غیر محفوظ شہر کے مقابلے میں لیبرڈوناے
اپنے گیارہ سو فرانسیسی اور آٹھ سو ہندوستانی اور افریقی سپاہیوں کے بیڑے کے
ساتھ بڑھا۔ پریزیڈنٹ مدراس نے تھوڑی سی معقول مدافعت کے بعد قلعہ کو حوالے کر دیا
اور لیبرڈوناے نے اس شہر پر ساٹھ لاکھ فدیہ کے وعدے پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ڈیوپلے کا
مقولہ یہ تھا کہ جب تک انگریزوں کے قبضے میں یہ نو آبادی رہیگی اُس وقت تک
پانڈیچری کو امن چین سے ترقی نہیں ہو سکتی اسلئے اُسنے یہ طے کر لیا تھا کہ ساحل پر
تمام انگریزی اغراض و مفاد کو بالکل معدوم ہی کر ڈالے۔ چنانچہ ان دونوں قابل اور
مستقل مزاج فرانسیسی افسروں میں اس معاملے پر جو تند و ترش تبادلۂ خیالات ہوا

باب اول
فصل دوم

اُسکا اندازہ خود لگایا جا سکتا ہے۔ اسی اثنا میں طوفان اس شدت سے آگیا کہ فرانسیسی بیڑے کو سخت صدمہ پہنچا اور لیبرڈونائے کو مجبوراً یہ ضرورت پڑ گئی کہ وہ اپنے جہازوں کی مرمت کے لئے مارشیس واپس چلا جائے۔ اُسکے جاتے ہی ڈیوپلے نے اُس عہد نامے کو منسوخ کر دیا اور جتنے انگریز مدراس میں موجود تھے اُنکو اسیران جنگ کے طور پر پانڈیچری لیگیا۔ اسکے بعد لیبرڈونائے فرانس کو واپس گیا اور اسکے پیچھے ہی پیچھے وہ فہرست الزامات بھی پہنچی جو ڈیوپلے نے اور اُن لوگوں نے لیبرڈونائے کے خلاف قایم کیئے تھے جو اُسکی بدمزاجی کی وجہ سے اُسکے دشمن ہو گیئے تھے۔ چنانچہ لیبرڈونائے کو فوراً باسطیل (Bastile) میں ڈال دیا گیا جہاں وہ تین سال تک پڑا سڑتا رہا۔ اتنے عرصے کی تحقیقات میں جب اسکے خلاف تمام الزامات بے بنیاد ثابت ہو گئے تو اُسکو رہا کر دیا گیا مگر اس وقت وہ اس قدر دل شکستہ ہو گیا تھا کہ کچھ ہی عرصے میں دنیا سے کوچ کر گیا۔

معرکہ سینٹ ٹامس

جسوقت فرانسیسی بیڑہ حملہ کرنے بڑھ رہا تھا اُس وقت پریزیڈنٹ مدراس نے نواب کرناٹک کی طرف اس غرض سے رجوع کیا تھا کہ فرانسیسیوں کو انگریزی نوآبادی پر حملہ کرنے سے باز رکھے۔ یہی ترکیب پہلے ڈیوپلے نے کی تھی۔ پریزیڈنٹ کی استدعا پر نواب نے ڈیوپلے کو ایسے احکام بھی بھیجدیئے تھے مگر ڈیوپلے نے آسانی سے نواب کو یہ چال چلکر راضی کر لیا کہ جس وقت یہ شہر مسخر ہو جائیگا تو مملکت کرناٹک میں اسکا الحاق کر دیا جائیگا۔ مگر جس وقت مدراس پر قبضہ ہو گیا تو یہ مال غنیمت اس قدر قیمتی نظر آیا کہ ڈیوپلے کا دل کسی طرح اسکو علیحدہ کرنیکو نہیں چاہتا تھا۔ اس حرکت پر نواب کو بے انتہا غصہ آیا اور اُسنے سر دربار کہا کہ یہ پردیسی ہوتے کون ہیں جو ہمارے دولت کے احکام کی اس طرح خلاف ورزی کرتے ہیں دراں حالیکہ اُنکے پاس مٹھی بھر فوج ہے جسکی تعداد ہماری افواج قاہرہ کے بیسویں حصے کے برابر ہے۔ چنانچہ اُسنے اپنے بیٹے کو دس ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا کہ جاکر فرانسیسیوں کو مدراس سے نکال باہر کرے۔ مگر ابھی اُن پر توپ کے آدھے درجن فیر گرابوں کے فرانسیسیوں نے کیئے تھے کہ جتنی تیزی سے وہ ہمک کر آئے تھے ویسی تیزپائی کے ساتھ دبک کر بھاگے۔ ڈیوپلے کو جس وقت کرناٹک کی فوج کی چڑھائی کی خبر پہنچی اُسی وقت اُسنے (۲۳۰) فرانسیسی اور سات سو تلنگوں کی کمک مدراس کے لیئے بھیجدی تھی۔ نواب کا بیٹا بھی اس امدادی دستے کا مقابلہ کرنیکے لیئے بڑھا اور مقام سینٹ ٹامے پر مدراس سے کوئی چار میل کے فاصلے پر

(صفحہ ۱۱۷)

باب اول
فصل دوم

دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ۴- نومبر ۱۷۴۶ء کو فرانسیسی دستے کے قائد کے ساتھ اگرچہ
کوئی توپیں نہیں تھیں مگر اُسنے کرناٹک کی فوج پر ایسے جوش وخروش کے ساتھ حملہ کیا کہ
نواب کا بیٹا جو ایک بڑے اونچے ہاتھی پر علَم اپنے ساتھ لئے بیٹھا تھا سب سے پہلے میدان سے
بھاگ کھڑا ہوا۔ اُسکا بھاگنا تھا کہ پیچھے ہی پیچھے اُسکے دس ہزار قدم باز بھی سر پر پاؤں رکھکر چلے
اور جب تک ارکاٹ کی فصیلیں اُنکی نظر کے سامنے نہ آگئیں تب تک اُنھوں نے کہیں دم
نہیں لیا۔ یہہ آویزش اگرچہ دوسری آویزشوں کے مقابلے میں بہت مختصر تھی مگر اپنے
نتائج کے اعتبار سے ہندوستان کے سب سے اہم اور فیصلہ کن معرکوں میں شمار ہونیکے
قابل ہے کیونکہ اس معرکے سے یورپین مستمرین کو پہلی مرتبہ اپنی قوت پر اعتماد پیدا ہو گیا اور
ہندوستانی رئیسوں کے سر سے اہل یورپ کے مقابلے میں جنگبازی کی تمام ہوا نکل گئی۔
اسنے اہل یورپ کو یہہ سبق دیدیا کہ اپنی قلت تعداد کی کبھی پروا نہیں کیا کریں خواہ دشمن کی تعداد
کتنی ہی زیادہ کیوں نہو اور اسنے وہ طلسم بالکل شکست کر دیا جسکے اثر سے اب تک دیسی
رئیسوں کی قوت کے سامنے اہل یورپ مسخر ہو رہے تھے۔

محاصرۂ پانڈیچری

فرانسیسیوں کی اس کامیابی نے فوراً نواب کو رُخ بدل دینے پر آمادہ کر دیا۔
اسوقت انگریزوں کے پاس ساحل پر صرف ایک مقبوضہ موسومہ
فورٹ سینٹ ڈیوڈ رہگیا تھا اور ڈیوپلے نے ۱۷۴۶ء میں اسپر بھی ایک مہم بھیجی۔ لیکن
اسکی حفاظت انگریزی قوم کے سب سے پہلے مردان میدان ہند میں سے ایک بہادر
میجر لارنس کے ہاتھ میں تھی اور اُسنے وہ شاندار مدافعت کی کہ فرانسیسیوں کو چار
ناکام حملوں کے بعد پسپائی پر مجبور ہو جانا پڑا۔ اسکے کچھ ہی عرصے بعد انگریزی امیر البحر
ایک زبردست بیڑے اور بڑی فوج کے ساتھ ساحل پر آکر لنگر زن ہوا اور یہہ طے
کیا گیا کہ بطور انتقامی کارروائی کے پانڈیچری کو تسخیر کیا جائے۔ بدقسمتی سے امیر البحر نے
محاصرے کا اہتمام اپنے ہی ہاتھ میں رکھا لیکن چونکہ وہ فن حرب سے بالکل نابلد تھا
اور کسیکے مشورے پر بھی کبھی عمل نہیں کرتا تھا اسلئے اُسکو نہایت ذلیل ناکامی کا منہہ
دیکھنا پڑا۔ اُسنے ۱۷۴۸ء میں چار ہزار گورہ فوج کے ساتھ پچاس دن تک پانڈیچری کا
محاصرہ قایم رکھا۔ باوجودیکہ اتنی بڑی گورہ فوج سے ہندوستان میں کبھی کام نہیں لیا گیا
ہوگا مگر اس محاصرے کو مجبور ہوکر اُس وقت اٹھا دینا پڑا جبکہ چوتھائی حصہ انگریزی فوج کا

وہاں کام آچکا تھا۔ ڈیوپلے نے فوراً اپنی فتح کی خبر کا تمام ہندوستان میں ڈنکا بجوا دیا
اور اُسکے پاس نواب آرکاٹ نواب نظام الملک بلکہ شہنشاہ دہلی کے پاس سے
مبارکبادیاں آگئیں۔ اس واقعے کے بعد ہی ۱۷۴۹ء میں یورپ کے صلحنامۂ
ایزلاشپیل نے جنگ انگلستان وفرانس کا خاتمہ کردیا اور مدراس انگریز مستعمرین کو
واپس دلادیا۔ ڈیوپلے کی قسمت میں یہ داغ لکھا تھا کہ اُسنے اپنے قابل نفرت قبضوں کو
پھر اُنکے مقبوضات پر بحال ہوتے دیکھ لیا؛

فصل سوم

صلحنامۂ ایزلاشپیل سے ۱۷۵۶ء تک

انگریزوں کا تنجور پر حملہ

یہ امید کی جاسکتی تھی کہ صلحنامۂ ایزلاشپیل کے بعد انگریز اور فرانسیسی
شمشیر مخاصمت کو نیام میں کرلینگے اور اپنے پُرامن تجارتی مشاغل کی
طرف رجوع ہوجائینگے لیکن بقول مشہور مورخ اُورمی اسکے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دونوں قومیں
جنکے تحت تصرف میں اُس وقت بڑی بڑی فوجیں تھیں اور جنکو باہمی جنگبازی کی اجازت بھی
نہیں تھی اب اس پر اتر آئیں کہ دیسی رئیسوں کی باہمی آویزشوں میں اپنی فوجوں کو
کام میں لانے لگیں جسمیں انگریزوں نے بالکل عقل وخرد کو بالائے طاق رکھدیا تھا اور
فرانسیسیوں نے اپنے تئیں حرص وآز کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔ انگریزوں نے اسکی مثال
پہلے قایم کی۔ اُنکو ساحل پر کچھ علاقہ حاصل کرنیکی بڑی آرزو تھی۔ ساہوجی کو تنجور کے تخت سے
اُتار دیا گیا تھا۔ اُسنے انگریزوں سے اپنی بازبحالی میں امداد مانگی اور شہر دیوی کوٹہ اور
اُسکے مضافات معاوضے میں دینے کا وعدہ کیا۔ انگریزوں نے یہ سودا کرلیا اور میجر لارنس کی
سرکردگی میں ڈیڑھ ہزار فوج بھیجدی جسنے ایک طویل اور بے ڈھنگے محاصرے کے بعد تنجور کو
فتح کرلیا۔ لیکن میجر لارنس نے دیکھا کہ ساہوجی سے مخلوق سخت بیزار ہے اور کوئی امید
ایسی نہیں کہ وہ اُسکی بازبحالی کو پسند کرے اسلئے وہ مدراس آیا اور پریزیڈنٹ کو
مشورہ دیا کہ موجودہ رئیس مسمی پرتاب سنگھ سے کچھ معاملہ طے کرلیا جائے؛

ڈیوپلے کی حوصلہ مندیاں

مگر ڈیوپلے کا مطمح نظر اس سے بالاتر تھا کہ وہ ساحل پر کبھی حقیر سے شہر یا اُسکے چند میل کے معمولی مضافات کے حصول پر قانع ہو جائے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ اکیلی ایک بٹلن نے جسمیں کچھ حصہ یورپین سپاہیوں کا تھا اپنے سے دس گُنی خالص دیسی فوج کو بھیڑ بکریوں کی طرح آگے دھر لیا تھا۔ اس نئی فوجی قوت کے عروج نے دیسی رئیسوں پر ایک رُعب طاری کر دیا تھا اور ڈیوپلے نے اُس زمانے کے ہیجان اور باہمی رقابت و مخاصمت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں ایک فرانسیسی سلطنت کی بنا ڈالنے کا عزم کر لیا تھا۔ چندا صاحب دکن کا سب سے حوصلہ مند رئیس اپنے خاص مقبوضہ ترچناپلی سے بیدخل کر دیا گیا تھا اور مرہٹے اُسے قید کر کے ستارا لے گئے تھے جہاں وہ سات سال سے پڑا سڑ رہا تھا۔ چندا صاحب کرناٹک میں بہت ہر دلعزیز تھا اور ڈیوپلے نے یہ خیال کیا کہ فرانسیسی سلطنت قایم کرنیکے بلند منصوبوں کو اس سے بہت کچھ امداد ملیگی کہ انوارالدین کی جگہ جسکی حکومت کی طرف سے نفرت بھی بہت بڑھ گئی تھی چندا صاحب کو نواب کرناٹک بنا دیا جائے۔ چنانچہ سات لاکھ روپیہ فدیہ دیکر اُسنے چندا صاحب کو خلاصی دلائی۔ چندا صاحب نے نہایت سُرعت کے ساتھ فوج جمع کر لی اور کرناٹک کی سرحد کی طرف پیشقدمی کر دی ٭

(صفحہ ۱۱۹)

نواب نظام الملک کی وفات

اُسی زمانے میں بانئ سلطنت حیدرآباد یعنے نواب نظام الملک صوبیدار دکن کا بڑھاپے کی عمر میں انتقال ہو گیا اور دکن کے معاملات میں یکایک ابتری پھیل گئی جس سے فرانسیسی گورنر کے حریصانہ منصوبوں کے لیئے بڑی آسانیاں پیدا ہو جانیکی صورت نظر آنے لگی۔ نواب نظام الملک کے پانچوں بیٹوں میں ناصر جنگ ایسا تھا جو اکثر اپنے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکا تھا مگر اتفاق سے وہی نواب نظام الملک کی وفات کے وقت انکے پاس تھا اسلیئے اُسنے فوراً خزانے پر قبضہ کر کے اعیان ریاست کو چاندی کی جوتی سے اپنا اطاعت شعار بنا لیا اور اپنی صوبیداری دکن کا اعلان کر دیا۔ لیکن نواب نظام الملک کا ایک نواسا مظفر جنگ تھا جسکو نواب نظام الملک نے اپنا ولیعہد بنایا تھا اور جسکی تخت نشینی کیلیئے حصول تھے شہنشاہ دہلی سے فرمان بھی حاصل کر لیا تھا۔ مظفر جنگ نے اپنے حقوق بزور شمشیر ثابت کرنیکے لیئے بہ تعجیل تمام سپاہ جمع کرنی شروع کر دی اور چندا صاحب بھی اس وعدے پر اُسکا شریک ہو گیا کہ بعد کامیابی نواب کرناٹک تسلیم کر لیا جائیگا۔ فرانسیسیوں نے فوراً مظفر جنگ کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور قابلترین فرانسیسی جنرل بسی کی سرکردگی میں ایک فوج بھی روانہ کر دی ٭

انوارالدین کی وفات

متحدہ افواج کا مقام امبور پر انوارالدین نے اول مقابلہ کیا جسمیں کرناٹک کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور انوارالدین میدان جنگ میں کام آ گیا۔ انوارالدین کا بیٹا

باب اول
فصل سوم

محمد علی بھاگ کر ترچناپلی میں پناہ گزیں ہو گیا جہاں سرکاری خزانہ بھی تھا۔ دوسرے دن مظفر جنگ بڑھتا
چلا گیا اور ارکاٹ پر قبضہ کر لیا اور صوبیدار دکن کا لقب ضابطے کے مراسم کے ساتھ اختیار کر لیا اور
کرناٹک کی حکومت چندا صاحب کو تفویض کر دی۔ اسکے بعد مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں پانڈیچری گئے
جہاں ڈیوپلے نے مشرقی شان و شوکت کے ساتھ اُنکا استقبال کیا اور مظفر جنگ نے اس امداد کے صلے
میں ۸۱ مواضعات ڈیوپلے کو نذر کیئے۔

انگریز اور محمد علی

محمد علی نے جب دیکھا کہ وہ فاتحین کے مقابلے میں ترچناپلی پر قبضہ قائم نہیں رکھ سکتا ہے تو
اُسنے پریزیڈنٹ مدراس سے امداد طلب کی جسنے ایک سو بیس سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ بھیجدیا۔
یہ ایک حقیر سی کوشش تھی مگر اسکا ایک اہم اثر یہ ہوا کہ انگریز لوگ محمد علی کے طرفدار بنگئے اور آئندہ کیلئے
فرانسیسی اقتدار کا ردعمل کرنیکے لیئے انگریزوں نے اسکو قومی عزت کا معاملہ سمجھ لیا کہ برابر محمد علی کی طرفداری
کیئے جائیں۔ اسی اثنا میں ناصر جنگ نے تین لاکھ سپاہ فراہم کی جسمیں نصف تعداد سواروں کی تھی اور یہ
سپاہ معہ آٹھ سو ضرب التواپ کے چندا صاحب اور مظفر جنگ کی تلاش میں روانہ ہوئی۔ پانڈیچری سے
پندرہ میل مقام والدار پر میجر لارنس بھی چھ سو گورہ فوج کے ساتھ ناصر جنگ کا شریک ہو گیا ادھر
ڈیوپلے نے مظفر جنگ کی امداد کے لیئے فرانسیسی سپاہ کی تعداد کو بڑھا کر دو ہزار کر دیا۔ (صفحہ ۱۲۰)
لیکن ٹھیک لڑائی چھڑنیکے وقت تیرہ فرانسیسی افسروں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور فوج کی اخلاقی حالت
بالکل پست ہو گئی اور وہ سب کے سب سر پہ پانوں رکھکر پانڈیچری کو بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ چندا صاحب بھی
اس پسپائی میں شریک ہو گیا لیکن مظفر جنگ نے اپنے ماموں کی قسموں پر بھروسہ کرکے اپنے تئیں
اُسکے قدموں پر ڈال دیا اور ناصر جنگ اُسے پابزنجیر کرکے اپنے ساتھ لیگیا۔ ناصر جنگ نے محمد علی کو
نواب کرناٹک بھی مقرر کر دیا۔ اس ضرب سے ڈیوپلے کے تمام منصوبوں کا بالکل خاتمہ ہوتا ہوا نظر آنے لگا
مگر اسکی آفرین کار طبیعت اُس وقت سے بہتر کسی شان میں پہلے نہیں ظاہر ہوئی ہوگی اُسنے ناصر جنگ سے
تعلقات قائم کرنیکے لیئے سفرا روانہ کیئے اور اُنکے ذریعے سے اُسکو یہ علم ہو گیا کہ ناصر جنگ کے تین پٹھان
باجگذار یعنے والیان کرنول۔ کڈاپا۔ اور سوانور ناصر جنگ کی حرکتوں سے ناراض ہو کر بغاوت کرنے پر
آمادہ ہیں۔ ڈیوپلے نے ان رئیسوں سے نامہ و پیام شروع کیا اور ناصر جنگ پر رعب طاری کرکے
اپنی شرائط منوا لینے کی غرض سے ایک فوجی مہم مسولی پٹم پر بھیجدی جسنے خاص شہر اور اُسکے مضافات پر قبضہ کر لیا

بسی کا جنجی کو تسخیر کر لینا

فرانسیسی جرنیل بسی نے محمد علی کی فوج پر حملہ کرکے اُسے سخت شکست دی اور
اُسکا باقی حصہ بھاگ کر قلعۂ جنجی میں پناہ گزیں ہو گیا۔ بسی نے فوراً اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور

فرانسیسی فوجوں کے اس قلعے کے سامنے نمودار ہونے سے چوبیس گھنٹے کے اندر فرانسیسی جھنڈا اس قلعے پر اُڑا دیا گیا درانحالیکہ اورنگ زیب کو اسی قلعے کا محاصرہ نو سال تک قائم رکھنا پڑا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ یورپین سپاہ نے ایسے قلعے پر حملہ کیا تھا جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اور اس کامیابی نے اہل دکن کے دل بٹھا دیئے اور انھیں یقین کامل ہوگیا کہ یورپ کی شجاعت کے سامنے کوئی مقاومت یا مدافعت نہیں چل سکتی۔

بسی کا ناصر جنگ کو شکست دینا

ناصر جنگ پر ان کارگزاریوں سے ایسا رعب چھایا کہ اُسنے بہ تعجیل تمام ڈوپلے کے تمام مطالبات کو منظور کرلیا جو یہ تھے کہ مسولی پٹم کے دونوں ضلعے ڈوپلے کو حوالے کردئے جائیں مظفر جنگ کو رہا کردیا جاوے اور چندا صاحب کو نواب کرناٹک بنا دیا جائے۔ صوبیدار دکن نے ان شرائط پر ایک معاہدہ ڈوپلے کے ساتھ طے کرلیا لیکن بسی نے اس سے پہلے تینوں باغی نوابوں کے ساتھ ایسا کچھ سمجھوتا کرلیا تھا کہ جس وقت وہ اُسے اشارہ دینگے اُسی وقت وہ ناصر جنگ کی فوج پر حملہ کردیگا۔ ڈوپلے نے ناصر جنگ کو جن شرائط پر راضی کرلیا تھا اُنکی بسی کو خبر نہیں تھی کہ اُدھر سے آمادۂ بغاوت نوابوں نے اُسے حیدرآباد کی فوج پر حملہ کرنیکا ایما کیا۔ چنانچہ بسی تین ہزار ہندوستانی تلنگے اور آٹھ سو فرانسیسی سپاہی لیکر دس توپوں کے ساتھ صوبیدار کی فوج پر حملہ آور ہوا جو اٹھارہ میل کی مسافت کے اندر پھیلی ہوئی تھی اور اُسپر فتح کامل حاصل کی۔ ان واقعات کا مورخ کہتا ہے کہ کارٹے اور پیازو کے زمانے سے اب تک کبھی ایسی چھوٹی سی فوج نے اتنی بڑی سلطنت کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ جسوقت کہ تینوں باغی نوابوں کی فوجیں بھی

(صفحہ ۱۲۱)

فرانسیسی فوج سے ملنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھیں ناصر جنگ اپنے گھوڑے کو بڑھا کر رئیس کدایا کے مقابلے میں پہنچا اور اُسکی طرف تھوک کر کہا۔ لا اُے نمکحرام کیا حربہ رکھتا ہے۔ نواب کدایا نے اپنے بد قسمت آقا کے سینے میں پے در پے دو گولیاں رسید کیں اور اُسکا وہیں فیصلہ کرکے اُسکا سر کاٹ لیا اور بطور نذر کے مظفر جنگ کو پیش کیا۔

مظفر جنگ صوبیدار دکن

مظفر جنگ اُس وقت لشکر میں قید تھا اور ناصر جنگ نے حکم دیدیا تھا کہ اگر جنگ کا رُخ کچھ پلٹا نظر آئے تو فوراً مظفر جنگ کا سر کاٹ ڈالا جائے لیکن بجائے قتل ہونیکے وہ رہا ہوا اور اسکی صوبیداری دکن کا اعلان کردیا گیا۔ اسکے بعد وہ معہ چندا صاحب کے ڈوپلے کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے اور اُنکا معاوضہ کرنے پانڈیچری کو روانہ ہوگیا۔ ڈوپلے نے شاہانہ لباس سے آراستہ ہوکر ان دونوں کا مسرت و شان و شوکت کے ساتھ استقبال کیا۔ ایک مرصع شامیانہ کھڑا کیا گیا جسکے سائے میں دکن کے سرداروں کی موجودگی میں ڈوپلے نے مظفر جنگ کو صوبیداری کے شاہی لباس سے آراستہ کیا اور سب سے پہلے خود نذر پیش کی اور اُسی وقت صوبیدار دکن کی طرف سے ڈوپلے کو دیائے

کرشنا اور راس کماری کے تمام درمیانی علاقے کی گورنری باضابطہ عطا کر دی گئی۔ اسکے بعد ڈوپلے نے چندا صاحب کو صوبیدار کے حضور میں پیش کیا اور یہ درخواست کی کہ نوابی کرناٹک کے منصب و اعزاز سے چندا صاحب کو سرفراز فرمایا جائے۔ اب چونکہ مظفر جنگ کو اپنے دار الحکومت کی طرف مراجعت کرنیکی جلدی تھی اسلیئے اُسنے ڈوپلے سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کچھ فرانسیسی فوج بطور بدرقے کے اُسکے ساتھ کر دی جائے چنانچہ جنرل بسی کو مع تین سو فرانسیسی اور تین ہزار قواعد داں ہندوستانی سپاہیوں کے مظفر جنگ کی ہمرکابی میں بھیجدیا گیا۔ ۱۷۔ جنوری ۱۷۵۱ء کو پانڈیچری سے شاہی ٹانڈا لدگیا لیکن اُسکے تین ہی ہفتے کے اندر وہ تینوں رئیس جنھوں نے ناصر جنگ سے بغاوت کی تھی اب مظفر جنگ سے باغی ہوگئے۔ بسی نے اُنکی فوجوں کو بہت جلد منتشر کر دیا لیکن مظفر جنگ نے بسی کے مشورے پر عمل نکر کے مفرورین کا تعاقب شروع کر دیا اور اسی تعاقب کے سلسلے میں نواب کرنول کے نیزے نے مظفر جنگ کا کام تمام کر دیا۔ اس سے تمام حیدر آبادی لشکر میں فوراً ابتری پھیل گئی مگر بسی کے حواس برجا رہے اور اُسنے وزرا اور دیگر اعیان سلطنت کو جمع کیا اور اپنے اثر و اقتدار کو کام میں لا کر اُنھیں یہ مشورہ دیا کہ ناصر جنگ کے بھائی صلابت جنگ کو محبس سے نکال کر فوراً صوبیداری کے خالی منصب کو پُر کر دیں چنانچہ صلابت جنگ کو فوراً قید خانے سے نکال کر تین کروڑ رعایا کی قسمت کا مالک بنا دیا گیا۔ اسکے بعد لشکر نے وہاں سے ترتیب کے ساتھ کوچ کیا اور دار الحکومت اورنگ آباد کو پہنچ گیا۔ ڈوپلے کے حوصلے اب بدرجۂ اتم پورے ہو چکے تھے اور فرانسیسیوں کی قوت معراج کمال تک پہنچ چکی تھی۔ صوبیدار کی حکومت کہنے کو تمام شمالی دکن پر تھی مگر در اصل قوت حکمرانی فرانسیسی سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی جسکا بول سب پر بالا تھا۔ جنوب میں تمام علاقہ جو دریائے کرشنا کے جنوب میں واقع تھا ڈوپلے کے زیر نگین تھا اور اُس علاقے کے تمام وسائل ڈوپلے کے تحت تصرف تھے۔

(صفحہ ۱۴۲)

کلائیو

اب ہم کرناٹک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جہاں فرانسیسی اور انگریز ترچناپلی پر قبضہ حاصل کرنیکے لئے چار سال سے دست و گریباں ہو رہے تھے کیونکہ اس قلعے کو وہ اس ملک کے قبضے کے لئے نہایت اہم سمجھتے تھے۔ اس وقت قلعے پر محمد علی کا قبضہ تھا جسکے ساتھ چھوٹی سی انگریزی فوج بھی تھی اور ڈوپلے نے چندا صاحب کی شرکت سے ایک زبردست دستہ فوج اس قلعے کی تسخیر کے لیئے جنرل لا کی سرکردگی میں بھیجا جو فرانس کے مشہور مشیر مالیہ ایم لا کا بھتیجا تھا۔ یہ موقع تھا جبکہ ہندوستان کی برطانوی سلطنت کے بانی یعنی کلائیو کی حربی قابلیت کا پہلی مرتبہ اظہار ہوا۔ کلائیو ایک غیر سرکاری دیہاتی شریف خاندان کا لڑکا تھا جو کمپنی کے محکمۂ اہل قلم سے متعلق ہو کر ۱۷۴۴ء میں ہندوستان آیا تھا۔ دو سال بعد وہ

اُس وقت مدراس میں موجود تھا جبکہ مدراس لیبرڈونا کے حوالے کیا گیا تھا مگر وہ کسی ترکیب سے
وہاں سے نکل بھاگا اور فورٹ سینٹ ڈیوڈ میں آگیا اور یہاں قلم کو بالائے طاق رکھکر اُسنے تلوار
ہاتھ میں لی اور قلعے کی مدافعت میں شریک ہوگیا۔ امیر البحر بوسکاوین نے جو ناکام محاصرہ پانڈیچری کا
کیا تھا اُسمیں بھی کلائیو شریک تھا اور بعد میں سنہ ۱۷۴۷ء کے معرکۂ دیبی کوٹہ میں شریک پیکار تھا جہاں
اُسکی قابلیتوں نے میجر لارنیس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرلیا۔ اُس وقت سنہ ۱۷۵۱ء میں پریزیڈنٹ
مدراس نے جو دستہ ترچناپلی کے محصورین کی کمک کے لئے بھیجا اُسمیں بھی کلائیو موجود تھا اور وہاں
اُسنے فطری حربی قابلیت سے یہ محسوس کرلیا کہ جب تک محاصرین کی توجہ دوسری طرف نہ ہٹائی جائیگی
تب تک اُنکو تسخیر ترچناپلی سے روک لینا ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ مدراس واپس آگیا۔ اور مسٹر سینڈرس
پریزیڈنٹ مدراس کو یہ مشورہ دیا کہ ارکاٹ دار الحکومت کرناٹک پر ایک فوجی مہم بھیجی جائے جسکا
لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ چندا صاحب کی فوج کا بڑا حصہ محاصرہ چھوڑکر ارکاٹ کی حفاظت کے لئے لانا پڑیگا۔
حسن اتفاق سے پریزیڈنٹ بھی کلائیو کی قابلیتوں کا قائل ہوگیا تھا اسلئے اُسنے اس تجویز کو منظور کرلیا
اور اس مہم کی قیادت بھی کلائیو ہی کے سپرد کردی اور وہ دوسو گورہ سپاہی۔ آٹھ سو تلنگے اور آٹھ
ایسے افسر اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوگیا جنمیں سے آدھے تو برابر تجارتی خدمات انجام دیتے رہے تھے اور
اور چھ نے کبھی لڑائی کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس فوج نے بلا مقاومت ارکاٹ پر قبضہ کرلیا مگر جیسا کہ
کلائیو پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا چندا صاحب نے اپنی دس ہزار فوج محاصرے سے ہٹالی اور ارکاٹ پر قبضہ کرنے ادھر چلا آیا۔

کلائیو کی شہرۂ آفاق مدافعت سنہ ۱۷۵۱ء

یہ قلعہ ایک میل کے محیط میں تھا اور اسکی حفاظت کے لئے محض نیچی اور ہلکی
قسم کی فصیل اور بُرجیاں بنی ہوئی تھیں جنمیں سے اکثر بوسیدہ حالت میں تھیں اور خندق بالکل خشک بھی
اور جگہ جگہ سے پٹ گئی تھی۔ اس قلعے پر قبضہ کرتے ہی کلائیو فوراً تعمیر استحکامات میں مصروف ہوگیا۔ دوران
محاصرہ میں اُسکا ایک افسر مارا گیا۔ دو زخمی ہوگئے اور ایک مدراس کو واپس چلا گیا۔ جو
فوج کام کے قابل تھی اُسکی تعداد گھٹتے گھٹتے صرف اکیسو بیس گورہ اور دوسو

(صفحہ ۱۲۳)

تلنگوں پر آگئی لیکن اسی مٹھی بھر تعداد سے کلائیو نے سات ہفتے تک چندا صاحب
کی بیشمار سپاہ کے تابڑ توڑ حملوں کی مدافعت کی جنکی پشت پر ڈھائی سو فرانسیسی بھی
تھے۔ آخری حملہ اٹھارہ گھنٹے تک جاری رہا جسکے بعد کلائیو کو یہ دیکھکر بے اندازہ
مسرت حاصل ہوئی کہ دشمن نے اپنا ٹانڈا لادا اور مایوس ہوکر واپسی کی تیاری
کرنے لگا۔ بقول مورخ اُورمی کے اس طرح وہ قابل یادگار محاصرہ ختم ہو گیا

جسکو پچاس دن تک صرف اُن مٹھی بھر آدمیوں نے برداشت کیا تھا جنکو میدان جنگ میں آنیکا پہلا موقع تھا۔ جس پامردی و استقلال کا اس مدافعت میں اظہار کیا گیا وہ پرانے سرد و گرم چشیدہ سپاہیوں کے شایانِ شان تھی۔ اس بہادر فوج کی سرکردگی ایک ایسے نوجوان قائد کے سپرد تھی جسکو اگرچہ بے لگتان سرگرمی اور غیر متزلزل اعتماد ذاتی کے اوصاف ودیعت کیے گئے تھے مگر اب تک نہ اُسنے کوئی کتاب ایسی پڑھی تھی نہ قابل تجربہ کار افسروں سے کوئی تعلیم ایسی حاصل کی تھی جس سے اُسکو فن حرب میں کوئی باقاعدہ معلومات حاصل ہوجاتیں پھر بھی مدافعت ارکاٹ میں جن وسائل سے اُسنے کام لیا وہ ایسے تھے کہ بہترین ماہرانِ حرب بھی اُن سے بہتر نہیں تجویز کرسکتے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ انگلستان کے زبردست مدبر پٹ نے بہت سچا خطاب مادرزاد سپہ سالار کا کلائیو کو دیا تھا۔

ترچناپلی پر ترکی بترکی

ارکاٹ سے واپسی کے بعد کلائیو مختلف قسم کی کارگزاریوں میں مصروف رہا جن سب میں اُسنے اپنی مستعدی و قابلیت کی وجہ سے امتیاز حاصل کیا۔ فرانیسی جب ایک سال تک ترچناپلی کا محاصرہ بے نتیجہ قایم رکھ چکے تو یکایک وہ ایسی مجبوری کی حالت میں آکر پھنس گئے کہ جنرل لا نے خود ہتھیار ڈال دیئے اور تمام خیمے وخرگاہ وذخائر وغیرہ حوالے کردیئے۔ محاصرے کے ابتدائی زمانے میں محمد علی نے راجہ تنجور سے اور زبردست مرہٹہ سپہ سالار مراری لال سے امداد طلب کی تھی یہ مراری لال میسور کا مدار المہام تھا۔ چندا صاحب نے جب اپنے فرانیسی حمایتیوں کو تنجور اور مرہٹہ فوج کے سامنے ہتھیار ڈالتے دیکھ لیا تو مجبور ہوکر اُسنے اپنے تئیں تنجور سپہ سالار کے سپرد کردیا مگر سپہ سالار مذکور نے محمد علی کے ایما سے چندا صاحب کو قتل کرڈالا اور بزدل اور بے وفا جلاد یعنے محمد علی نے اپنے ہمچشم اور اپنے عزیز کے قتل کے تماشے سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا اور اُسکا سر کٹواکر ایک اونٹ کی گردن میں لٹکوایا اور شہر ترچناپلی کے گرد پانچ چکر اُس اونٹ کو فوجی جلوس کے ساتھ پھروائے۔ محمد علی نے تنجور کے سپہ سالار سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اس امداد کے معاوضے میں قلعۂ ترچناپلی اُسکو دیدیا جائیگا اور میجر لارنس کو اس سودے کی خبر بھی نہیں ہونے دی تھی درانحالیکہ خود انگریزوں کی نظر میں اس قلعے کی حد سے زائد اہمیت تھی۔

باب اول
فصل سوم

اس دو فصلے پن سے نفور ہو کر میجر لارنیس خود مدراس چلا آیا اور ترچناپلی کے قلعے کو
تھوڑی سی گورہ فوج کی حفاظت میں چھوڑ آیا۔ اسکے بعد محمد علی نے تنجور سپہ سالار سے
نقض عہد کر دیا اسپر جھلا کر سپہ سالار مذکور فرانسیسیوں کا شریک ہو گیا اور ڈیوپلے نے
فوراً از سر نو محاصرہ قایم کر دیا۔ دو سال تک اس قلعے کے اندر اور باہر فوجی کارروائیاں
ہوتی رہیں اور مورخ اورمی کا دل فریب انداز بیان بھی اس قابل نہیں
کہ اس طول طویل جنگی کارروائی کے حملوں اور جوابی حملوں کی تفصیل اور کامیابیوں
اور ناکامیوں کی توضیح کو ناظرین بغیر اکتائے ہوئے پڑھ سکیں۔ مختصر یہ کہ فرانسیسیوں کو
میجر لارنیس کی اعلیٰ درجے کی جنگی چالوں کی وجہ سے تین مرتبہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا
اور ایک موقعہ پر انگریزوں کو بھی قابل یادگار شکست کا منھ دیکھنا پڑا جبکہ اُنکے تمام

(صفحہ ۱۲۴)

ہندوستانی اتحادی بھی اُنکا ساتھ چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ آخرکار ڈیوپلے نے قرارداد باہمی کی
تجویز پیش کی۔ انگریزوں کی طرف سے مسٹر فانسی ٹارٹ ایک نمائندہ ہوا اور دوسرا نمائندہ
مسٹر پاک مقرر کیا گیا جسنے اپنے مقدس مذہبی عبا کو اُتار کر حیثیت ملازمان ملکی کے لباس ہی
آجانا پسند کر لیا تھا۔ ان دونوں نمائندوں نے مبادیات مفاہمت پر ہی بحث ہوتے
وقت محمد علی کے لیئے نوابی کرناٹک کا قضیہ پیش کر کے تمام قرارداد کو وہیں اُلجھا دے میں
ڈال کر رکھدیا۔ یہ کیسے امید کی جا سکتی تھی کہ ڈیوپلے ایسی شرط پر رضامند ہو جائیگا
کیونکہ اُسکو تو صوبہ دار دکن کی طرف سے تمام کرناٹک کی گورنری تفویض ہو چکی تھی۔ غرض
یہ کہ جنگی کارروائی پھر شروع ہو گئی اور اسی طرح کامیابیوں اور ناکامیوں کے ساتھ
ایک سال تک اور بھی چلی گئی یہاں تک کہ یکم اگست ۱۷۵۴ء کو فرانس سے یکایک
ڈیوپلے کا جانشین ڈیوپلے کی معزولی کا حکم لیئے ہوئے آ پہنچا اور ڈیوپلے کی اولوالعزمی کا
تمام کھیل وہیں بگڑ کر رہگیا ہ

ڈیوپلے کا زوال

ہندوستان میں فرانسیسی اور انگریز ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچے
کھاتے تھے اور یورپ میں خاص فرانس اور انگلستان کا آپس میں
میل تھا۔ دونوں کمپنیاں اپنی تمام قوت عمل کو اور اپنے تمام وسائل کو اُن دیسی رئیسوں کی
طرفداری میں ضائع کر رہی تھیں جنکی وفاداری ہمیشہ مشتبہ رہتی تھی۔ اپنے حساب کتاب
کے دفتروں کو چھوڑ کر انگریزی و فرانسیسی تاجر میدان جنگ میں آ گئے تھے۔ مگر دونوں

اسکے خواہشمند تھے خاص کر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی تو دل سے یہ چاہتی تھی کہ یہ منحوس
صورت حالات کسی طرح اصلاح پکڑلے جسکو سپرنٹنڈنٹ مدراس نے بالکل بجا طور پر
ڈیوپلے کی آزپروری سے منسوب کیا تھا۔ سلطنت فرانس کی مجلس شوریٰ میں ڈیوپلے کی
مخالف ایک جماعت موجود تھی جسکی تعداد قلیل تھی لیکن ۱۷۵۳ء کی فوج کشی کی ناکامیوں
سے اس مخالف جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ علاوہ بریں انگلستان کی مجلس شوریٰ
نے فرانسیسی وزارت کے نام واضح اور زوردار الفاظ میں ایک فہمائشی مراسلہ بھیجا
اور بطور مظاہرے کے اسی فہمائش کے ساتھ امیر البحر واٹسن کی سرکردگی میں چار جنگی جہاز
معہ ایک پوری بحری رجمنٹ کے بھیجدئے جس سے پیرس کی مجلس شوریٰ کو مجبور ہوکر
اس مسئلے کی طرف بطور خاص توجہ کرنی پڑی اور مجلس موصوفہ نے اپنے ایک رکن مسمی
گوڈیہیو کا تقرر کرکے بھیجا جسکو فرانس کے تمام مشرقی مستعمرات پر تمام و کمال ملکی و فوجی اختیارات
تفویض کردئے گئے تھے۔ یہ گوڈیہیو ایک زمانے میں ہندوستان میں فرانسیسی ایسٹ انڈیا
کمپنی کا ملازم رہ چکا تھا اور ڈیوپلے کے ساتھ اسکے تعلقات بڑے دوستانہ رہے تھے
مگر چونکہ سفلہ اور احسان فراموش طبیعت کا آدمی تھا اسلئے اُسنے مجلس شوریٰ سے
یہ اجازت لیلی تھی کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ ڈیوپلے کو پابجولاں کرکے ہندوستان
سے روانہ کرسکے دراں حالیکہ بظاہر وہ ڈیوپلے کے ساتھ بڑے تپاک اور
محبت کا برتاؤ کررہا تھا۔ بہرحال پانڈیچری پہنچکر گوڈیہیو نے ڈیوپلے کی (صفحہ ۱۲۵)
تباہی و ذلت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ سرکاری حسابات سے ظاہر تھا کہ
پچیس لاکھ روپیہ ڈیوپلے کا ذاتی کمپنی کے ذمے نکلتا تھا کیونکہ اس عہدے پر
آنے سے پہلے جو دولت اُسنے پیدا کی تھی اُسمیں وقتاً فوقتاً وہ حکومت کے
مصارف کے لئے دیتا رہتا تھا لیکن گوڈیہیو نے اس رقم کی واپسی کی اجازت
نہیں دی۔ ڈیوپلے کی یہ عادت تھی کہ وہ ہندوستانی اتحادیوں کو اپنی جیب سے
رقمیں دیدیا کرتا تھا اور انکی ادائگی کے لئے بعض اضلاع مکفول کرلیتا تھا یعنی انکی
آمدنی سے اپنے مطالبہ وصول کرلیتا تھا مگر گوڈیہیو نے ان اضلاع پر زبردستی قبضہ کرکے
اور انکی آمدنی کمپنی کے حق میں وصول کرنی شروع کردی۔ اس طرح ذلت و فلاکت
کے ساتھ ڈیوپلے نے اپنے جلوہ گاہ عز و شان سے ۱۴۔ اکتوبر ۱۷۵۴ء کو فرانس روانہ

فصل سوم (۱۰)

ہوگیا۔ وہاں پہنچنے پر اول تو کچھ توقیر کا برتاؤ اُسکے ساتھ کیا گیا لیکن جس وقت کمپنی کے
ڈائرکٹروں کو یہ علم ہوگیا کہ ہندوستان میں تمام اختلافات کا خاطر خواہ فیصلہ ہوگیا
ہے اُسی وقت سے انھوں نے ڈیوپلے کے ساتھ مخاصمت کا برتاؤ شروع کردیا اور
دس سال تک یعنے اُسکی وفات کے وقت تک اُسکے حسابات کی طرف دیکھنا بھی گوارا
نکیا چہ جائیکہ اُسکے مطالبات کی ادائگی کیجاتی۔ جن قرضخواہوں سے اُسنے گورمنٹ کی
ضروریات کے لئے اپنی ضمانت پر رقمیں لی تھیں وہ ہمزاد کی طرح اُسکی دم کے پیچھے لگے
رہتے تھے اور اُسکی زندگی کے آخری تین ماہ میں اُسکے سکونتی مکان پر بھی ناظر ڈگری
نے قبضہ کرلیا تھا۔ اپنی موت سے تین دن پہلے اُسنے اپنے روزنامچے میں یہ حسرتناک
اندراج کیا۔

میںنے اپنے ملک کو متمول بنانیکے لئے اپنی جوانی اور اپنی دولت قربان کردی اور میرا نامہربان
وطن مجھکو بیکارترین انسان شمار کرتا ہے۔

اسطرح فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ناسپاسی کا دوسرا شکار بھی دنیا سے چل بسا۔ جن سربرآوردہ
مدبریں نے یوروپین اقتدار کو ہندوستان میں قایم کیا ہے اُن سب میں ڈیوپلے کا نام
ہمیشہ زیب فہرست رہیگا۔ وہ یوروپین فتوحات کا مقدمۃ الجیش تھا۔ اُسی نے اہل یورپ کو
یہ سبق پڑھایا کہ دیسی ریاستوں پر محض معدودے چند اہل قلم اور مٹھی بھر اہل سیف سے
کسطرح حکومت کیا کرتے ہیں اور اُسی نے ہندوستانی تلنگوں کی پہلی فوج بنائی تھی۔ ہندوستان
کے کسی یوروپین مدبر نے ایسی ہمہ گیر سیاسی قابلیت کا کبھی اظہار نہیں کیا اور یہ بالکل
بعید از قیاس نہیں ہے کہ اگر وہ ہندوستان میں دو تین سال اور بر سر حکومت رہ جاتا
اور وہ دو ہزار فرانسیسی فوج بھی اُسکے تحت تصرف میں دیدی جاتی جو گوڈیہیو اپنے
ساتھ لایا تھا اور بسی اُسکا کارکن رہتا تو وہ فرانسیسیوں کو بالکل اُسی طرح دکن کا
خودمختار مالک بنادیتا جیسے دو سال بعد انگریز بنگال اور بہار کے مالک ہوگئے تھے۔

فرانس اور انگلستان کی قرارداد

گوڈیہیو اور مسٹر سینڈراس بطور ہردو کمپنیوں کے
نمائندوں کے فوراً التوائے مخاصمت پر رضامند ہوگئے
اور انھوں نے ایک ایسی قرارداد کا مسودہ مرتب کیا جسکا منشا یہ تھا کہ قرارداد مذکورہ کی
یورپ میں تصدیق ہوجاتے ہی دونوں کمپنیوں کے مقبوضات ہندوستان میں برابر

مقدار میں ہو جائیں اور محمد علی کو دونوں نے نواب کرناٹک تسلیم کر لیا۔ یہ قرارداد فرانسیسی اغراض کے لئے نہایت مہلک تھی۔ اس سے اُنکے ہاتھ سے وہ سب کچھ نکل گیا جسکے لئے وہ اب تک دست و گریباں ہو رہے تھے یعنے نوابی کرناٹک۔ اضلاع شمالی سرکار۔ فرانسیسی اتحادی۔ فرانسیسی اقتدار اور فرانسیسی وقار سب کا صفایا ہو گیا۔ فریقین نے اپنے تئیں علی الدوام اسکا پابند کیا کہ مشرقی حکومت اور مناصب سے بالکل کنارہ کش رہینگے اور کبھی دیسی رئیسوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرینگے۔ لیکن ابھی ان الفاظ کی سیاہی بھی نہیں خشک ہوئی ہوگی کہ اسکے معنے پر پانی پھیر دیا گیا۔ یعنی یہ نوبت آگئی کہ ایک طرف تو انگریزی فوجیں اس غرض سے کوچ کر رہی تھیں کہ مدورا اور تناولی پر اپنے نواب کے لئے قبضہ کریں اور دوسری طرف ایک فرانسیسی دستہ تیرپور پر قبضہ کرنیکو جا رہا تھا۔ پھر کچھ مفاہمت کی امید بندھی مگر پھر ۱۷۵۶ء میں انگلستان و فرانس کے درمیان یورپ میں اعلان جنگ ہو جانے سے مصالحت کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اور پانچ سال تک سرزمین ہند پر دونوں کمپنیوں کے کارندے اپنے مخاصمانہ منصوبوں کو طرح طرح سے پورا کرنے میں برابر سرگرم کار و پیکار رہے ۞

(صفحہ ۱۲۶)

فصل چہارم

جنرل بسی۔ فرانسیسی قوت کا انحطاط۔ دیسی ریاستیں

بسی دار الحکومت میں

اب ہم بسی کی شاندار شخصیت کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اُسنے شمالی دکن میں حاصل کر لی تھی۔ حربی قابلیت کے اعتبار سے بسی کا رتبہ کلائیو کے برابر ہے لیکن نظم سیاست کے اعتبار سے کلائیو اُس کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ بسی عرصہ دراز تک ہندوستان کے نہایت ممتاز طبقے کا ہم جلیس رہ چکا تھا اسلئے اُسے ہندوستانی طبیعت کی خصوصیات میں پوری معلومات حاصل تھیں۔ اُسنے ہندوستانیوں سے کام لینے کا ڈھب بھی خوب سیکھ لیا تھا

باب اول فصل چہارم

کیونکہ وہ اُنکی عادتوں اور طبعیتوں کے مطابق اُنکے ساتھ وہ کچھ نرم گرم ملاکر برتاؤ کرتا تھا جسمیں فرانسیسی ہمیشہ انگریزوں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہوچکے ہیں۔ ۲۹- جون سنہ ۱۷۵۱ کو بسی نے صلابت جنگ کو تخت دکن دلایا اور اُسے شاہانہ جلوس کے ساتھ اورنگ آباد کو لایا۔ لیکن صلابت جنگ کے بڑے بھائی غازی الدین نے جو دربار دہلی میں ایک مقتدر منصب رکھتا تھا شاہ دہلی سے اپنی صوبیداری دکن کا فرمان حاصل کر لیا اور مرہٹوں کو بہت سا علاقہ دینے کا وعدہ کرکے اُنکی فوجیں اپنے ساتھ لیں اور جنوب کی طرف کوچ کر دیا۔ چنانچہ غازی الدین کا اتحادی یعنی پیشوا چالیس ہزار مرہٹہ سوار لیکر صلابت جنگ کو تخت سے اُتارنے چلا اور جتنے علاقے پر سے گزرتا اُسے برباد کرتا جاتا تھا۔ بسی اپنے مٹھی بھر فرانسیسیوں اور دو ہزار دیسی تلنگوں اور آٹھ دس میدانی توپوں کے ساتھ مرہٹہ سپاہ کے مقابلے کے لئے میدان میں آیا۔ مرہٹے آندھی پانی کی طرح نعرے مارتے ہوئے بسی کی فوج پر امنڈ کر آئے لیکن وہ بالکل سکون کے ساتھ اُنکی آمد کا انتظار کرتا رہا اور جب وہ ٹھیک زد کے اندر آگئے تو اُسنے اُنکی گنجان صفوں کے اندر توپوں سے تابڑ توڑ گراب کی باڑھیں مارنی شروع کیں اور چند منٹ میں اُنھوں نے بدحواس ہوکر پیٹھ پھیر لی اور ابتری کی حالت میں بھاگ کھڑے ہوئے یہہ پہلا موقعہ تھا کہ مرہٹہ سواروں نے جنکی دھاک دکن پر بیٹھی ہوئی تھی سر میدان کسی یورپین سپاہ کا مقابلہ کیا تھا اور اِس آویزش کے نتیجہ میں بسی کا اقتدار حد کمال تک پہنچگیا۔ بسی نے اپنی فاتحانہ کارروائی کو یہیں نہیں چھوڑ دیا بلکہ مفرورین کا تعاقب بڑے زور شور کے ساتھ پونا سے بیس میل کے فاصلے تک کیا اور پیشوا کو مجبور ہوکر تحریک صلح کرنی پڑی۔ مگر اس اثنا میں غازی الدین شمال کی طرف سے ڈیڑہ لاکھ فوج کے ساتھ برابر بڑھتا چلا آرہا تھا۔ صلابت جنگ کی ذاتی فوج جو کبھی اُسکے زیر انتظام نہیں تھی تنخواہیں نہ ملنے کی وجہ سے آمادۂ سرکشی ہو رہی تھی اور بسی نے صلابت جنگ کو یہ عاقلانہ مشورہ دیا کہ کسی طرح پیشوا کو ملالے اور اُسکی ترکیب یہ بتائی کہ برار کے مغرب میں دریاے تاپتی سے گوداوری تک جو علاقہ غازی الدین نے پیشوا کو دیدینے کا وعدہ کیا ہے وہی صلابت جنگ بھی پیشوا کو دیدے کیونکہ وہ علاقہ

(صفحہ ۱۲۳)

مملکت نواب نظام الملک کے ایسے بعید گوشے پر تھا کہ وہاں اچھی طرح حکومت و حفاظت کا انتظام بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں اورنگ آباد میں جہاں غازی الدین کا پڑاؤ تھا متوفی نواب نظام الملک کی ایک بیوہ رہتی تھیں جن کے ایک فرزند نظام علی بھی نواب نظام الملک کے صلب سے اُن کے ساتھ تھے اور وہ اپنے بیٹے کے لئے تخت دکن حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ غازی الدین اُن کی ضیافت میں شریک ہوا ہی تھا کہ اُسی شب میں انتقال کر گیا۔ قضا و قدر نے رات کی رات میں اُسکا کام تمام کر دیا۔ اور اُسکی فوج سبکی سب منتشر ہو گئی ٭

اضلاع شمالی سرکار

صوبیدار دکن کے دربار میں جو اقتدار بسی کو حاصل ہو گیا تھا اُسنے بسی کے بہت سے دشمن پیدا کر دئے تھے اور وزیر دکن پر اگرچہ بسی کے بہت احسانات تھے مگر اُسنے بھی اپنے محسن کی تباہی کے لئے سازش کرنی شروع کر دی۔ اوائل ۱۷۵۶ء میں بسی کو تبدیل آب و ہوا کے لئے لب ساحل جانا پڑا اور بیوفا وزیر نے بسی کی یورپین فوج کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ملک کے مختلف اضلاع میں کار خاص پر بھیجدیا اور اُنکی تنخواہیں بھی روک لیں اور پریزیڈنٹ مدراس کے ساتھ بسی کے خلاف نامہ و پیام شروع کر دیا۔ اتفاق سے اُسکا ایک خط کسی نہ کسی طرح بسی کے ہاتھ پڑ گیا جسنے فوراً یہ سمجھ لیا کہ اگر اس وقت اپنا اقتدار قایم رکھنے کی بہت جلد کوشش نہیں کیگئی تو تمام حیثیت خاک میں مل جائیگی اسلئے دشمنوں کے منصوبوں کو شکست کرنیکے لئے فوری سرگرمی کی ضرورت ہے۔ باوجودیکہ ابھی تک اُسکی صحت بالکل درست نہیں ہوگئی تھی مگر اُسنے فوراً کوشش کرنیکا عزم بالجزم کر لیا۔ اور اُسکی جو فوج ملک کے مختلف اضلاع میں پھیلی ہوئی تھی اُسکو حیدرآباد کے قریب جمع ہونیکی ہدایات بھیجدیں اور پانسو میل کا کوچ اورنگ آباد تک کرکے اپنی ساتھ سے چار ہزار فرنگی اور ہندوستانی فوج کے ساتھ اچانک دربار میں آ دھمکا۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف اُسکا اقتدار ہی پھر قایم نہیں ہو گیا بلکہ صوبیدار دکن اور اُسکے وزیر پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ بسی نے اپنی فوج کے اخراجات کی کفالت کے لئے شمالی سرکار کے چار ضلع بھی اپنے نام لکھوا لئے۔ یہ اضلاع ساحل کورومنڈل پر اس طرح واقع تھے کہ اُنکی حدبندی ایک کوہستانی سلسلے کے ذریعے سے

باب اول
فصل چہارم

ہوتی تھی جو سمندر کے متوازی پھیلتا چلا گیا تھا۔ یہ علاقہ طول میں ساڑھے چار سو میل
برلب ساحل واقع تھا اور عرض میں تیس سے سو میل تک تھا۔ اسمیں بہت سے اچھے
اچھے شہر تھے جنکو کارکنانِ قضا و قدر کی فیاضی نے اور اہل شہر کی
جفاکشیوں نے نہایت دولت خیز تجارتی منڈیاں بنا دیا تھا۔ اور اس علاقے کی
مجموعی سالانہ آمدنی پچاس لاکھ تھی۔ اُس زمانے کا مورخ لکھتا ہے کہ اس علاقے کے
مل جانے سے فرانسیسی اتنی بڑی مملکت کے مالک ہو گئے کہ اب تک ہندوستان
میں کسی دول یورپ کو نصیب نہیں ہوئی تھی حتٰے کہ پرتگالی بھی اپنے معراج کمال کے
وقت اتنی بڑی مملکت ہندوستان میں نہیں رکھتے تھے۔

(صفحہ ۱۲۸)

بسی کا اِبتلا

ساحل سے ۱۷۵۴ء میں واپس آکر بسی نے دیکھا کہ صوبہ دار دکن نے
مرہٹوں کی شرکت میں میسور پر ایک فوجی مہم خود اپنی سرکردگی میں لیجانیکا
عزم فرمالیا ہے تاکہ جو کچھ رقم خراج کے نام سے وصول ہو سکے وہ وصول کی جائے۔
بسی کو بھی باضابطہ حکم مل گیا کہ اپنے آقائے ولی نعمت کی ہمرکابی کے لئے تیار رہے۔
لیکن میسور کا مدار المہام فرانسیسی حکام پانڈیچری کا اتحادی تھا اور اُسنے محاصرۂ ترچناپلی میں
شرکت کرنیکے لئے ایک زبردست فوج بھی بھیجی تھی۔ بسی اس وقت بڑے پس و پیش میں
مبتلا ہو گیا مگر اُسکی غیر معمولی قابلیت نے اس وقت بھی اُسکی مشکل کو آسان کر دیا۔ وہ
صوبہ دار کی فوج کے ساتھ اپنے پانسو فرانسیسیوں کو لیکر شریک ہو گیا اور پوری مہم کی
قیادت اُسی کے سپرد کر دی گئی۔ بسی نے اپنی فوج کو اس قدر تیزی سے آگے بڑھایا کہ
مدار المہام میسور حیرت سے منھ دیکھتا رہ گیا اور فوراً مصالحت پر آمادہ ہو گیا چنانچہ
بسی نے درمیان پڑکر نواب نظام الملک کو اسپر راضی کر لیا کہ میسور سے ۵۶ لاکھ پر معاملہ طے
کر لے جو رقم مدار المہام کو رانیوں کے زیورات اور مندروں کے جواہرات لیکر
بہم پہنچانی پڑے گی۔ اسکے بعد ۱۷۵۵ء میں نواب نظام الملک کی فوج کو مرہٹہ فوج کی شرکت میں
لیکر نواب سوئنور کی بغاوت فرو کرنیکے لئے بسی لیکر گیا اور اُس نواب کو نواب نظام الملک کی
سلطانی کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔ مگر اُسکے دشمن جو تاک میں لگے
رہتے تھے اُنھوں نے صوبہ دار کے سامنے بسی کی کارگزاریوں کو غلط لباس میں
پیش کیا اور جس وقت کہ بسی دار الحکومت سے اور اپنے وسائل سے کئی سو میل کے

فاصلے پر سرکار میں مصروف تھا اُس وقت اُسکی برخاستگی کا حکم حاصل کرلیا۔
بسی نے اپنے معمولی سکون کے ساتھ اپنی برخاستگی کا حکم حاصل کیا اور دریائے
کرشنا کو عبور کرکے حیدرآباد کی طرف چلا۔ راستے میں جب اُسنے اپنے ذخائر حرب
میں کمی دیکھی تو وہ قلعۂ چیرمل کی طرف لوٹ پڑا اور اُسکا اچھی طرح استحکام کرلیا۔
اُسکے ناسپاس آقا نے جسکو اُسنے قیدخانے سے نکال کر تخت پر بٹھایا تھا اپنے
تمام باجگذاروں اور ماتحتوں کو اپنے جھنڈے کے تلے جمع کیا اور اپنے محسن کے
قلعے پر دو ماہ تک برابر حملے کرتا رہا مگر باوجودیکہ بسی کی دیسی فوج اُسکا ساتھ چھوڑکر چلیگئی
تھی مگر وہ اپنی حربی قابلیت سے برابر مدافعت کرتا رہا۔ آخر کار خوش قسمتی سے اُسکے پاس
ساحلی علاقے سے کمک پہنچگئی اور محاصرے کی بلا اُسکے سر سے ٹل گئی۔ اب بسی کی باری تھی۔
صلابت جنگ نے مرعوب ہوکر صلح کی تحریک شروع کردی اور بسی کی برخاستگی کو صرف
تین ہی مہینے گزرنے پائے تھے کہ اُسکا اقتدار پھر ہمیشہ سے زیادہ زور شور (صفحہ ۱۲۹)
کے ساتھ قایم ہوگیا۔ ادھر بسی کی پریشانیوں سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر اضلاع سرکار کے
زمینداروں نے ۱۷۵۶ء میں بغاوت کردی تھی اور بسی کو ان اضلاع میں امن قایم
کرنیکے لئے کئی مہینے مصروف رہنا پڑگیا۔ ان حوادث کا جو قدرتی اثر لازمی طور پر
انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارکنوں کی قسمت پر پڑگیا وہ ضرور قابل توجہ ہے۔
یعنی اُسی زمانے میں کلائیو نے کلکتے کو دوبارہ تسخیر کرلیا جسکا حال بعد کو لکھا جائیگا۔
اور نواب مرشدآباد کو شکست دیدی اور نواب نے بسی کے پاس بصیغۂ ضروری
استدعا بھیجی کہ اُسکی امداد کو آئے۔ لیکن اُسے اپنے ہی صوبے میں اپنا اقتدار حکومت
بازبحال کرنیکی ضرورت تھی اسلئے وہ نہ آسکا اور جس وقت کہ وہ اپنے اضلاع میں
امن قایم کرچکا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ اُڑیسہ کے راستے سے بنگال
پر یورش کرنیکے لئے تیار ہوا اُس وقت یہ سنکر وہ صدمے سے دل پکڑ کر رہگیا
کہ فرانسیسی نوآبادی چندرنگر پر انگریزوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ اگر وہ اس واقعے سے پہلے
بنگال پہنچ سکا ہوتا تو معرکۂ پلاسی کا نتیجہ غالباً کچھ اور ہی نکلتا۔

بسی صلابت جنگ کو خلاصی دلاتا ہے ۱۷۵۶ء

جس وقت بسی ساحلی علاقے میں گیا ہوا تھا
اُس وقت صلابت جنگ سے فائدہ اُٹھاکر اُسکے وزیر نے دولت آباد کے قلعے پر قبضہ کرلیا

باب اول فصل چہارم

اور نواب نظام الملک کے ایک بھائی کے ہاتھ میں زمام حکومت دیدی۔ صلابت جنگ کے سر پہ تباہی منڈلانے لگی تھی۔ اسکے سر سے تاج ڈھلکا جارہا تھا اور ملک میں ابتری پھیل جانیکا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔ بسی نے یہ خبر سنتے ہی ساحلی علاقے سے اپنی فوج کے ساتھ کوچ کیا اور ایسے علاقے میں سے ہوکر آیا جسپر اُس سے پہلے کسی یورپین نے قدم نہیں دھرا تھا اور چار سو میل کا سفر اکیس دن میں طے کرکے اورنگ آباد پہنچا۔ اُسکے آتے ہی تمام فتنے ایسے فرو ہوگئے جیسے کوئی طلسم کسی لوح سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وزیر ایک فتنے کے دوران میں مارا گیا جو اُسی کے توڑ جوڑ سے کھڑا ہوگیا تھا۔ دولت آباد کو ایک ہی ہلّے میں فتح کرلیا گیا اور فرانسیسی فوجوں نے ایسے مقام پر قبضہ کرلیا جو بالکل ناقابل تسخیر تھا۔

اب سات سال ہو چکے تھے کہ بسی دکن میں بادشاہ گر بنا ہوا تھا۔ اُسنے فرانس کے اغراض و مفاد کو ایسی مستحکم بنیاد پر قایم کردیا تھا کہ معمولی حادثات اُسمیں تزلزل نہیں پیدا کرسکتے تھے اور فرانس کا اقتدار جنوبی ہند میں ویسا ہی مستحکم ہوگیا تھا جیسا کہ فتح پلاسی کے بعد انگلستان کا اقتدار شمالی ہند میں تھا اور قرائن یہ کہتے تھے کہ یورپ کی یہ دونوں دولتیں ہندوستان کو برابر برابر تقسیم کرلینگی۔ لیکن کارکنان قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک دولت کی قوت وسیع تر اور مستحکم تر ہونیوالی تھی اور دوسری دولت کی قوت صرف ایک شخص کی نخوت و حماقت سے فنا ہوجانیوالی تھی۔

بسی کی واپسی	کاونٹ لیلی ۱۷۵۸ء میں فرانسیسی مقبوضات ہند کا گورنر ہو کر آیا اور کچھ اپنے اختیارات جتانیکے خیال سے اور کچھ رشک و حسد کی وجہ سے

اُسنے بسی کو یہ حکم بھیجا کہ اپنی موجودہ کامیابیوں کی جولانگاہ کو چھوڑ کر معہ اپنی تمام فوج کے پانڈیچری چلا آئے۔ بسی اطاعت شعاری کو سپاہی کا فرض اولیٰ سمجھتا تھا چنانچہ جو ہندو مسلمان اُسکے نام سے لرزتے تھے اُن سبکو حیرت و استعجاب میں چھوڑ کر اُسنے کاونٹ لیلی کے حکم کی تعمیل میں فوراً دکن کو ایسے وقت میں چھوڑدیا جبکہ اُسکی طاقت انتہائے عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور اُسکے جانیکے بعد فرانس کا آفتاب اقبال دکن میں ایسا غروب ہوا کہ پھر اُسے طلوع ہونا ہی نصیب نہوا۔

صفحہ (۱۳۰)

محاصرہ تنجور	کاونٹ لیلی آئرلینڈ کے ایک رومن کتھولک خاندان کا رکن تھا

جو جیمز ثانی کی جلاوطنی کے وقت آئرلینڈ کو چھوڑ کر فرانس میں آبسا تھا۔ لیلی کی تعلیم و تربیت چالیس سال کی عمر تک فنِ حرب میں ہوتی رہی تھی۔ اُسکی حربی قابلیت اس قدر مشہور تھی کہ ۱۷۵۶ء میں جب فرانس اور انگلستان میں جنگ ہوئی تو اُس وقت جو زبردست بیڑہ ہندوستان پر بھیجنے کی تجویز فرانسیسی وزارت کے زیرِ غور تھی اُسکی ناخدائی کے لئے لیلی سے بہتر دوسرا شخص نہیں سمجھا گیا تھا۔ اپریل ۱۷۵۸ء میں لیلی پانڈیچری کے ساحل پر اُترا اور فوراً سینٹ ڈیوڈ کے انگریزی کارخانے پر چڑھ دوڑا اور ایک ماہ میں اُسے تسخیر کر لیا۔ اس وقت انگریزوں کو دکن سے نکال باہر کرنے کے لئے موقعہ بڑا اچھا تھا۔ مدراس بالکل غیر مستحکم تھا اور وہاں کا بیڑا اور گورے سپاہی سب بنگال میں مصروفِ کار تھے اور فرانسیسیوں کی جسطرح تری پر حکومت تھی اُسی طرح خشکی پر اقتدار تھا۔ لیلی نے بلا توقف مدراس پر حملہ کرنیکا عزم بالجزم کر لیا لیکن امیر البحر نے نہایت نالائقی کر کے اُسے اپنے جہازوں کی امداد دینے سے انکار کر دیا اور پانڈیچری کونسل نے مصارف کی منظوری نہ دیکر اُسکے ہاتھ پاؤں بالکل ہی باندھ دئے۔ اس وقت سے سات سال پہلے راجۂ تنجور نے مظفر جنگ اور چندا صاحب کے مطالبات سے مجبور ہو کر چھپن لاکھ کا ایک تمسک لکھدیا تھا جو بعد کو بالکل بیکار سمجھکر ڈیوپلے کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ جب کوئی اور صورت نظر نہیں آئی تو کاونٹ لیلی نے اپنا جنگی خزانہ بھرنے کے لئے اس رقم کی طرف نظر اُٹھائی اور اس تمسک کی ادائگی کے لئے بڑی سے بڑی یورپین اور دیسی سپاہ جو وہ فراہم کر سکتا تھا ساتھ لیکر تنجور کی طرف کوچ کیا اور راستے میں زبردستی رسد وغیرہ فراہم کرانیکے سلسلے میں ایک موقعے پر چھ برہمنوں کو توپ دم کر دیا۔ قلعہ تنجور کا دو ہفتے تک محاصرہ رکھا گیا اور قلعے میں راستہ پیدا ہو جانیکی اطلاع بھی مل چکی تھی مگر ساحل پر ایک انگریزی بیڑے نے نمودار ہو کر فرانسیسی مخزنِ حرب کالیکار کو دھمکی دینی شروع کر دی۔ اس وقت لیلی کے پاس بھی صرف دو کارتوس رہ گئے تھے اور دو ہی دن کی رسد باقی تھی اسلئے اُسنے فوراً محاصرہ اُٹھا کر ساحل کا راستہ لیا۔

محاصرۂ مدراس ۱۷۵۸ء پانڈیچری پہنچکر لیلی نے کسی نہ کسی طرح کونسل سے کچھ رقم کی منظوری محاصرۂ مدراس کے لئے حاصل کی جسکی عینک ہر وقت اُسکے دل کو لگی رہتی تھی اور نومبر ۱۷۵۸ء میں دو ہزار یورپین پیدل اور تین سو یورپین سوار

باب اول
فصل چہارم
(صفحہ ۱۳۱)

اور ایک زبردست ہندوستانی سپاہ ساتھ لیکر مدراس پر پیشقدمی کی۔ قلعہ بند فوج میں اس وقت ایکہزار سات سو اٹھاون یورپین اور دو ہزار دو سو دیسی سپاہ تھی لیکن انکی قیادت پرانے پختہ کار لارنس کے ہاتھ میں تھی جسکے مددگار تین افسر اور بھی تھے جنھوں نے اسی کی نظر کے تلے تربیت حاصل کی تھی۔ محاصرہ دو ماہ تک بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا گیا اور آخرکار ایک راستہ پیدا ہو جانیکی اطلاع بھی مل گئی لیکن عین وقت پر لیلی کے افسروں کے انکار بیکار نے اسکے منصوبوں کو بیکار کر دیا اور ساحل پر ایک انگریزی بیڑے کے نمودار ہو جانے نے اُسے محاصرہ اُٹھا دینے پر مجبور کر دیا۔ یہیں پر اُسکی نحوستوں کا خاتمہ نہیں ہو گیا بلکہ کلائیو کی بھیجی ہوئی ایک سپاہ نے اضلاع شمالی سرکار پر بھی قبضہ کر لیا اور اب چونکہ صلابت جنگ کے بھی تمام تعلقات فرانسیسیوں سے منقطع ہو گئے تھے اسلئے اُسنے بھی اپنے تئیں انگریزی سپہ سالار کرنل فورڈ کے ساتھ ایک معاہدہ اس مضمون کا طے کر لیا کہ آئندہ کسی فرانسیسی کو اپنی ملازمت میں نہیں رکھیگا ٭

بحری آویزشیں

لیلی پانڈیچری کو واپس آیا اور اُسکے افسر سپاہی اور دیگر لشکری نشۂ سرکشی میں سرشار ہو رہے تھے لیکن اُسکی امیدیں پھر کچھ ہری ہو نے لگ گئیں جبکہ گیارہ جہازوں کا ایک فرانسیسی بیڑا آ گیا جس میں سات سو سپاہی جنگی جہاز پر بھی پچاس توپیں چڑھی ہوئی تھیں مگر اسکے مقابلے کے لئے انگریزی بیڑا بھی اس سے کم زبردست نہیں تھا۔ ۱۷۵۹ء میں جو بحری معرکہ ہوا اُسمیں فریقین کے بیڑے اس وقت کے لئے بیکار ہو گئے مگر شکست کسیکو نہیں ہوئی۔ اسکے بعد باوجود حکام پانڈیچری کی فہمائشوں التجاؤں اور دھمکیوں کے فرانسیسی امیر البحر جزیرۂ فرانس کو چلا گیا اور سمندر کو انگریزوں کے قبضے میں چھوڑ گیا۔ فرانسیسی فوج کی دس ماہ کی تنخواہ بقایا میں تھی اسلئے اُسنے بغاوت کر دی اور مدراس کی طرف چل کھڑی ہوئی مگر اُنکے بقایا کا کچھ حصہ ادا کر کے انکو بمشکل تمام واپس بلایا گیا۔ لیلی نے پھر ایک ٹکر اور لڑائی کا ارادہ کیا اور وندیواش پر یورش کر کے شہر پر قبضہ کر لیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ انگریزی فوج کوٹ کی سرکردگی میں اس قلعے کی خلاصی کے لئے بڑھی کوٹ اپنی جرنلی قابلیت کے اعتبار سے کلائیو سے دوسرے درجے پر شمار کیا جاتا تھا۔ فریقین میں

نہایت جبکہ ۱۷۶۰ء میں لڑائی ہوئی جو معرکۂ وانڈیواش کے نام سے مشہور ہے اور اپنی سختی اور اپنے اثرات کے لحاظ سے اس وقت تک کے تمام ہندوستانی معرکوں میں اہم ترین معرکہ تھا۔ فریقین نے دادِ شجاعت دی مگر آخر کار فرانسیسیوں کو شکستِ فاش نصیب ہوگئی۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان جہدِ حیات وقیامِ سلطنت کی خاطر یہ آخری کشاکش تھی اور اسکے بعد سے فرانسیسی اقتدار کے قایم ہونیکی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ لیلی پسپا ہو کر پانڈیچری میں پناہ گزیں ہوا۔ باوجودیکہ اس وقت قومی عزت واقتدار کے لئے لازمی خطرات موجود تھے مگر اُسکے ہمعصر اور ہمسر سردار بجائے اُس سے ہمدردی اور اتفاق کرنیکے ہر طرح کی عدول حکمی اور مخالفت پر سازباز کر رہے تھے چنانچہ اُسنے یہ بےبسی کا اندراج اپنے روزنامچے میں کیا ہے۔

اس وقت جبکہ نہ روپیہ پاس ہے۔ نہ کوئی جہاز ہے۔ نہ کوئی رسد کا انتظام ہے بہتر یہ ہے کہ پانڈیچری کو دشمن کے حوالہ کردیا جائے۔

(صفحہ ۱۳۲)

محاصرہ و تسخیر پانڈیچری ۱۷۶۱ء

اس اثنا میں کوٹ نے تمام فرانسیسی فوجوں کو اُن تمام قلعوں اور معرکے کے مقاموں سے بیدخل کردیا جن پر انھوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور پانڈیچری کا محاصرہ کرنیکی تیاریاں کیں۔ مجلسِ انتظامیہ کی ایک حماقت سے یہ محاصرہ بالکل ہی ناکام ہوگیا ہوتا کیونکہ مجلسِ موصوفہ نے یہ حکم بھیجدیا تھا کہ کرنل مونسن کو سپہ سالارِ درجۂ دوم تھا سپہ سالار درجۂ اول مقرر کردیا جائے جسکے معنے یہ تھے کہ کوٹ نے حال ہی میں جو کامیابیاں حاصل کی تھیں وہی اُسکے لئے گویا بدشگونیاں بنگئیں۔ لیکن حُسنِ اتفاق سے کرنل مونسن کے ایک زخم ایسا آگیا تھا کہ وہ کام کے قابل نہیں رہا تھا اسلئے پریزیڈینٹ مدراس نے کوٹ کو حکم دیا کہ وہ فوج کی قیادت اپنے ہی ہاتھ میں رہنے دے۔ جب بارش ہوتی رہی پانڈیچری پر ایک انفعالی ناکہ بندی قایم رکھی گئی اور بارش ختم ہونیکے ساتھ ہی محاصرے کی کاروائی سرگرمی کے ساتھ جاری کردی گئی لیلی کی سرکاروائی میں وہ ملکی افسر رکاوٹیں ڈال رہے تھے جو سب کے سب اُس سے نفرت کرتے تھے اور جن میں سے حب وطن اور ایمانداری کے تمام جذبات فنا ہوگئے تھے۔ لیکن لیلی نے محاصرے کی سختیوں کو برابر برداشت کیا اور جب تک کہ دو دن کی رسد باقی نہ رہ گئی اُس وقت تک پامردی سے مدافعت کئے گیا یہاں تک کہ دشمنوں کے دل سے

اُسکے لئے بیساختہ تعریف نکلنے لگی۔ ناکتیں جس وقت پانڈیچری میں گئے ہیں تو انگریزی رجمنٹوں کی حالت کو دیکھکر بھر آئے جنکا ہر شاندار اور قوی ہیکل سپاہی بھوک اور تکان کی سختی سے گھل گھلاکر محض ہڈیوں کا ہار رہگیا تھا:

فرانسیسی مجلس انتظامیہ نے لیلی کے نام اس سے پہلے ایسے احکام بھیجے تھے کہ انگریزی مستعمرات کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔ یہ مراسلہ کسی طرح انگریزوں کے ہاتھ پڑ گیا چنانچہ انگریزی مجلس انتظامیہ کے حکم سے پانڈیچری پر گدھے کا ہل پھروا دیا گیا اور ایک مسقف بھی اُس شاندار شہر میں آسمان کے تلے باقی نہیں رکھی گئی۔ وہ جنگ جسمیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد انگریز اور فرانسیسی پندرہ سال سے برابر مصروف ہوتے رہے تھے اب ایسی ختم ہوگئی کہ فرانسیسی اقتدار بھی اُسکے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔ ہندوستان میں سلطنت کے قیام کی پرحوصلہ امیدیں جو لیبر ڈونائے۔ ڈیوپلے۔ بسی اور لیلی سب کے دلوں میں جلوہ گر رہ چکی تھیں اب بالکل فنا ہوگئیں ۱۷۶۳ء کے صلحنامۂ پیرس کے ذریعہ سے اگرچہ تمام فرانسیسی نوآبادیات واپس کردی گئیں مگر اُنھیں ہندوستان میں اپنی سیاسی اہمیت نہیں حاصل ہوسکی ؛

لیلی کا حشر

لیلی فرانس کو واپس طلب کرلیا گیا اور اُسے قید فرنگ میں ڈال دیا گیا جہاں وہ تین سال تک بند امتحاں رہا۔ اسکے بعد اُسے عدالت میں ملزم بناکر کھڑا کیا گیا اور اُسے قانونی امداد لینے کی بھی اجازت نہیں دیگئی اور آخرکار اُسپر یہ جرم عاید کیا گیا کہ اُسنے اپنی کمپنی اور اپنے بادشاہ کے اغراض کو بالقصد نقصان پہنچایا ہے۔ اس جرم کی پاداش میں اُسکے لئے سزائے موت تجویز ہوئی۔ اُسکو ایک میلے کی گاڑی پر بٹھاکر قتلگاہ کو پہنچایا گیا اور اُسکا سر قلم کردیا گیا۔ پندرہ سال کے اندر ناسپاس وطن نے یہ تیسرا شکار کیا۔

باب اول
فصل پنجم
(صفحہ ۱۳۳)

فصل پنجم

دیسی ریاستیں من ابتدائے غارتگری دہلی سنہ ۱۷۳۹ء لغایت معرکۂ پانی پت سنہ ۱۷۶۱ء

احمد شاہ ابدالی

اب ہم اُن واقعات کا کچھ تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں جو نادر شاہ کے سنہ ۱۷۳۹ء کے حملۂ دہلی کے وقت سے سنہ ۱۷۶۱ء کے معرکۂ پانی پت تک دیسی ریاستوں میں پیش آتے رہے۔ نادر شاہ نے واپسی ایران پر جو ظلم و تشدد مخلوق پر روا رکھا تھا اُسکا خاتمہ آٹھ سال بعد اُسکے قتل پر ہو گیا۔ لیکن ہندوستان کی جان کے لئے نادر شاہ سے بھی زبردست ایک نیا دشمن احمد شاہ پیدا ہو گیا جو افغانی قبیلۂ ابدالی کا سردار تھا اور جو سنہ ۱۷۴۷ء کے اختتام سے پہلے قندھار کا بادشاہ تسلیم کیا گیا اور چند روز میں تمام کابل اور اسکے سندھ علاقہ کا خود مختار حاکم بنگیا۔ احمد شاہ بھی ہندوستان پر نادر شاہ کی ہمرکابی میں آیا تھا اور اُس وقت کی آسان کامیابیوں سے ہمت پاکر اسنے ایکی دفعہ بطور خود ہندوستان کا رخ کیا اور صوبۂ لاہور پر قبضہ کر کے سرہند پر پیشقدمی کردی۔ مگر یہاں شہزادۂ احمد ولیعہد دہلی نے اُسے شکست فاش دی اور اُسے مجبور ہو کر پھر سندھ پار جانا پڑا۔ محمد شاہ دہلی پر تیس سال تک حکومت کر گئے اور اپنے زمانے میں سلطنت کو روز بروز کمزور تر کر کے سنہ ۱۷۴۸ء میں انتقال کر گیا اور اُسکی جگہ اُسکا بیٹا شہزادۂ احمد تخت نشین ہوا جسنے نواب اودھ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ نواب وزیر نے جب یہ دیکھا کہ حکومت کی بد نظمی سے فائدہ اُٹھا کر ایک افغانی قبیلہ روہیلا نے روہیلکھنڈ میں اپنی قوت کو بہت وسیع و مستحکم کر لیا ہے اور کرتا جا رہا ہے تو اُسنے اُن پر حملہ کر دیا مگر اُنکے ہاتھ سے شکست فاش کھائی اور تمام اودھ کو روہیلوں نے بالکل روند ڈالا آخر نواب وزیر نے مجبور ہو کر یہ خطرناک تدبیر اختیار کی بہت منت سماجت کر کے ہلکر اور سندھیا دو مرہٹہ سرداروں کو اپنی امداد کے لئے طلب کیا جنکی مدد سے اُسنے روہیلوں کو اپنے ملک سے نکال کر اُنکے کوہستان تک اُنکا تعاقب کیا۔ دونوں مرہٹہ سرداروں کی آتش حرص بجھانیکے لئے نواب وزیر نے اُنھیں اجازت دیدی کہ روہیلکھنڈ کا مفتوحہ علاقہ جتنا چاہیں لوٹ لیں چنانچہ یہ علاقہ مرہٹوں کی بے سرفہ غارتگری کے ہاتھوں

باب اول
فصل پنجم

برسوں نہیں پنپ سکا

احمد شاہ کا دوسرا اور تیسرا حملہ

احمد شاہ نے گھر جا کر پھر اپنی فوجوں سے محنت لینی شروع کی اور جب اُنکی تربیت حسبِ دلخواہ ہو چکی تو پھر پیشقدمی کر کے پنجاب اور ملتان پر قبضہ کر لیا اور اپنا ایک سفیر اس غرض سے دہلی بھیجا کہ ان دونوں صوبوں کو باضابطہ فاتح کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ نے ایک رشوت خوار خواجہ سرا کے بہکانے میں آکر احمد شاہ کے اس مطالبے کو منظور کر لیا۔ نواب وزیر اس وقت روہیلوں کے تعاقب میں مصروف تھا۔ یہ خبر سنتے ہی بہ تعجیل تمام دہلی پہنچا لیکن وہ اتنی دیر کر کے آیا تھا کہ اب ان صوبوں کی واپسی ممکن نہ تھی چنانچہ اُسنے جھنجھلاہٹ میں آکر اس خواجہ سرا کو دعوت کے بہانے سے بلا کر قتل کرا ڈالا۔ اس چیرہ دستی نے احمد شاہ کو بہت برافروختہ کیا اور اُسنے فوج کا انصرام غازی الدین کے سپرد کر دیا۔ یہ غازی الدین نواب نظام الملک کا پوتا اور اُس شہزادے کا بیٹا تھا جسے اُسکی سوتیلی ماں نے اورنگ آباد میں زہر دیکر مار ڈالا تھا۔ اس طرح شہنشاہ اور وزیر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور شہر دہلی چھ ماہ تک خونریزیوں کا منظر بنا رہا۔ آخر کار غازی الدین نے اپنی امداد کے لئے ہلکر کے سرفروشوں کو بلا لیا اور نواب وزیر نے جب اس خونخوار گروہ کے مقابلے کی تاب اپنے میں نہ پائی تو مفاہمت پر راضی ہو گیا اور اُسکو شہنشاہ نے اودھ اور الہ آباد اپنے قبضے میں رکھنے کی اجازت دیدی اور اس طرح یہ دونوں صوبے ہمیشہ کے لئے سلطنتِ دہلی سے علیحدہ ہو گئے۔ چند روز میں غازی الدین کی خودسریاں حد درجہ بڑھ گئیں اور جس وقت کہ وہ بھرتپور کے محاصرے میں مصروف تھا اُس وقت بادشاہ بہ نفسِ نفیس ایک جرار سپاہ کے ساتھ اُسکے گرفتار کرنیکے لئے روانہ ہوا مگر شاہی فوجوں کو شکست ہو گئی بادشاہ خود غازی الدین کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا اور نمکحرام ملازم نے اپنے آقائے ولی نعمت کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور شاہی خاندان کے ایک شہزادے کو عالمگیر ثانی کا لقب دیکر ۱۷۵۴ء میں تخت پر بٹھا دیا۔ اسکے بعد غازی الدین نے پنجاب پر پیشقدمی کی اور احمد شاہ ابدالی کے عامل کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ یہ حال سنتے ہی احمد شاہ نہایت عجلت کے ساتھ انتقامی حملہ کر کے آیا اور ۱۷۵۶ء میں پنجاب کو پھر فتح کر لیا اور دہلی پر پیشقدمی کر دی۔ غازی الدین نے نہایت عاجزانہ اظہار اطاعت شعاری شروع کیا اسلئے ابدالی نے اُسکی تو جان بخشی کر دی لیکن تاوانِ جنگ وصول کرنیکے طور پر

(صفحہ ۱۳۴)

باب اول
فصل پنجم

اپنی فوجوں کو شہر دہلی لوٹ لینے کی اجازت دیدی - اور پھر ایک دفعہ نادرشاہ کے زمانے کی بیصرفہ غارتگری و خونریزی کا نظارہ کئی روز تک شہر میں قایم رہا - اسکے بعد ہی ایک مذہبی تہوار کے موقع پر کئی ہزار ہندو پجاریوں کو متھرا میں قتل کر ڈالا گیا مگر اسی حالت میں ابدالی کے لشکر میں بھی ایک وبا پھوٹ پڑی اور اُسے مجبور ہو کر پھر سندھ پار چلا جانا پڑا - جاتے وقت وہ اپنے بیٹے تیمور کو پنجاب کا عامل مقرر کر گیا اور شاہ دہلی کی خاص التجا پر روہیلا سردار نجیب الدولہ کو سپہ سالار مقرر کر گیا تاکہ وہ غازی الدین کی فریب کاریوں سے شہنشاہ کی حفاظت کرتا رہے :۔

مرہٹہ عظمت وشان

غازی الدین نے جب بادشاہ کو بھی اسطرح اپنے سے پھر جاتے دیکھا تو اُسنے مرہٹہ سردار رگھناتھ راؤ عرف رگھوبا کو اپنی امداد کے لئے طلب کیا جسنے ایک ماہ محاصرہ کر کے سنہ ۱۷۵۸ء میں دہلی کو تسخیر کر لیا اور وہاں سے پنجاب پر پیشقدمی کی اور تیمور کی فوج کو افغانستان کی طرف واپس بھگا دیا اور دریاے سندھ کے کنارے پہلی مرتبہ مرہٹہ علم نصب کر دیا اور ایک مرہٹہ سردار کو پنجاب کی حکومت سپرد کر کے پونا کو واپس آگیا - پیشوا کچھ عرصے سے احمد نگر پر قبضہ کرنیکی فکر میں تھا اور آخرکار اُسنے فریب کاری سے اُسپر قبضہ کر ہی لیا - اسس عدم دستی کی وجہ سے پیشوا کی دونوں بھائیوں یعنے صلابت جنگ اور نظام جنگ سے جنگ چھڑ گئی - ان دونوں بھائیوں میں اب میل ہو گیا تھا لیکن اب دکن میں نہ بسی تھانہ اُسکی قواعد داں سپاہ تھی بلکہ بسی کا بہترین ہندوستانی افسر ابراہیم خاں بھی برخاست ہو کر اپنے ساتھ اپنا زبردست توپ خانہ اور تجربہ کار توپچی لئے ہوئے پیشوا کے پاس ملازمت اختیار کر چکا تھا ابتدائی آویزشوں کے بعد ہی یہ نتیجہ نکلا کہ نواب نظام الملک کو مجبور ہو کر سنہ ۱۷۶۰ء میں اُن تمام شرایط پر راضی ہونا پڑا جنکا مطالبہ پیشوا نے کیا - چنانچہ دکن کے چار اہم قلعے پیشوا کو حوالے کر دئے گئے - احمد نگر پر پیشوا کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا اور اسقدر مزید علاقہ اُسکے حوالے کیا گیا جسکی سالانہ آمدنی ۵۶ لاکھ تھی - اس طرح دکن کے صوبہ جات متعلقہ سلطنت مغلیہ میں سے کٹ کٹا کر بہت تنگ علاقہ باقی رہگیا - اس وقت مرہٹوں کی قوت معراج کمال پر پہنچ گئی تھی - دریاے سندھ اور دریاے کولرون کے

(صفحہ ۱۳۵)

باب اول
فصل پنجم

کناروں پر اُنکا یکساں عظمت و شان کے ساتھ نام لیا جاتا تھا اور ہندوستان اور دکن میں اُنکا رعب برابر چھایا ہوا تھا اور وہ خود گردن فرازی کے ساتھ ہندوستان میں ایک نئی ہندو سلطنت قائم کرنیکے دم خم ظاہر کر رہے تھے۔

ابدالی کا چوتھا حملہ

رگھوبا نے شمالی ہند میں مرہٹہ اغراض کی توسیع کی خاطر ہلکر و سندھیا کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تاکہ روہیلکھنڈ پر پھر ایک غارتگرانہ تاخت کر سکے درآں حالیکہ اس سے پہلے سندھیا صرف ایک ماہ کے عرصے میں اسی علاقے کے تیرہ سو مواضعات برباد کر چکا تھا۔ لیکن اس منصوبے میں رگھوبا کو کامیابی نہیں ہوئی اور نواب وزیر نے اُسے شکست دیکر جمنا پار بھگا دیا۔ یہ کشاکش جاری ہی تھی کہ یکایک احمد شاہ نے چوتھی مرتبہ اپنے مقبوضات کی توسیع و استحکام کے لئے ستمبر ۱۷۵۹ء میں زبردست فوج کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کر لیا۔ نمکحرام غازی الدین نے اس آمد کی خبر سنکر احمد شاہ بادشاہ دہلی کو فوراً قتل کرا دیا کیونکہ وہ اُسے اندھا کر چکا تھا اور ڈرتا تھا کہ کہیں ابدالی کی نظر آنکھوں سے محروم بادشاہ پر نہ پڑ جائے۔ دہلی کے تخت پر ایک مجہول الاسم شہزادے کو اُس نے بٹھا دیا لیکن اُسکی حکومت کبھی مسلّم نہیں ہو سکی۔ ہلکر اور سندھیا کے پاس اس وقت تیس ہزار سوار تھے مگر وہ دونوں ایکدوسرے سے دور دور تھے اسلئے ابدالی نے یہ عزم کر لیا کہ اُنکے مل جانے سے پہلے ہر ایک کی الگ الگ خبر منالے۔ چنانچہ اُسنے سندھیا کو شکست دی جسمیں سندھیا کی دو ثلث فوج ضائع ہوگئی۔ اسکے بعد ہلکر کو بھی سخت خونریزی کے بعد شکستِ فاش اُٹھانی پڑی۔ ان نحوستوں کی خبروں نے پیشوا اور اُسکی مجلسِ حکومت کی سرگرمیوں میں ایک تازہ روح پھونکدی چنانچہ ایک زبردست فوج تیار کیگئی جسکی سرکردگی سداشیوراؤ بھاؤ کے سپرد کیگئی۔ یہ بھاؤ پیشوا کا ابنِ عم تھا اور نہایت پختہ کار اور بڑا بہادر اور مستعد سپہ سالار تھا لیکن اسمیں ایک عیب یہ تھا کہ نہایت مغلوب الغضب اور ناعاقبت اندیش تھا اور اپنی قابلیتوں پر ضرورت سے زیادہ گھمنڈ رکھتا تھا۔

معرکۂ پانی پت

(صفحہ ۱۳۶)

اس وقت جو فوج احمد شاہ ابدالی کے مقابلے کے لئے چلی اُس سے بڑی فوج مرہٹے کبھی میدان میں نہیں لائے تھے۔

اسکے شاندار اسباب آرائش کو سیواجی کے جفاکش کوہستانیوں کے ٹوٹے پھوٹے
ساز و سامان کا بالکل ضد سمجھنا چاہیئے کیونکہ اب مرہٹوں کو بھی مسلمان بادشاہوں کی
شان و شوکت کا چسکا پڑتا چلا تھا۔ سرداروں کے بلند اور وسیع خیموں کے گرد ریشمین
زر دوزی کی جھالریں لگی ہوئی تھیں اور چاروں طرف اُسمیں جواہرات آویزاں
تھے۔ لشکر کے ساتھ کثرت سے نہایت زرق برق کوتل گھوڑے اور قیمتی عماریوں کے
ہاتھی بھی بھیجے گئے تھے۔ نصف صدی کے دوران میں جس قدر مال و دولت ہم
ہتھیا پھیری کیگئی تھی اُس سب کا اس موقعے پر اظہار کر دیا گیا تھا۔ افسروں کی وردیاں
بالکل سنہری تھیں اور فوجی خزانہ دو کرور روپے سے بھرا ہوا تھا۔ ملک بھر میں
جتنے مرہٹہ سردار تھے سبکو بھاؤ کی ہمرکابی کے لیئے طلب کر لیا گیا تھا اور تمام
مرہٹہ سپاہی قومی جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے تھے۔ اس آویزش کو ہندو مسلمان کی
جنگ کے نام سے شہرت دیدی گئی تھی اسلیئے راستے میں جگہ جگہ خصوصاً راجپوتانہ
میں بہت سے ہندو رئیس مرہٹہ فوج میں شریک ہوتے جاتے تھے سورج مل جاٹ
سردار بھی اپنی تیس ہزار فوج کے ساتھ آملا تھا۔ مگر مرہٹہ سپاہ کے ساتھ
دو سو بھاری توپوں کا بھی لدادا تھا اور سورج مل نے نہایت عاقلانہ مشورہ
بھاؤ کو دیا کہ اس خدا واسطے کے بوجھ کو گوالیار میں چھوڑ دے اور جنگ کا
وہ طریقہ اختیار کرے جو مرہٹوں کا قومی طریقہ تھا یعنے ہر جگہ کی رسد کو لوٹ لیا کرے
اور جہاں دشمن کی فوج کے دستے علحدہ مل جائیں اُن پر اطمینان سے ہاتھ صاف
کر لیا کرے لیکن بھاؤ نے اس مشورے سے نخوت کے ساتھ منھ پھیر لیا اور سورج مل
اپنی فوج لیکر معہ چند دیگر راجپوت سرداروں کے مرہٹہ لشکر سے کنارہ کش ہو گیا۔
بھاؤ سب سے پہلے دہلی آیا اور ایرانیوں اور افغانیوں سے جو محل۔ مقبرے یا
دوسرے معبد رہگئے تھے اُنھیں لوٹ کھسوٹ کر مسمار کر دیا۔ ۱۷۶۱ء میں دونوں
فوجیں میدان پانی پت میں مقابلے پر آئیں جہاں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ
اب تیسری مرتبہ پھر ہونے والا تھا۔ مرہٹہ لشکر میں پچپن ہزار تنخواہ دار باقاعدہ سوار
پندرہ ہزار بے تنخواہ لٹیرے سوار۔ اور پندرہ ہزار وہ پیدل تھے جنکو بسی کی
تربیت نصیب ہو چکی تھی اور اب بسی کے بہترین دیسی سپہ سالار ابراہیم خاں کی

باب اول
فصل پنجم

سرکردگی میں تھے۔ افغانی فوج میں اسی ہزار چیدہ سپاہی تھے اور اتنی ہی بے قاعدہ فوج بھی تھی۔ اور ستر توپیں تھیں۔ اول تو چندپے درپے جھڑپیں ایسی ہوئیں جنہیں سے بعض اچھے خاصے معرکے سے موسوم کی جاسکتی ہیں اسکے بعد مرہٹوں نے ایک مورچہ بند پڑاؤ ڈال لیا جسمیں مبارزین وغیر مبارزین کو ملاکر اس وقت تین لاکھ نفوس جمع ہوگئے۔ ذرا سے عرصے میں اس کثیر التعداد گروہ کو رسد کی فکر ہونے لگ گئی۔ افسروں نے جب اپنے تئیں ایسے مورچے میں گھرا ہوا پایا جسکی ہر طرف سے ناکہ بندی ہورہی تھی اور رسد کم پڑتی جارہی تھی اور سپاہیوں سے اور جانوروں کے مرے جانے سے سر پر فاقہ منڈلانے لگا تھا تو انھوں نے اپنے سپہ سالار سے مطالبہ کیا کہ باہر نکل کر مردانہ وار اُنکو مقابلے کے لیئے آگے بڑھائے۔ چنانچہ ۷۔ جنوری ۱۷۶۱ء کو ہولناک معرکۂ پانی پت شروع ہوا اور مرہٹہ سرداروں نے اپنے قومی وقار کو نہایت شان کے ساتھ قائم کرنا شروع کیا۔ لیکن کوئی دو گھنٹے کے بعد پیشوا کے بیٹے بشوا اس راؤ نے مہلک زخم کھایا اور سداشیو راؤ بھاؤ میدان چھوڑ کر بھاگا اور فوج میں ابتری پھیل گئی۔ نہ پناہ مانگی گئی نہ پناہ دیگئی اور خونریزی نہایت ہولناک ہوئی۔ مرہٹہ فوج کا چوتھائی حصہ بھی جان بچاکر بھاگ نہیں سکا اور یہ حساب لگایا گیا کہ ابتدائے معرکے سے انتہاتک کل اتلاف جان معہ غیر مبارزین کے دو لاکھ ہوا۔ اس سے بڑھکر سخت یا اس سے زیادہ فیصلہ کن شاید ہی کبھی کوئی رن پڑا ہو۔ تمام مرہٹہ سلطنت کے طول وعرض میں شاید ہی کوئی خاندان ایسا بچا ہو جسکو اپنے کسی نہ کسی عزیز کا ماتم نکرنا پڑا ہو۔ پیشوا کے دل پر اس خبر کا ایسا دہلا کا بیٹھا کہ وہ آخر کار جانبر ہی نہو سکا اور پھر مرہٹہ سلطنت کو وہ شان اور وہ استحکام کبھی نصیب نہیں ہوا۔ نربدا کے شمال میں تمام مرہٹہ مفتوحات ہاتھ سے نکل گئے۔ اگرچہ وہ سب علاقے بعد کو ہاتھ آگئے مگر اب ان پر علحدہ علحدہ سرداروں نے قبضے کیئے جنکے اغراض آپس میں متحد نہیں تھے اسلیئے مرکزی حکومت کے ساتھ مختلف سرداروں کی وابستگی میں اور بھی فرق آگیا اور ہر ایک اپنی اپنی دفلی اپنا اپنا راگ لیکر الگ ہوگیا۔ ابدالی نے اس طرح ہندو قوت کو توڑ مروڑ کر ہندوستان کی طرف پیٹھ موڑلی اور پھر کبھی یہاں کے معاملات میں مداخلت نہیں کی ؛

(صفحہ ۱۳۷)

معرکہ پانی پت کے اثرات

سلطنت مغلیہ کو تو معرکۂ پانی پت کے ساتھ ہی ختم سمجھ لینا چاہئے اسکا تمام علاقہ ٹوٹ پھوٹ کر مختلف ریاستیں بن کھڑی ہوئیں تخت کا دعویدار بہار میں کچھ کرائے کے سپاہی لیئے لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور وہ قوم جسکو قضا و قدر نے ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھکر ہندوستان کی مختلف اقوام کو ایک چھتر کے سائے تلے جمع کرنیکے لئے مقرر کر دیا تھا اب اپنے اقتدار حکومت کی بنیاد دوا دے گنگ میں قائم کر چکی تھی۔ چنانچہ اب ہم انگریزی قوم کے عروج و ترقی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ؎

فصل ششم

ایسٹ انڈیا کمپنی بنگال میں

انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی

مشرقی تجارت سے پرتگال نے سولھویں صدی کے دوران میں جو دولت حاصل کی تھی اُسنے انگلستان میں بھی یہ شوق پیدا کیا کہ اس دولت میں کچھ حصہ بٹایا جائے۔ چنانچہ ڈریک۔ کیونڈش اور دوسرے جہازرانوں میں بحری حوصلہ مندیوں کا ایک جوش پیدا ہوا جسکی سرپرستی ملکہ الیزبتھ نے فرمائی اور یہ سب مشرقی سمندروں میں نئے مقامات دریافت کرنیکے شوق میں بحری سفروں پر روانہ ہوتے رہے۔ (صفحہ ۱۳۸)
سنہ ۱۵۸۳ء میں فچ اور دوسرے تین حوصلہ مندوں نے اقلیم ہند کے پورے عرض و طول کا سفر کیا اور یہاں کی بادشاہتوں کے تمول اور شان و شوکت کے جو فسانے یہ لوگ اپنے گھر لیکر آئے اس سے انگریزی قوم کو ایک نہایت زرخیز تجارت کے خواب ہر وقت دکھائی دینے لگے۔ بحری حوصلہ مندیوں کا یہ جوش کچھ عرصے کے لیئے اُس بحری سفر کی ناکامی سے ٹھنڈا پڑ گیا جو تین سال تک کپتان لنکاسٹر نے اس جستجو میں کیا تھا مگر پھر اس خبر سے اسمیں جان پڑ گئی کہ ہالینڈ کی پہلی تجارتی مہم ہندوستان پہنچ بھی گئی اور وہاں سے نہایت قیمتی مال ساتھ لیکر

باب اول
فصل ششم

واپس بھی لوٹ آئی - چنانچہ سنہ ۱۶۰۰ء میں لندن کے سوداگروں - لوہے والوں - بزازوں اور دوسرے تاجروں نے تیس ہزار ایک سو تینتیس پونڈ ۳۰۱۳۳ کے چندے سے ایک انجمن مشرقی ممالک کے ساتھ تجارت کھولنے کی غرض سے قائم کی - سنہ ۱۶۰۱ء میں ملکہ الیزبتھ نے اس انجمن کی حیثیت کو سرکاری طور پر تسلیم کرنیکا پٹہ بھی عطا فرما دیا اور اس انجمن نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا لقب اختیار کرکے ڈیڑھ صدی تک اپنی تمام قوت عمل کو صرف اغراض تجارت پر مصروف رکھا اور پھر اپنی تجارتگاہوں کی محافظت کیلئے ہتیار اٹھایا اور ارتقاء کائنات کے قانون کے مطابق درجہ بدرجہ ترقی کرکے اقلیم ہند کی مالک بنگئی ٭

ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا کارنامہ

ایسٹ انڈیا کمپنی کی توجہ سب سے پہلے مجمع الجزائر مشرقی کے جزائر تیز بو (Spice Islands) کی طرف مبذول ہوئی جہاں اس وقت پرتگالیوں سے سبقت لیجانے کی جد وجہد میں ولندیزی (Dutch) مصروف تھے - اس زمانے میں مشرقی تجارت کی اصلی غرض یہ تھی کہ گرم مصالحہ - مرچ سیاہ - قرنفل اور جائفل ممالک مشرق سے لیجاکر انکے معاوضے میں انگلستان سے لوہا قلعی سیسہ - کپڑا - چھری چاقو شیشہ آلات سیماب اور رنگی ہوئی کھالیں لائی جائیں - پہلی تجارتی مہم ٹوربے سے اپریل سنہ ۱۶۰۱ء میں روانہ ہوئی - بعد کے دس سال میں آٹھ بحری سفر اور کیئے گئے جنمیں ڈیڑھ سو فیصدی سے زائد کا منافعہ ہوا - اس منافعے کا کچھ حصہ اُس مال غنیمت پر بھی مشتمل تھا جو ہمچشم یورپین تاجروں کے جہازوں کو لوٹ کر حاصل کیا گیا تھا اور یہ آمدنی اُس زمانے کی جہازران قوموں کی نظر میں بالکل حلال طیب تھی - سنہ ۱۶۱۱ء میں کمپنی نے کچھ جہاز سورت بھی بھیجے جو اُس زمانے میں ہندوستان کے مغربی ساحل کی زبردست منڈی تھی مگر پرتگالیوں نے ان دخیل کاروں کو اندر قدم نرکھنے دینے کا عزم بالجزم کرلیا تھا اسلیئے اُنھوں نے دریائے تاپتی کے دہانے پر اپنے مسلح جہازوں کی قطار کھڑی کر رکھی تھی چنانچہ دونوں قوموں کے جہازوں میں خوب خوب مڈبھیڑیں ہوئیں جنکے آخر میں پرتگالی جہاز بالکل بیکار ہوکر شکست کھاگئے اور چونکہ پرتگالیوں کی چیرہ دستی سے دیسی رعایا عام طور پر خوفزدہ رہتی تھی اسلیئے اس فتح سے انگریزوں کی شہرت خود اُبڑھگئی اور سنہ ۱۶۱۲ء میں انکو سورت -

احمد آباد اور دوسرے شہروں میں تجارتگاہیں قایم کرنیکی اجازت ملگئی اور شہنشاہ
جہانگیر نے ان حقوق کی تصدیق بھی فرمادی ۔

سر ٹامس رو کی سفارت

کچھ ہی عرصے بعد کمپنی نے شاہ جیمز اول کو اسپر راضی کرلیا
کہ وہ سر ٹامس رو کو اپنا سفیر بنا کر دربار دہلی میں

(صفحہ ۱۳۹)

بھیجے جہاں سر ٹامس کا بڑے امتیاز کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا اور
کمپنی کے لئے مزید مراعات عطا فرمائی گئیں ۔ کمپنی نے پرتگالیوں سے ارمز بھی
چھین لیا اور خلیج فارس میں بھی تجارتی استحکام حاصل کرلیا مگر یہ مقام بعد کو کچھ بے مصرف
ثابت ہوا ۔ سنہ ۱۶۳۲ء میں کمپنی کے کارندوں نے پہلی مرتبہ وادی گنگا میں قدم رکھا
اور پٹنہ میں ایک تجارتگاہ قائم کی لیکن حقیقتاً کمپنی کو بنگال میں قدم جمانا اپنے ایک
ڈاکٹر مسٹر بوٹن کی وطن پرستی کے طفیل میں نصیب ہوا ۔ اس زمانے میں شہنشاہ دہلی
دکن میں تھا ۔ اسکی شہزادی یکایک سخت علیل ہوگئی ۔ اور سورت میں کمپنی کے مہتمم کے
پاس کسی ہوشیار معالج کو بھیجنے کا فرمان پہنچا ۔ مسٹر بوٹن کو فوراً روانۂ خدمت کیا گیا
اور خدا نے اسکے ہاتھ سے شہزادی کو شفا دلادی ۔ پیشگاہ خسروی سے ارشاد ہوا
کہ مانگ کیا مانگتا ہے ۔ مگر عالی حوصلہ ڈاکٹر نے اپنی ذات کے لئے کچھ طلب کرنے کے بجائے
اپنے آقاؤں کے لئے بنگال میں تجارتگاہیں کھولنے کی پروانگی مانگی جو فوراً دیدیگئی ۔
اسکے دو سال بعد شہنشاہ کے منجھلے شہزادے نے جو صوبیدار بنگال مقرر کیا گیا تھا
اپنا دربار راج محل میں قائم کیا ۔ حرم سرائے سلطانی کی ایک خاتون کی طبیعت
پھر ناساز ہوگئی ۔ پھر ڈاکٹر بوٹن کی خدمات حاصل کی گئیں ۔ پھر خدا نے شفا دی اور پھر
عالی حوصلہ ڈاکٹر نے اپنی ذات کے لئے کوئی انعام نہیں لینا چاہا اور کمپنی کے لئے
ہگلی اور بالاسور میں تجارتگاہیں قائم کرنیکی اجازت حاصل کی ۔

مدراس

کمپنی کی پہلی تجارتگاہ ساحل کورومنڈل پر مسولی پٹم میں قائم کی گئی تھی اور
وہاں سے ارمیگانو کو منتقل کردیگئی تھی ۔ مگر اس جگہ بھی کاروبار کو فروغ
نہیں ہوا اسلئے مہتمم تجارتگاہ نے چندرگری کے راجہ کی دعوت کو قبول کرکے
بیجانگر میں اپنا کاروبار منتقل کردیا اور موضع مدراس پٹم میں ایک قطعۂ زمین کا عطیہ
حاصل کیا جو تجارتی اغراض کے اعتبار سے نہایت بے لکھا مقام تھا ۔ بہرحال

باب اول
فصل ششم

اس مقام پر ۱۶۳۹ء میں کمپنی نے ایک قلعہ بنایا جسکا نام انگلستان کے صاحب
خدمت ولی کے نام پر فورٹ سینٹ جارج رکھا گیا اور مرور زمانہ کے ساتھ
اس قلعے کے گرد شہر مدراس آباد ہوتا گیا ؎

بمبئی

سورت کمپنی کے ساحل مغرب کے بندرگاہ کی حیثیت سے ۱۶۶۲ء تک
خاص اہمیت رکھتا تھا۔ مگر اسی سال میں چارلس ثانی شاہ انگلستان کی
شادی پرتگال کی شہزادی انفنٹا کیتھرین سے ہوئی اور شاہ پرتگال نے اپنی شہزادی
کے جہیز میں بندرگاہ بمبئی دیدیا۔ سلطنت انگلستان نے اس بندرگاہ کو خرچ زیادہ
اور آمدنی کم دیتا ہوا دیکھکر کمپنی کے حوالے کردیا جسنے اپنا تمام سورت والا عملہ یہاں
منتقل کرلیا۔ بنگال میں کمپنی کی تاریخ چالیس سال تک قابل تذکرہ واقعات سے معرا ہے۔
البتہ وہاں اسکو بڑی خوشحالی نصیب ہوئی اور اُسکا کاروبار اتنا چلنے لگا کہ بنگال کو
ایک احاطہ قرار دیکر علٰحدہ پریزیڈنٹ وہاں مقرر کرنا پڑا۔ لیکن رفتہ رفتہ
ڈاؤگیٹ کے حساب کتاب کے دفتروں کے سادہ لوح سوداگروں پر ملک گیری کی
ہوس غالب آنی شروع ہوگئی جس نے انکو تباہی کے قعر عمیق کے کنارہ پر لاکھڑا کیا ؎

(صفحہ ۱۴۰)

چیونٹی نے پر نکالے

کمپنی کی مجلس انتظامیہ نے سلطنت انگلستان سے محکمہ امیر البحر
کے اختیارات حاصل کرلیے تھے جنمیں تمام دخیلکاروں کو گرفتار کرلینے کی
پروانگی بھی شامل تھی۔ اس کمپنی کے کثیر منافعے کو دیکھکر لندن میں ایک اور ہمچشم کمپنی قائم
ہوگئی اور اُسکی بیخکنی ضروری معلوم ہونے لگی۔ پرانی کمپنی کے کارکنوں نے نئی کمپنی کے
کارکنوں کو بنگال سے بالکل بیدخل کرنیکے لیے سلطنت مغلیہ کے صوبیدار بنگال سے
دہانہ دریا پر ایک قلعہ تعمیر کرنیکی اجازت مانگی لیکن عامل موصوف نے اس استدعا کو
گستاخی پر محمول کیا اور کمپنی کے مال برآمد پر محصول بڑھا دیا جو شاہی فرمان کے
سراسر خلاف تھا۔ اس سے پہلے بھی اس قسم کی گوشمالیوں کا عمل درآمد ہوتا رہتا تھا
مگر تحفے تحائف پیش کرکے اُنسے معافی مل جاتی تھی۔ لیکن اس دفعہ کمپنی نے بھی تعلّی
اور اپنی شکایات کی تلافی کا فیصلہ سلطنت مغلیہ کے ساتھ اظہار مخاصمت کے
ذریعے سے کرنا چاہا دراں حالیکہ سلطنت موصوفہ اس وقت میں اپنے
معراج کمال پر تھی۔ شاہ انگلستان کی اجازت سے ۱۶۸۵ء میں امیر البحر نکلسن کو

بارہ جنگی جہازوں کے ساتھ جن پر دو سو توپیں اور ایک ہزار سپاہی کی قوت تھی اسلیئے بھیجا گیا کہ وہ چٹگانگ پر قبضہ کرلے اور اُسکے مضافات کی حوالگی اور ٹکسال قائم کرنیکے حقوق کا مطالبہ کرے۔ لیکن ان حوصلہ مندیوں کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بیڑا طوفان سے تباہ ہوگیا اور اُسکا کچھ بچا ہوا حصہ کسی طرح ہگلی پہنچا جہاں مدراس سے آئے ہوئے چار سو سپاہی بھی انمیں شامل ہوگئے۔ اس زبردست بحری مہم نے نمودار ہوکر نواب کو اسپر مجبور کیا کہ وہ صلح کی تحریک کرے۔ مگر مبادیات صلح طے ہونے سے پہلے تین نشہ میں بدمست جہازی بازار میں چلے گئے اور نواب کی پولیس سے لڑ پڑے۔ اس لڑائی نے ایسا طول کھینچا کہ دونوں طرف کے سپاہی جمع ہوگئے اور اچھا خاصہ معرکہ پیش آگیا جو معرکۂ ہگلی کے نام سے مشہور ہے۔ اس معرکے میں نواب کی فوج کو شکست ہوگئی جسکے بعد امیر البحر نے شہر میں آگ لگا دی اور پانسو مکانات جلا کر خاک سیاہ کر ڈالے۔ کمپنی کے مہتمم تجارتگاہ کو بڑا خوف ہوا کہ کہیں نواب کی فوج نہ اُمنڈ کر چلی آئے اسلیئے وہ اپنے تمام عملے کو لیکر موضع چٹانٹی کو چلا گیا اور وہاں سے سندربن کی دلدل کے ایک جزیرہ میں پناہگزیں ہوا جہاں اُسکے متعلقین کے نصف تعداد رطوبی بخار سے فوت ہوگئی۔ اسکو اس مصیبت سے نواب کے اُس سفیر نے آکر نجات دلائی جو صلح کی تجاویز لیکر آیا تھا۔ ادھر مجلس انتظامیہ نے جو کہ اپنے نصب العین کی تعمیل زبردستی کرانے پر تلی ہوئی تھی اپنے مہتمم بمبئی کو یہ حکم دیدیا کہ سورت کی ناکہ بندی کردے جو ساحل مغربی پر حجاج کعبے کا بندرگاہ تھا۔ چنانچہ عازمان حج کی روانگی میں رکاوٹ پڑ گئی۔ اس موقع پر اورنگ زیب کا احساس فرائض مذہبی اُسکی نخوت پر غالب آگیا اور اُسنے فوراً اُن کافروں سے مفاہمت کرنی چاہی جنھوں نے مکے کا راستہ بند کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک معاہدہ طے پاگیا اور مسٹر چارنک مہتمم تجارتگاہ کلکتہ سندربن کے دلدلی جزیرے سے پھر موضع چٹانٹی کو واپس آگیا لیکن وہ وہاں عرصے تک مقیم نہیں رہ سکا۔ مجلس انتظامیہ نے ہگلی کی کامیابی کا حال سنکر یہ عزم کرلیا کہ اب اس جنگ کو تکمیل تک ضرور پہنچایا جاے اور سنہ ۱۶۸۸ء میں کپتان ہیتھ کو کئی جنگی جہازوں کے ساتھ بنگال بھیجا۔ کپتان ہیتھ نے بنگال پہنچکر معاہدۂ مذکور الصدر کو ناجائز قرار دیدیا اور جنگی کارروائیاں پھر شروع کردیں

صفحہ (۱۴۱)

اور کمپنی کے تمام عملے اور جائداد کو بندرہ جہازوں پر بار کر کے وہ سیدھا بالاسور پر جا دھمکا اور اُسے جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا اور وہاں سے پھر لوٹ کر چٹاگانگ آگیا۔ مگر یہاں اُسکی امید کے خلاف یہ قلعہ زیادہ مستحکم ملا اسلیئے بغیر کوئی انتقامی کارروائی کیئے وہ یہاں سے سیدھا مدراس چلا گیا اور کمپنی کے متعلقین و جائداد کو وہاں اُتار دیا۔ ان دیدہ دلیریوں نے اورنگ زیب کو نہایت برافروختہ کیا اور اُسنے حکم دیدیا کہ ہندوستان میں جتنی انگریزی تجارت گاہیں ہیں وہ سب بحق سرکار ضبط کر لی جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہونے پر کمپنی کے پاس سوائے دو قلعبند تجارتگاہوں یعنے بمبئی اور مدراس کے اور کچھ باقی نہیں رہگیا۔ آخر مجبور ہوکر سر جان چائلڈ گورنر بمبئی نے دو مقتدر اشخاص کو اورنگ زیب کی خدمت میں استدعاے صلح دیکر بھیجا۔ اُس زمانے کی بیجاپور کی فتوحات سے اورنگ زیب نے اپنی محروسات کو تمام ہندوستان پر حاوی کر لیا تھا مگر باوصف اسکے کہ اُسکی قوت خشکی میں ناقابل مقابلہ تھی تری کے مالک اب بھی انگریز تھے اور اُنھوں نے تمام مغلیہ بندرگاہوں کی ناکہ بندیاں کر رکھی تھیں اور حج کے جانیکا راستہ بھی روک رکھا تھا اور تجارت بھی بالکل بند کر دی تھی۔ ادھر ہندوستان کی مخلوق کو انگریزی تجارت کے معطل ہو جانے سے جو تکلیف ہو رہی تھی وہ بھی اورنگ زیب کی نظر سے پنہاں نہیں تھی کیونکہ کمپنی کی خرید و فروخت کی مقدار ایک کرور سالانہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ اورنگ زیب اسپر رضامند ہو گیا کہ ان کافروں کی گستاخیوں سے درگزر کر کے انکی تجارتگاہیں انھیں واپس کردے۔ نواب بنگال نے جو اس وقت انگریزوں کا طرفدار ہو گیا تھا منشاے سلطانی سے فوراً مسٹر چارنک کو اطلاع دی اور اُس سے خواہش کی کہ بنگال کو واپس لوٹ آئے۔ چنانچہ مسٹر چارنک ۲۴۔ اگست سنہ ۱۶۹۰ء کو چتانتی پر آ اُترا اور قریب ہی کے ایک موضع موسومہ کلکتے میں ہندوستان کے آئندہ دارالحکومت کی بنیاد قائم کی۔ غرض خوصلہ مندی کا یہ دورہ پانچ سال سے زائد قائم نہیں رہا اور آئندہ پچاس سال کے لیے کمپنی کے متعلقین کو یہ سبق مل گیا کہ اپنی حیثیت صرف ایک تجارتی انجمن کے کارکنوں سے زائد نہ سمجھا کریں اور اپنی طرز ماند و بود کو اس حد سے آگے نہ بڑھنے دیں ٭

تعمیر فورٹ ولیم

اب کمپنی کے پاس بنگال میں اپنی ذاتی ایک نو آبادی ہوگئی تھی۔ اور اُسے فکر تھی کہ مدراس اور بمبئی کی طرح اسکو بھی حفاظت کے خیال سے مستحکم کرلے لیکن سلطنت مغلیہ کی حکمت عملی کے خلاف تھا کہ اس قسم کے قلعہ جات کی تعداد اس طرح بڑھنے دے۔ دوسرے دونوں احاطوں میں جو قلعے تھے وہ بھی اُس وقت تعمیر ہوگئے تھے جبکہ اُن علاقوں پر مغلوں کی حکومت نہیں پھیلی تھی اسلیئے بنگال میں قلعہ بنانیکی استدعا کو نواب بنگال نے نامنظور کردیا لیکن ۱۶۹۵ء میں زمیندار بردوان نے علم بغاوت بلند کیا اور اُڑیسہ کا افغان سردار رحیم خاں بھی اُسکا شریک ہوگیا اور دونوں نے ہُگلی کو لوٹ لیا اور تمام غیر ملکی مستعمرات کو دھمکی دینی شروع کی۔ اس وقت تمام غیر ملکیوں نے اس بے پناہ خطرے کو نواب کے ذہن نشین کیا اور خود نواب پر اس بغاوت سے کچھ ایسی بدحواسی طاری ہوگئی تھی کہ اُسنے انھیں عام اجازت دیدی کہ اپنی اپنی حفاظت کا بطور خود انتظام کرلیں۔ چنانچہ فوراً ہر ہاتھ کام پر لگا دیا گیا۔ ولندیزیوں نے چنسورا میں۔ فرانسیسیوں نے چندرنگر میں اور انگریزوں نے کلکتے میں اپنے اپنے استحکامات تعمیر کرا لیئے۔ انگریزوں نے اپنے حکمران بادشاہ کے نام پر اپنے قلعے کا نام فورٹ ولیم رکھا تھا۔

ہمچشم کمپنیاں

اب ایسٹ انڈیا کمپنی کو خاص لندن ہی میں ایک زیادہ خطرناک دشمن نے دھمکی دینی شروع کی۔ ہندوستانی تجارت کے دھڑا دھڑ فائدوں نے تجارتی رقیبوں کا ایک جم غفیر کھڑا کردیا تھا جو سب ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجارہ داری کو توڑ دینا چاہتے تھے کسی نہ کسی طرح ۱۶۹۳ء میں کمپنی نے اپنے پٹہ کی تجدید کرا ہی لی۔ لیکن چند ہی ماہ بعد ایوان عام میں ایک قرارداد اس مضمون کی منظور ہوگئی کہ ہر انگریز کو یہ حق حاصل ہے کہ سوائے ایوان حکومت کی خاص ممانعت کی حالت کے اور ہر قسم کی تجارت ممالک مشرق کے ساتھ کر سکے۔ اس سے اُن لوگوں کو اور شہ ملگئی جو پہلے ہی سے اس تجارت کے لیئے منھ پھاڑے بیٹھے تھے اور انھوں نے بھی ایوان حکومت میں ایک عرضداشت پیش کی کہ اُنکو بھی ایک ضابطے کا پٹہ عطا کردیا جائے اور اپنی عرضداشت کو زور دینے کے لیئے بیس لاکھ کا قرضہ آٹھ فیصدی شرح سود پر دینے کی آمادگی

باب اول
فصل ششم

ظاہر کی۔ چنانچہ یہ عرضداشت فوراً منظور کرلیگئی۔ پرانی کمپنی اس رقم کی ایک تہائی سے
زائد نہیں پیش کرسکی تھی چنانچہ اُسکو یہ حکم دیا گیا کہ تین سال کے اندر اپنا حساب
صاف کرلے۔ لیکن دونوں کمپنیوں کی رقابت پہلے ہی سال کے اندر کافتہ الناس
کے مفاد کے منافی ثابت ہونے لگی۔ اُنکے باہمی مقابلے نے ہندوستان کے ہر بازار
میں پیداوار کی قیمت بڑھادی اور ہر چیز کمیاب ہونے لگی۔ دیسی حکام کی
خوشامدیں دونوں کمپنیوں کو کرنی پڑتی تھیں اور وہ دونوں کو خوب ہی
خوب مونڈتے تھے یہانتک کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا سات لاکھ روپیہ جو تجارتی
کاروبار میں صرف ہونا چاہئے تھا صرف رشوتوں ہی میں اڑ گیا۔ سورت میں نئی
کمپنی کے آدمیوں نے پرانی کمپنی کے کارکنوں کو گرفتار کرکے تمام شہر کی گلیوں میں
گھسیٹتے ہوئے لیجاکر نقض امن کرنیوالوں کی حیثیت سے حکام مغلیہ کے حوالے
کردیا۔ اب انگریزی قوم کو اُن نحوستوں کا احساس ہوا جو دونوں
(صفو ۲۴۴)
ہمچشم کمپنیوں کے علحدہ علحدہ وجود سے طاری ہوگئی تھیں اور آخر کار سنہ ۱۷۰۲ء
میں دونوں کو ملا کر "متحدہ انجمن تجّار ممالک مشرقی" نام رکھدیا گیا۔ اُنکے پہلے حقوق
سلطنت نے منظور فرمالیئے اور ایوان حکومت نے نیا پٹہ بھی عطا کردیا اور دونوں
کمپنیوں کے کارکنوں میں اتحاد باہمی کی وجہ سے سرگرمی و مستعدی کی ایک تازہ روح
پھنک گئی۔ کلکتے کے استحکامات گو بنتے ہی چپکے لیکن نہایت پائداری کے ساتھ
تعمیر کیا جاتا رہا جس سے دیسی تاجروں کو بھی اپنی حفاظت کا اتنا اطمینان ہوگیا
کہ وہ بھی کثرت سے اسی شہر میں آبسے اور چند ہی روز میں یہی گانوں بنگال کا
سب سے پُررونق شہر بنگیا۔ لیکن کلکتے کی تاریخ اس وقت سے معرکۂ پلاسی تک
یعنے پچاس سال کے دوران میں اور خصوصاً مرشد قلی خاں کی صوبیداری کے
زمانے میں اُن رشوت ستانیوں اور بالجبر استحصالوں کی ایک فہرست ہے
جو سلطنت مغلیہ کے عُمّال کی طرف سے معرض عمل میں آتے رہتے تھے اور اُن ترکیبوں
اور تدبیروں کی ایک تفصیل ہے جو ان آئے دن کی دھونسوں سے بچنے کے لئے
ہتم تجارتگاہ کام میں لایا کرتا تھا۔ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ ایک طویل فسانہ ہے
جسمیں ایک فریق کی چیرہ دستیاں اور دیدہ دلیریاں ہیں اور دوسرے فریق کی

باب اول
فصل ہفتم

عاجزیاں اور پہلو تہیاں ہیں جن سب کا انتقامی خاتمہ معرکۂ پلاسی پر ہو جاتا ہے اور پس فرز

مرشد قلی خاں

جس سال دونوں کمپنیاں متحد ہوئیں اُسی سال میں مرشد قلی خاں بنگال کا دیوان یعنے مشیر مال مقرر ہوا - وہ ایک غریب دکنی برہمن کا لڑکا تھا جسکو اصفہان کے ایک تاجر نے خرید کر مسلمان کرلیا تھا - اپنے آقا کی وفات پر اُسنے دیوان برار کی ملازمت اختیار کرلی اور اپنی مالی قابلیت کی وجہ سے اورنگ زیب کی توجہ اپنی طرف منعطف کرلی جسنے اُسکو سنہ ۱۷۰۲ء میں دیوان صوبۂ بنگال کے منصب پر سرفراز کردیا - اسکے کچھ ہی زمانے بعد اُسکو بنگال - بہار اور اُڑیسہ کی صوبیداری دربار شاہی سے عطا فرمادی گئی اور اُسنے اپنا دارالحکومت اپنے نام پر بسائے ہوئے شہر مرشد آباد میں منتقل کرلیا - مرشد قلی خاں خوب جانتا تھا کہ بنگال کی تمام مرفہ الحالی کا انحصار بحری تجارت پر تھا اسلیئے اُسنے مغل اور عرب سوداگروں کو ہر طرح کی امداد دینی شروع کی - وہ یورپین تاجروں کی قلعہ بند تجارتگاہوں کو خصوصاً انگریزوں کے قلعہ کو نہایت حسد کی نظر سے دیکھتا تھا اور جب وہ اپنے منصب پر استقلال سے متمکن ہوگیا تو اُسنے اُن تمام حقوق کو پامال کرنا شروع کردیا جو انگریزی کمپنی نے پیشگاہ سلطانی سے حاصل کیئے تھے -

کمپنی کا سفیر دہلی میں

کلکتے کے پریزیڈنٹ نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے معاملے کو پیشگاہ خسروی میں رجوع کرے اور سنہ ۱۷۱۵ء میں ایک سفارت دہلی روانہ کی جسکے ساتھ ہی ایسے قیمتی تحائف بھیجے گئے کہ مجلس انتظامیہ کا بھی دل دہل گیا - مرشد قلی خاں نے اپنی شکایتوں کی عرضداشت کو مسترد کرادینے کے لیئے ہر طرح سے دربار خسروی میں اپنے تمام رسوخ و اقتدار سے کام لیا اور اگر ایک اتفاقی واقعہ نہ پیش آجاتا تو وہ کامیاب بھی ہو جاتا - شہزادہ فرخ سیر کی نسبت ایک راجپوت کماری سے ہوئی تھی مگر دلہن پر کسی مرض کا یکایک ایسا دورہ پڑ گیا کہ اُسکی وجہ سے رسم شادی رک گئی تھی اور شاہی طبیب اُسکے علاج سے قاصر تھے - انگریزوں کے ایک طرفدار وزیر کی سفارش پر مسٹر ہیملٹن طبیب سفارت کو طلب کیا گیا اور خدا نے اُسکے ہاتھ میں شفادی - احسان شناس شہنشاہ نے فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے مگر عالی حوصلہ ڈاکٹر نے اپنے پیشرو ڈاکٹر بوٹن کی تقلید کر کے

(صفحہ ۱۴۴)

باب اول
فصل ششم

اپنی ذات کے لیئے کچھ انعام نہیں مانگا بلکہ یہی استدعا کی کہ کمپنی نے جن استدعاؤں کے ساتھ وفد بھیجا ہے اُنکو شرف منظوری عطا فرمایا جائے۔ اُنہیں سے ایک استدعا یہ تھی کہ کلکتے کے مضافات میں ۳۸ مواضعات کمپنی کو یہ قیمت دیدیئے جائیں۔ ان مراعات پر صوبیدار بنگال کے طرفداروں اور کارکنوں نے کثرت سے اعتراضات کیئے مگر آخر کار انکو شرف منظوری حاصل ہو کو ہی رہا۔ یہ مواضعات دریا کے دونوں طرف دس دس میل تک پھیلتے چلے گئے تھے اور ان پر قبضہ حاصل ہو جانے سے کمپنی کا پورا اقتدار بحری تجارت پر قائم ہو جاتا۔ مگر مرشد قلی خاں نے زمینداروں کو بطور خود بلا کر یہ حکم دیدیا کہ اگر کسی نے ایک انچہ بھی زمین فروخت کی تو اُسکے خون سے اُسکا معاوضہ لیا جائیگا۔ چنانچہ وہ شاہی فرمان محض ردّی کاغذ کا پُرزہ ہو کر رہ گیا ؛

مرشد قلی خاں کا عہد حکومت

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں مرشد قلی خاں کا شمار مشاہیر روزگار میں کیا جاتا ہے۔ وہ مالی قابلیت ٹوڈرمل کے برابر رکھتا تھا۔ اُسنے اراضی کی نہایت صحیح پیمایش کرائی اور شرح لگان پر نظر ثانی کی۔ اُسنے صوبہ کو مختلف چکلوں میں تقسیم کیا اور ہر چکلہ پر تحصیل محاصل کے لیئے ایک حاکم مقرر کیا جو رفتہ رفتہ دولتمند اور بارسوخ زمیندار بنگیا۔ اور جسنے مرور زمانے کے ساتھ راجہ کا لقب حاصل کر لیا۔ ان راجاؤں میں سے صرف ایک بردوان کا راجہ اب تک اپنی زمینداری پر جوں کا توں قائم ہے۔ مسلمان حکام کو غربال کی مانند سمجھا جاتا تھا جسمیں بالکل پانی نہیں ٹھیر سکتا ہے اور ہندو حکام کو اسفنج سمجھا جاتا تھا جسکو دبا کر ہر وقت آب حیات نکالا جاسکتا تھا۔ چنانچہ انھی سے بیصرفہ تحصیل محاصل کا کام لیا جاتا تھا البتہ مسلمانوں سے استحصال کرنیکا انکو اختیار نہیں تھا۔ بنگال کی آمدنی سوا کرور سے کچھ اوپر تھی جسمیں سے ایک ثلث تو حکومت کی ضروریات کے لیئے محفوظ کر لی جاتی تھی اور ایک کرور باقاعدہ خزینۂ سلطانی میں داخل ہونیکے لیئے بھیجدی جاتی تھی اور عموماً صوبہ دار خود اس جلوس کے ہمراہ جاتا تھا اور اس خراج کو خود بارگاہ خسروی میں پیش کرتا تھا۔ مرشد قلی خاں اگرچہ تحصیل کے معاملے میں بہت سخت گیر تھا مگر دادرسی کے معاملات میں نہایت منصف تھا۔

صفحہ (۱۲۵)

سوائے ایک بیوی کے کبھی دوسری طرف نظر نہیں کرتا تھا۔ اپنے نجی کے معاملات میں نہایت میانہ رو تھا اور خیر خیرات میں شہرۂ آفاق تھا۔ اُسکے عہد حکومت میں صوبہ جات متعلقہ کی مرفہ الحالی کو بڑی ترقی نصیب ہوئی۔ مرشد قلی خاں کا سنہ ۱۷۲۵ء میں انتقال ہوا اور اُسکا جانشین اُسکا داماد شجاع الدین ہوا جو خراسان کا ایک ترکمان سردار تھا اور جسنے اپنے خلاف دربار خسروی میں سازشیں برپا ہونیکے باوجود بھی اپنے منصب کو خاص طور سے اسلیئے قائم رکھا کہ سالانہ خراج خزینۂ سلطانی میں برابر وقت پر بھیجے جاتا تھا۔ سنہ ۱۷۳۹ء میں شجاع الدین کا بیٹا سرفراز خاں اُسکا جانشین ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ نادرشاہ نے آکر دہلی کو غارت کیا تھا چنانچہ مصلحت وقت دیکھکر سرفراز خاں نے سکہ و خطبہ اپنے نام پر جاری کرا دیا تھا۔

فصل ہفتم

غارتگری کلکتہ و تسخیر بنگال

علی وردی خاں

ایک سال کے اندر ایک ترک تاتار مسمی علی وردی خاں جو بہار کا عامل مقرر کیا گیا تھا کسی نہ کسی رشوت خوار وزیر کا منہ بھر کر صوبہ داری بنگال کا منصب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ اُسنے سنہ ۱۷۴۱ء میں سرفراز خاں پر حملہ کر کے اُسے شکست دیدی اور قتل کر ڈالا۔ علی وردی خاں بیس سال تک برابر انصرام حکمرانی میں مصروف رہا اور اُس منصب کا اپنے تئیں نہایت اہل ثابت کیا جو اُسنے ایسے ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا اور یہ علی وردی خاں کی مستعدی اور پامردی ہی کا طفیل تھا کہ بنگال مرہٹہ صوبہ ہونے سے بچ گیا جبوقت کہ راگھوجی بھونسلا کرناٹک میں مصروف کار تھا اُسکا ایک سپہ سالار بھاسکر پنت بنگال میں گھس پڑا اور کٹک سے راج محل تک دریائے بھاگرتی کا تمام مغربی علاقہ تاراج کر کے رکھدیا۔ سنہ ۱۷۴۲ء میں اُسکی فوج کا ایک دستہ اچانک مرشد آباد کے سامنے نمودار ہو گیا اور اُسکے مضافات کو لوٹ لیا اور وہاں کے متمول

باب اول
فصل ہشتم

ساہوکاروں سے ڈھائی کروڑ روپیہ زبردستی کا نذرانہ وصول کیا۔ اسکے بعد مرہٹہ سپہ سالار نے ہگلی پر یورش کی اور اُسے لوٹ لیا اور مصیبت کی ماری مخلوق نے غیر ملکی مستعمرات میں پناہ گزیں ہو کر جان بچائی۔ کلکتے کے ریزیڈنٹ نے صوبیدار سے اپنی نو آبادی کے گرد خندق کھودنے کی اجازت مانگی جو فوراً مل گئی اور کام نہایت عجلت و سرگرمی کے ساتھ لگا دیا گیا۔ لیکن دشمن کے چلے جانے پر ملتوی کر دیا گیا اور پھر یہ خندق کبھی پوری نہیں ہو سکی۔ یہی وہ شہرۂ آفاق مرہٹہ خندق ہے جو اگرچہ لندن کی قدیم دیوار کی طرح معدوم ہو چکی ہے مگر عرصے تک شہر کے بارونق شہر کی حدود کا کام دیتی رہی اور اہل شہر کو اس خندق کی وجہ سے کھائی کے مینڈک کا خطاب مل گیا تھا۔

(صفحہ ۱۴۶)

اُڑیسہ مرہٹوں کو دیدیا گیا

مرہٹوں کو اگرچہ اچھی طرح شکست ہو گئی تھی مگر وہ اپنی تاختوں کی ہر سال تجدید کرتے رہتے تھے۔ اس ملک کے مغربی اضلاع کے باشندوں کے دل سے اُن تباہیوں کی یاد کئی پشتوں تک محو نہیں ہو سکی، اور برگیوں یعنے مرہٹوں کے حملوں کو اُنیسویں صدی تک یاد کر کر کے مخلوق لرزہ براندام ہو جاتی تھی۔ دس سال کی ایسی متواتر آویزش سے خستہ حال ہو کر جس سے ملک تباہ ہو گیا تھا اور ملک کی آمدنی تمام غارت ہو گئی تھی پچھتر سال کا بوڑھا علی وردی خاں سنہ ۱۷۵۲ء میں مجبوراً اسپر رضامند ہو گیا کہ مرہٹہ راجہ برار کو بنگال کی آمدنی پر چوتھ دیا کرے اور اُڑیسہ بالکل ہی اسکے حوالے کر دے۔ مگر نوابان بنگال اب بھی اپنے نام کے ساتھ اڑیسہ کی نوابی کی دم لگائے رہتے تھے حالانکہ اب اُنکے قبضے میں سبنریکا کے مغرب میں اُڑیسہ کا صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا رہگیا تھا۔ علی وردی خاں نے اپنی عمر کے باقی پانچ سال ان غارتگروں کی پھیلائی ہوئی تباہیوں کی درستی کرنے میں صرف کیئے اور اسّی سال کی عمر میں سنہ ۱۷۵۶ء میں انتقال کیا۔ اُسکے دوسرے ہی سال ان تینوں صوبوں کی حکومت ترکمانوں کے ہاتھ سے نکلکر انگریزوں کے پاس آگئی اور ہندوستان کی سلطنت انگلشیہ کا سنگ بنیاد پڑ گیا۔

سراج الدولہ

علی وردی خاں نے اپنی حکومت اپنے عزیز نواسے کے لیئے چھوڑی

باب اول
فصل ہفتم

جو ایک بست سالہ نوجوان تھا اور اپنی تلون مزاجی اور سخت گیری کی وجہ سے حکمران
ہونے سے پہلے رعایا کی نفرت و بیزاری مول لے چکا تھا۔ سراج الدولہ نے عرصے سے
انگریزوں کے خلاف نفرت وعناد کا اظہار کر رکھا تھا اور اُسکی تخت نشینی کے وقت
مجلس انتظامیہ نے خاص طور سے ہدایات بھیجدی تھیں کہ کلکتے کی حفاظت کا بہت پورا
انتظام کر رکھا جائے۔ انگریزی تجارتگاہ کے تمول کا شہرہ عام ہو رہا تھا اور نوجوان نواب نے
اسے تاک رکھا تھا کہ موقعہ ملتے ہی اسپر جھپٹ پڑے اور اتفاق سے ایک صورت
ایسی پیش آگئی کہ وہ موقعہ نواب کو جلد ہی مل گیا۔ اپنے نواب ہونے سے پہلے سراج الدولہ نے
ڈھاکے کے ہندو گورنر سے اچھی طرح استحصال بالجبر کیا تھا اور اُسے قید خانے میں ڈالدیا
تھا۔ اُسکے بیٹے کشن داس نے اپنے مال اور اپنے خاندان کی حفاظت کے خیال سے
جگناتھ جی کی جاترا کے بہانے سے بڑے جلوس کے ساتھ کلکتے کا راستہ لیا جہاں
مسٹر ڈریک پریزیڈنٹ نے اُسکا نہایت دلی مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ بوڑھے
نواب کے انتقال کے بعد ہی سراج الدولہ نے پریزیڈنٹ کو حکم بھیجا کہ کشن داس کو
معہ اُسکی تمام زر و دولت کے حوالہ کر دے۔ اور اس حکم کے بعد ہی

(صفحہ ۱۴۷)

دوسرا حکم یہ آیا کہ ایسی اطلاع ملی ہے کہ انگریزوں نے کلکتے میں ایک قلعہ تعمیر
کر لیا ہے اُسکو فوراً گرا دیا جائے۔ مسٹر ڈریک نے یہ جواب دیا کہ صرف
اُس فصیل کی مرمت کیگئی ہے جو دریا کے رُخ پر ہے۔ وہ بھی اسلیئے کہ فرانسیسیوں
کی طرف سے حملے کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ مگر اُس پناہ گزیں کی حوالگی سے صاف انکار کر دیا
جو اُسکی حمایت میں آگیا تھا۔ نوجوان صوبیدار اس وقت میں اپنے چچازاد بھائی
عامل پورنیا کی سرکوبی کے لیئے جا رہا تھا مگر جس وقت کہ پریزیڈنٹ کا جواب اُسے
ملا وہ سخت برافروختہ ہوا اور اپنی سپاہ کو فوراً کلکتے کی طرف پھیر دیا۔

تسخیر کلکتہ

شہر کلکتہ اس وقت اس قسم کی یورش کے واسطے تیار نہیں تھا۔ گذشتہ
پچاس سال کے پر امن زمانے میں استحکامات کی طرف سے عدم توجہی برتی
گئی تھی اور کوٹھیاں فصیلوں کی جڑ تک بنتی چلی گئی تھیں۔ فرانسیسیوں نے ہمیشہ اپنی
نو آبادی کا خیال رکھا تھا اور اُنکو جتنی توجہ اپنے استحکامات کی طرف رہی تھی انگریزوں
کی غفلت بالکل اُسکی ضد تھی۔ چندر نگر اس وقت اس قدر مستحکم تھا کہ ہر قسم کے

باب اول فصل ہفتم

دیسی حملے کی مدافعت کرسکتا تھا۔ لیبرڈونے کی تسخیر مدراس کے بعد مجلس انتظامیہ
نے یہ احکام بھیجدیئے تھے کہ کلکتے کے استحکامات کی تکمیل کرلی جائے اور جیسے جیسے
بوڑھے صوبیدار کی صحت کمزور ہوتی جاتی تھی مجلس موصوف کی طرف سے ان تاکیدات کی
تجدید ہوتی جاتی تھی لیکن کمپنی کے کلکتے والے کارکن روپیہ کھسوٹنے میں اس درجہ
مصروف تھے کہ انھیں ان احکام کی طرف توجہ کرنیکا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا اور انکی یہ
غفلت آخری لمحہ تک اس درجہ بڑھی رہی کہ اس سے صرف انکی بزدلی ہی بڑھ سکی۔
کوئی حفاظتی فوج مرتب نہیں کیگئی تھی اور ایک بے ایمان ٹھیکہ دار نے جو بارود بہم
پہنچائی تھی وہ کم وکیف میں یکساں سقیم تھی۔ قلعے کی فوج میں صرف ایکسو چوہتر (۱۷۴)
آدمی تھے جنمیں سے دس بھی ایسے نہیں تھے جنھوں نے کبھی توپ چلتی دیکھی ہو
اور محاصرین کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ پھر بھی اس جم غفیر کے مقابلے میں کلائیو ویسی
شاندار مدافعت کرسکتا تھا جیسی اُسنے آرکاٹ پر کی تھی لیکن کلکتے کا گورنر ڈریک تھا
اور قلعہ دار منکن تھا جنمیں ایک کو بھی کلائیو کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ نواب کی
فوج نے ۱۷۔ جون سنہ ۱۷۵۶ء کو شہر کا محاصرہ کیا اور دوسرے ہی دن شہر پر قبضہ کرلیا۔
اور قلعہ بند انگریزوں نے یہ طے کرلیا کہ عورتوں اور بچوں کو اُن جہازوں پر بھیجدیا جائے
جو قلعے کے قریب ہی لنگر انداز تھے۔ مگر جیسے ہی پانی کی طرف کے چور دروازے
کھولے گئے ویسے ہی کشتیوں کی طرف بھگوڑے بلا امتیاز مرد عورت کے چلے چنانچہ کئی
کشتیاں الٹ بھی گئیں۔ دشمن نے کئی بان جہازوں کی طرف پھینکے جنمیں سے ایک بھی
کسی جہاز پر نہیں گرا مگر جہاز کے افسروں نے فوراً لنگر اٹھا دیئے اور دو میل کے
فاصلے پر جاکر ٹھیرے۔ صرف دو کشتیاں چوردروازوں کی سیڑھیوں پر رہگئیں اور
مسٹر ڈریک بغیر ہدایات انتظام دیئے ہوئے چپکے سے ایک میں سٹک گیا۔ اسکے
پیچھے ہی فوج کا افسر دوسری کشتی میں بیٹھ گیا اور دونوں کے دونوں آرام سے
جہازوں پر پہنچ گئے۔ عین وقت پر چھوڑ بھاگنے کی یہ ذلیل کارروائی
جس وقت مخلوق کو معلوم ہوئی اور بقیہ انگریزوں کے لئے سوائے قلعے میں ٹھیرے
رہنے کے اور کوئی مفر باقی نہیں رہا تو مایوسی نے اضطراب کا خاتمہ کردیا اور باتفاق
رائے سے مسٹر ہالویل کو سب کا سردار منتخب کیا گیا اور یہ دل میں ٹھان لیگئی کہ

صفحہ ۱۴۴

باب اول
فصل ہفتم

آخر وقت تک مدافعت کی جائیگی۔ قلعہ بند فوج نے اٹھائیس تاریخ تک مدافعت کی اور اس عرصے میں جہازوں کو برابر امداد کے لیئے آنیکی علامات کے ذریعے سے مطلع کیا جاتا رہا اور اگر وہ چاہتے تو آسانی سے آکر تمام بہادر مدافعین کو بچا لیجاتے مگر ایک جہاز بھی اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ ۲۱- جون سنہ ۱۷۵۶ع کو دشمن نے مزید سرگرمی سے حملہ کرنا شروع کیا۔ آدھی سے زائد قلعہ بند فوج زخمی اور ہلاک ہوگئی اور گورہ سپاہی کسی طرح موقع پاکر آبدار خانے میں گھس گئے اور اتنی پی گئے کہ کسی کام کے نہیں رہے۔ مجبور ہوکر مسٹر ہالویل کو باہمی مفاہمت پر راضی ہو جانا پڑا مگر دوران گفتگو میں نواب کے سپاہی بے ایمانی کر کے قلعے کے اندر گھس پڑے اور اُس پر قبضہ کر لیا اور فوراً خزانے کی تلاش میں مصروف ہو گئے لیکن خزانے کی کوٹھریوں میں صرف پانچ لاکھ روپیہ ملا جس سے نواب کی برافروختگی کی کوئی حد نہیں رہی ؛

کال کوٹھری

نواب شام کے قریب اپنے لشکر میں چلا گیا۔ تمام یورپین قیدیوں کو ایک برآمدے میں جمع کیا گیا اور نواب کے فوجی افسر کسی ایسے مکان کی تلاش میں گئے جسمیں ان قیدیوں کو رات کی رات ٹھیرایا جاسکے مگر کوئی ایسا مکان مل نہیں سکا اسلیئے انھیں اُس کوٹھری میں گھس جانیکا حکم دیدیا گیا جو قلعے کے فوجی ملازموں کے حوالات کے کام آتی تھی۔ یہ کوٹھری مشکل سے بیس فٹ مربع ہوگی اور صرف ایک کھڑکی اسمیں تھی۔ پانچ چار سرکش سپاہیوں کے لیئے یہ کوٹھری خاصی آرام کی جگہ تھی مگر اس سخت گرمی کے مہینے میں ایکسو چھیالیس اشخاص کے لیئے تو یہ موت کے گھر سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ یہ بدبخت اسیران بلا دم گھونٹنے والی گرمی اور حلق خشک کر دینے والی پیاس سے بہت جلد حواس باختہ ہو گئے اور پہرہ داروں سے التجائیں کرنے لگے کہ کسی طرح بندوق سے اُنھیں ہلاک کر دیں تاکہ اسطرح تڑپ تڑپ کر ترس ترس کر ہلکان ہونے سے نجات مل جائے۔ رفتہ رفتہ اُنمیں سے اکثر آغوش مرگ میں بے خبر سو گئے اور جب صبح کو دروازہ کھولا گیا تو صرف ۲۳ باہر گھسیٹ کر نکالے گئے جو اگرچہ زندہ تھے مگر مردوں سے بدتر تھے اور جنکی صورتیں دیکھنے سے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ یہ کال کوٹھری کا واقعہ کہلاتا ہے جس نے سراج الدولہ کی اوندہی پیشانی پر ہمیشہ کے لیئے سیہ کاری کا ٹیکا لگا دیا۔ مگر ہندوستانی طبقے نے

باب اور فصل بعنوان

اس واقعے کو کچھ بھی غیر معمولی نہیں سمجھا تھی کہ اُس زمانے کا مستند مسلمان مورخ اُسکا تذکرہ تک اپنی تصنیف میں نہیں کرتا ہے۔

کمپنی کا استیصال

نواب اسکے بعد مرشد آباد آگیا اور کمپنی کی تمام جائداد علاوہ کلکتے کے جو دوسری بنگالی تجارتگاہوں میں بھی تھی بحق سرکار ضبط کرلی اور جس طرح ستر سال پہلے اورنگ زیب کے زمانے میں کمپنی بنگال سے بالکل نکال دیگئی تھی اسی طرح اب بھی بالکل بیدخل کردیگئی۔

کلائیو کی نقل وحرکت

(صفحہ ۱۴۶)

لیکن خدائی انتقام کا وقت سر پر آرہا تھا مجلس انتظامیہ دکن میں بسی کی پیشقدمی کو بڑی رشک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی اور اسکو روکنے کے واسطے پیشوا کے ساتھ رابطۂ اتحاد قائم کرنیکا ارادہ کرچکی تھی۔ کلائیو جبکہ انگلستان پہنچے پر مجلس انتظامیہ اور محکمۂ وزارت نے خاص عزو امتیاز کے ساتھ خیر مقدم کیا تھا پھر ایک بڑی فوج کے ساتھ ۱۷۵۵ء میں اس غرض کیلئے بمبئی بھیجا گیا کہ بسی کی پیشقدمی کو روکنے کی مناسب کارروائی کرے۔ لیکن یہاں آکر اُسنے پریزیڈنٹ بمبئی اور اُسکی کونسل کو ایسے سخت جوکھم کے کام میں ہاتھ ڈالنے کے بالکل خلاف پایا۔ اسی زمانے میں امیر البحر واٹسن بھی اتفاقیہ بمبئی پہنچگیا اور یہ طے پایا کہ اس وقت جو اتفاقیہ بحری و بری قوت کا اجتماع ہوگیا ہے اُس سے بحری قزاق آنگریا کا زور توڑنے میں کام لیا جائے۔ اس سردار کی قوت ایسی بڑھگئی تھی کہ اُسنے یہاں تک دلیری اختیار کرلی تھی کہ سالگزشتہ میں اُسکے غارتگر جہازوں نے پچاس۔ چھتیس اور اٹھارہ توپوں کے تین ولندیزی جہازوں کو مغلوب کرکے دو کو بالکل جلا ڈالا تھا۔ غرض یہ کہ انگریزی بیڑہ مع تمام خشکی کی فوج کے گیریا پر حملہ آور ہوا جو اس قزاق سردار کا مستقر تھا اور حملہ شروع ہونیکے ایک گھنٹے میں قزاقوں کا تمام بیڑہ شعلہ زن ہورہا تھا سلحہ خانے میں دوسو توپیں اور کثرت سے گولا بارود کا ذخیرہ ملا اور خزانے میں بارہ لاکھ روپیہ بھی ملا جو فاتحین نے قابل تعریف عقلمندی کے ساتھ آپس میں بلا تامل تقسیم کرلیا۔ اسکے بعد واٹسن اور کلائیو مدراس آئے جہاں کلکتے کی تباہی کی خبریں پہنچ چکی تھیں اور اگرچہ اس وقت بھی ایک جماعت کی رائے یہی تھی کہ پہلے بسی کے خلاف پیشقدمی کیجائے مگر کونسل کی کثرت رائے یہی ہوئی کہ

باب اوّل
فصل ہفتم

سب سے پہلے کمپنی کے نقصانات بنگال کی تلافی ضروری اور لازمی سمجھی گئی۔ چنانچہ فوراً ایک مہم ترتیب دیکر کلائیو کی سرکردگی میں دیگئی اور وہ مدراس سے واٹسن کے بیڑے کو بھی لیکر روانہ ہوا جسکے ساتھ نو سو گورہ اور پندرہ سو ہندوستانی سپاہی تھے

باز تسخیر کلکتہ

۱۵۔ دسمبر ۱۷۵۶ء کو کلائیو اور واٹسن ہگلی میں داخل ہو کر فلتا پہنچے جہاں بزدل ڈریک معہ اپنے ساتھی بھگوڑوں کے پناہ گزیں تھا۔ دریا کے چڑھاؤ پر کچھ فاصلے سے ایک چھوٹا سا قلعہ بج بج تھا جسپر نواب کے ایک ہندو سپہ سالار کا قبضہ تھا جسکی قیادت میں نواب نے اپنی فوج چھوڑ دی تھی کلائیو نے اس قلعے پر حملہ کیا اور ایک گولہ سپہ سالار کی پگڑی کے پاس سے جو سنناتا ہوا نکلا ہے تو وہ سیدھا کلکتے کو بھاگتا نظر آیا۔ وہاں بھی اُسے اپنی حفاظت کا پورا اطمینان نہیں ہوا اور وہ قلعے کو پانسو سپاہیوں کی [illegible] میں چھوڑ کر سیدھا مرشد آباد پہنچا اور ۲۔ جنوری ۱۷۵۷ء کو فورٹ ولیم کلائیو کے حوالے کر دیا گیا۔ اور اُسکی فصیلوں پر کمپنی کا علم پھر نصب کر دیا گیا۔ نواب نے اپنا دل یوں سمجھا لیا تھا کہ اب انگریز ہرگز اس علاقے میں قدم نہیں رکھینگے اور جب اُسنے پھر اُنکی دیدہ دلیری کا حال سنا تو وہ نہایت ہی برافروختہ ہوا۔ اُسنے کلائیو کے نامہ و پیام کے سننے سے بالکل انکار کر دیا اور نہایت تعجیل کے ساتھ چالیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ چڑھ دوڑا۔ آویزش کو ناگزیر پاکر کلائیو نے جارحانہ پہلو اختیار کرنا مناسب سمجھا اور اپنی تمام فوج لیکر جسمیں چھ سو جہازیوں کا اضافہ ہو گیا تھا ۵۔ فروری ۱۷۵۷ء کو کلکتے سے خروج کیا اور سورج نکلنے سے پہلے نواب کی فوج پر چھاپہ مار دیا۔ سورج نکلنے کے وقت ایسی گہری کہر چھا گئی تھی کہ انگریزی فوج کچھ پریشان سی ہونے لگی اور حملے کا زور کچھ ڈھیلا پڑ گیا مگر اُدھر نواب کی یہ حالت ہوئی کہ اب تک اُسے اس آگ برسنے کا تجربہ نہیں ہوا تھا اور اب جو اُسنے اپنے کئی سرداروں کو اپنے ارد گرد جاتے دیکھا تو اُسکے ہوش خطا ہو گئے اور اُسنے گھبرا کر فوراً صلح کی تحریک شروع کر دی اور ۹۔ فروری کو ایک معاہدہ طے پا گیا۔ کمپنی کے تمام سابقہ حقوق اُسے واپس مل گئے اور ٹکسال قائم کرنے اور کلکتے کا استحکام کرنیکی بھی پروانگی مل گئی اور اس طرح اس معرکہ

(صفحہ ۱۵۰)

باب اول
فصل ہفتم

دمدم کا خاتمہ ہوگیا۔

تسخیر چندر نگر

اسکے کچھ ہی عرصے بعد فرانس اور انگلستان میں باقاعدہ جنگ چھڑ جانیکی خبریں آگئیں۔ فرانسیسی مستعمرہ چندر نگر جسمیں سات سو فرانسیسی فوج تھی کلکتے سے تیس میل دریا کے چڑھاؤ پر واقع تھا اور بہت سی ہندستانی فوج بھی اسمیں موجود تھی۔ اور بسی اپنی فتحمند فوج کو لئے ہوئے شمالی سرکار میں چار سو میل کے فاصلے پر مقیم تھا۔ نواب نے صلحنامۂ دمدم پر دستخط کر چکنے کے بعد ہی بسی پر زور ڈالنا شروع کیا کہ اپنی فوج کے ساتھ بنگال پر پیشقدمی کرے اور انگریزوں کو اس ملک سے نکال باہر کرے۔ کلائیو سمجھتا تھا کہ اگر دونوں فرانسیسی فوجیں مل گئیں تو کمپنی کی حالت مخدوش ہو جائیگی اسلیئے اُسنے اس اتحاد سے پہلے ہی چندر نگر پر قبضہ کر لینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اُسنے چندر نگر پر خشکی کی طرف سے حملہ کیا اور واٹسن نے تری پر سے گولہ اندازی شروع کی اور نو دن کی شجاعانہ مدافعت کے بعد یہ شہر نہایت باعزت شرائط پر انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس تسخیر کی تکمیل کے بعد کلائیو نے یہ الفاظ کہے کہ اب ہماری پیشقدمی یہیں تک ختم ہو کر نہیں رہ سکتی اور اسکی یہ پیشین گوئی سو سال کی پے در پے ترقی نے پوری کر دی جو انگریزوں کو دریائے سندھ کے پار تک لیگئی۔

نواب کے خلاف سازشیں

اس اثنا میں نواب کی سخت گیری اور درشت مزاجی سے اُسکے وزرا و امرا کی طبیعتیں برابر اُسکی طرف سے نفور ہوتی چلی گئی تھیں۔ ہر روز کوئی نئی طرز ستم ایجاد ہوتی تھی اور مئی ۱۷۵۷ء میں علی وردی خاں کے برادر نسبتی میر جعفر نے جو بخشی فوج تھا ریاست کے تمام حکام اور سیٹھ ساہوکاروں کے ساتھ ملکر نوابی اپنے لئے حاصل کرنیکی سازش شروع کی۔ اس زمانے میں مرشدآباد میں ایک شخص امی چند تھا جو چالیس سال تک کلکتے میں رہکر کمپنی کے تاجروں کے ساتھ ٹھیکے لیکر بڑی دولت جمع کر چکا تھا اور بالکل شہزادوں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ شخص معرکۂ دمدم کے بعد کلکتے سے نواب کے ساتھ مرشدآباد چلا گیا تھا اور برابر دربار میں حاضر رہتا تھا اور رفتہ رفتہ اسنے ریاست کے کاروبار میں اتنا دخل پیدا کر لیا تھا کہ سازشیوں نے اسکو بھی اپنا شریک بنانا ضروری سمجھا۔

(صفحہ ۱۸۱)

کلائیو کو بھی اس اتحاد میں شریک ہونیکی دعوت دیگئی اور کمپنی کے لیئے دلفریب
مراعات اسکے معاوضے میں پیش کی گئیں اور چونکہ بقول خود اسکو یقین تھا کہ
جب تک نواب کا ساعفریت حکمران رہیگا تب تک نہ ملک کو سکون نصیب
ہو سکتا ہے نہ اہل ملک کو چین مل سکتا ہے اسلیئے وہ بھی فوراً ان منصوبوں میں
شریک ہوگیا۔ ایک خفیہ معاہدہ مرتب کیا گیا جسمیں شرط یہ تھی کہ انگریز اپنے
زور سے میر جعفر کو تخت نشین کردیں اور میر جعفر اُسکے معاوضے میں انھیں پونے چار کروڑ
روپیہ دے۔ امی چند کو کسی طرح اس معاہدے کی بھنک لگ گئی چنانچہ اُسنے
نواب کے سامنے سارا بھانڈا پھوڑ دینے کا ڈراوا دیا جسکا نتیجہ یہ نکلتا کہ تمام
سازشی فوراً قتل کردیئے جاتے۔ امی چند نے اپنی زبان بندی کے لیئے
تیس لاکھ روپے نذرانہ یکمشت اور تمام رقم جو انگریزوں کو دی جانیوالی تھی اسپر
پانچ روپیہ سیکڑہ دستوری کا مطالبہ کیا۔ کلائیو کو جب اس ہولناک مطالبے کی
خبر ہوئی تو اُسنے اپنا دل سمجھانیکو یہ اصول وضع کیا کہ ایسے بدمعاش کے
توڑ جوڑ کا کاٹ کرنیکے لیئے حکمت عملی اور فریب جائز ہے۔ چنانچہ اُسنے ایک
مصنوعی دستاویز سُرخ کاغذ پر مرتب کرکے اُسکو دکھادی جسمیں اُسکے مطالبے
کے مطابق بھی ایک شرط تھی مگر اصل دستاویز جسپر متعاقدین نے اپنی مہریں
کی تھیں دبا رکھی کیونکہ اسمیں امی چند کے اس مطالبے کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔
کہا جاتا ہے کہ اس صدمے سے امی چند دیوانہ ہوگیا اور ایک سال کے اندر
بکتا جھکتا دنیا سے چل بسا مگر یہ بالکل بے اصل بات ہے۔ کلائیو کی تمام
شجاعانہ اور سرگرم زندگی میں یہی ایک حرکت ایسی ہے جسکی کسی طرح جائز
توجیہہ نہیں کی جاسکتی دراں حالیکہ وہ خود اسکو ہمیشہ جائز سمجھتا رہا اور یہی
کہتا رہا کہ موقع پڑے تو سو مرتبہ یہی حرکت پھر کرنے پر تیار ہوں۔ مگر یہ اپنا اپنا
معیار اخلاق ہے۔

معرکۂ پلاسی

۱۳- جون ۱۷۵۷ء کو کلائیو نے چندر نگر سے کوچ کیا۔ اس وقت
اسکے ساتھ نو سو گورہ فوج تھی جسمیں ۳۹ پیدل پلٹن کا بھی کچھ حصہ
شامل تھا جسکے علم پر اب تک لاطینی الفاظ السابقون فی الہند منقش ہیں۔

باب اول
فصل ہفتم

اور اکیس سو دیسی تلنگے تھے اور دس ضرب توپیں تھیں۔ وہ کٹوا تک بڑھتا چلا گیا
جہاں اُسنے جنگی مجلس مشاورت منعقد کی جسنے مزید پیشقدمی کے خلاف رائے دی
لیکن اسکے بعد فوراً ہی اُسکو اپنی پیشقدمی تقاضائے مصالح حرب کے مطابق
نظر آئی اور وہ آگے بڑھکر نخلستان پلاسی تک آگیا نواب سراج الدولہ کی
پچاس ہزار سوار اور پیدل سپاہ بھی اسی مقام کے قریب خیمہ زن تھی۔ میر جعفر نے
قسم کھا کر وعدہ کیا تھا کہ لڑائی کے شروع ہونے سے پہلے یا عین لڑائی کے وقت
ضرور آکر کلائیو کی شرکت کریگا لیکن وہ آکر پھٹکا تک نہیں اور کہیں دور ٹھیر کر ہوا کا
رُخ دیکھتا رہا۔ ۲۳۔ جون ۱۷۵۷ء کے قابل یادگار دن کو نواب کی فوجیں انگریزی
لشکر کے ایک چھوٹے سے دستے پر جھپٹیں اور کلائیو نے بھی حملہ کرنے کے لئے اپنی تمام
سپاہ کو حرکت دی۔ دشمن نے اپنا میدانی توپ خانہ پیچھے ہٹا لیا اور اُسکے سپہ سالار اعظم
میر مدن نے کاری زخم کھایا اور نواب کے سامنے جان توڑ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ سراج الدولہ پر

(صفحہ ۱۵۲)

اس نظارے سے ایسا ہراس غالب ہوا کہ وہ ایک بادرفتار سانڈنی پر سوار ہوا اور اپنے
دو ہزار سواروں کو ساتھ لیکر سر پر پاؤں رکھکر بھاگا اور مرشد آباد پہونچنے سے پہلے پیچھے مڑ کر بھی
نہیں دیکھا۔ اُسکی بیسر فوج اُسکے بھاگتے ہی منتشر ہو گئی اور یہ معرکہ جسنے بنگال اور بہار کی
قسمت کا فیصلہ کر دیا بلکہ آخر میں ہندوستان ہی کے وارے نیارے کر دیئے صرف
بہتر مقتول و مجروح کے نقصان کے بعد بے تکلف سر ہو گیا۔ کلائیو کو فتح حاصل ہوتے ہی
میر جعفر بھی کسی طرف سے معہ اپنی فوج کے اُسکو مبارکباد دینے کے لئے آپہنچا تا کہ اپنا
حصہ بھی بٹالے۔ سراج الدولہ نے مرشد آباد پہنچکر دیکھا کہ اُسکے تمام اکابر و اعیان سلطنت
اسکی رفاقت سے منہ موڑ چکے ہیں اور پورا ایک دن رنج و غم کی حالت میں بسر کر کے اُسنے
بھیس بدلا اور اپنے ایک خواجہ سرا اور ایک مدخولہ کو ساتھ لیا اور محل کی کھڑکی سے
نیچے اُترا اور ایک کشتی پر سوار ہو کر اس امید پر نکل کھڑا ہوا کہ کہیں فرانسیسی قائد ایم لاکو
ڈھونڈھ نکالے جسکو بسی نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ بنگال کی طرف بھیجدیا تھا۔
وہ دریا کے چڑھاؤ پر چڑھتا چلا گیا اور کھانا تیار کرانیکے لئے راج محل پر لنگر انداز ہوا
اور وہاں ایک ایسے فقیر کے جھونپڑے میں گیا جسکے کان اُسنے ایک سال پہلے
کٹوا دیئے تھے۔ اس فقیر نے اپنے دشمن کو فوراً پہچان لیا اور اُسے پکڑ کر اُن لوگوں کے

باب اول
فصل ہفتم

حوالے کر دیا جو اُسکی تلاش میں پھرتے تھے۔ چنانچہ مرشد آباد چھوڑ نکلے آٹھ دن بعد وہ پھر کشاں کشاں مرشد آباد لایا گیا۔ میر جعفر کے بیٹے نے اُسے فوراً قتل کرا ڈالا اور اُسکی بدحیثیت نعش کو دوسرے دن تمام شہر میں گھسٹوایا گیا اور دوسرے دن اپنے نانا کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔

کلائیو مرشد آباد میں

۲۹- جون ۱۷۵۷ء کو کلائیو مرشد آباد میں داخل ہوا اور سیدھا دیوان خانۂ خاص کو چلا گیا جہاں جملہ اعیان و اکابر جمع تھے۔ وہاں کلائیو نے میر جعفر کو تخت پر بٹھایا اور بہ حیثیت صوبیدار بنگال بہار و اڑیسہ کے اُسے سب سے پہلے نذر پیش کی۔ انگریزوں کی حیثیت میں صرف بارہ ماہ کے مختصر سے عرصے میں جو تغیر رونما ہو گیا تھا وہ پرستان کے فسانوں سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ علت و معلول کے تابع تاریخی واقعات ایسی جلدی رنگ نہیں بدلا کرتے ہیں۔ جون ۱۷۵۶ء میں کلکتے کو لوٹا گیا۔ جلایا گیا اور کمپنی کا بالکل صفایا کر دیا گیا تھا۔ جون ۱۷۵۷ء میں کمپنی نے صرف اپنا تجارتی مستقر ہی نہیں حاصل کر لیا بلکہ اپنے یورپین ہمچشموں کا زور بھی توڑ دیا۔ نواب کو شکست دیکر تخت سے بھی اُتار دیا اور ایک ایسی حکومت کا فیصلہ کر دیا جو انگلستان سے بھی زیادہ وسیع اور کثیر الآباد تھی۔ مرشد آباد کے خزانہ میں سے دو کروڑ سے زائد تو فاتحین کو ہی تقسیم کر دیا گیا اور موعودہ معاوضے کی پہلی قسط میں بھی اسّی لاکھ روپیہ دیدیا گیا جو بڑے جلوس کے ساتھ کلکتے کو خاص اسی سڑک سے لایا گیا جس سے ہو کر سال بھر پہلے سراج الدولہ کلکتے کا مال غنیمت لئے ہوئے گزرا تھا۔ کمپنی کے لیے کلائیو نے مرہٹہ خندق کے گرد کی صرف چھ سو گز زمین معافی میں لے لی اور کلکتے کے جنوبی اضلاع کی زمینداری کے حقوق بھی لے لیئے۔ اپنے لیئے اُسنے وہ تمام دل فریب نذرانے لینے سے انکار کر دیا جو مرشد آباد کے متمول رئیس اُسکی نظر عنایت حاصل کرنیکے لیئے اُسے پیش کر رہے تھے۔ اور صرف اُسی سولہ لاکھ پر قناعت کی جو میر جعفر نے اظہار امتنان کے طور پر خاص اُسکی ذات کے لیئے پیش کیئے تھے۔ بعد کو جب اُسکے ملک نے اُسکی خدمات کو نظر انداز کر دیا تھا اور ایوان عام میں اُسپر استحصال بالجبر کا الزام لگایا گیا تھا

(صفحہ ۱۰۰)

باب اول
فصل ہفتم

تو اُسنے نخوت کے ساتھ یہ الفاظ کہے تھے۔

جس وقت میں مرشد آباد کے خزانے میں اپنا داخل ہونا یاد کرتا ہوں جہاں
کہ میرے دہنے بائیں آگے پیچھے سونیکے ڈھیر تھے اور جواہرات ان کے
علاوہ تھے تو مجھے اپنی اعتدال پسندی پر خود تعجب ہونے لگتا ہے۔

کلکتے کے ہاتھ سے نکل جانیکی خبر مجلس انتظامیہ کو پہنچنے میں گیارہ ماہ لگ گئے تھے
اور اُسکے ساتھ ہی ہفتے بعد مجلس موصوفہ نے اُسکی بازتسخیر کی خوشخبری سن لی اور معرکۂ
پلاسی کے شاندار نتائج کا مژدہ بھی اُنکے کانوں تک پہنچ گیا۔ ستر سال پہلے مجلس موصوفہ
نے امیر البحر نکلسن کو زبردست فوج کے ساتھ اس غرض سے روانہ کیا تھا کہ ایک
سیاسی قوت کی حیثیت سے کمپنی کے قدم بنگال میں جمادے لیکن اس مہم کی ناکامی پر
کمپنی نے اپنی تمام حوصلہ مندیوں کے خواب پریشان اس قدر فراموش کردیئے تھے
کہ اب باوجودیکہ ہندوستان کا زرخیز ترین صوبہ اُسکے قدموں میں پڑا ہوا تھا
مگر اُنکی صرف اتنی سی خواہش تھی کہ مہتمان کارخانہ جات دو سال تک ہندوستان ہی
کی واصلیاتی سے تجارتی کاروبار چلائے جائیں اور صدر دفتر انگلستان سے
روپیہ نہ طلب کریں۔

باب پنجم اصل کتاب

باب دوم

فصل اول

جنگ پلاسی کے بعد سے ہیسٹنگز کے زمانے تک بنگال میں کارروائیاں

۱۷۵۸ء

اس وقت شہنشاہ دہلی جو اپنے مطلق العنان وزیر غازی الدین کے ہاتھ میں
کھلونا بنا ہوا تھا اسلئے ولیعہد سلطنت شہزادہ علی گوہر کسی نہ کسی طرح

دار الحکومت سے چھپکر نکل گیا اور اُس نے علم بغاوت بلند کیا۔ ہندوستان میں اس وقت سرفروشوں کی کثرت تھی جو ہر رئیس کے جھنڈے تلے جمع ہونیکو تیار تھے اور شہزادے کو چالیس ہزار کا لشکر اکٹھا کر لینے میں کچھ بھی دقت نہیں ہوئی۔ نواب وزیر اودھ نے بھی شہزادے کا ساتھ دیا اور شہزادے نے بہار پر حملہ کرنیکے ارادے سے اپنی فوجیں شہر پٹنہ کے مقابلے میں لا ڈالیں۔ کلائیو نے فوراً اس شہر کی حفاظت کے لیئے کوچ کر دیا اور اسکی آمد کی خبر پاتے ہی ولیعہد نے فرار پر قرار کیا۔ اس فرار میں شہزادے کو ایسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا کہ اُس نے مجبور ہو کر اپنے تئیں کلائیو کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا اور اکبر و اورنگ زیب کے خلف اور وارث کو اپنی ضروریات کی کفالت کے لیئے آٹھ ہزار روپے کا عطیہ لینا بڑی خوشی سے گوارا ہو گیا۔

چنورہ کی لڑائی ۱۷۵۹ء

صفحہ (۱۵۴)

جو اثر بنگال کی حکومت میں اپنے اقتدار و وقار کی وجہ سے کلائیو کو حاصل ہو گیا تھا اس سے میر جعفر کے اقتدار کو بڑا صدمہ پہنچ گیا تھا اور میر جعفر اور اس کے خاندان کے دل سے یہ داغ نہیں مٹ سکتا تھا کہ یہی اجنبی جو آج تخت حکومت پر چھائے چلے جا رہے ہیں کل اسی تخت کے سائے تلے کانپتے ہوئے دست بستہ حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ نواب نے کلائیو کے اقتدار کا رد عمل کرنیکے لیئے ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور اہل ہالینڈ سے جو مقام چنورہ میں تھے سازش کرنی شروع کی۔ جاوا کے گورنر کو انگریزوں کا وہ اقتدار پہلے سے ہی کھٹک رہا تھا جو انھوں نے بنگال میں حاصل کر لیا تھا اور اُس نے خیال کیا کہ اسوقت طوفان بے تمیزی برپا ہے ممکن ہے کہ اوٹ میں کچھ ہاتھ لگ جائے چنانچہ اُس نے نواب کے منصوبوں کو مدد پہنچانیکے لیئے سات جہازوں کا ایک بیڑا چنورہ بھیجدیا جسمیں سات سو یورپین اور آٹھ سو نہایت قواعد دان ملایا کے سپاہی تھے۔ کلائیو یہ عزم کر چکا تھا کہ وہ بنگال میں کسی ہمچشم یورپین قوم کے اقتدار کو گوارا نہیں کریگا چنانچہ باوجودیکہ اس وقت دونوں قومیں برسر مصالحت تھیں مگر اس نے اُن جہازوں کو گرفتار کر لیا اور کرنل فورڈ کو حکم دیدیا کہ فوجوں کو آگے بڑھنے سے روکدے۔ کرنل موصوف کو ایک ایسی قوم کی فوج پر حملہ کرنیسے تامل ہوا جس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم تھے اور اُس نے تحریری حکم طلب کیا۔
جس وقت کرنل کا خط کلائیو کے ہاتھ میں پہنچا ہے اس وقت وہ میز پر بیٹھا تاش

باب دوم
فصل اول

کھیل رہا تھا چنانچہ اسی خط کی پشت پر پنسل سے اُس نے یہ الفاظ لکھدیئے "۔ اُنسے فوراً جنگ کرو۔ میں تمہارے پاس کونسل کا تحریری حکم کل بھیجدونگا"۔ غرض یہ کہ ڈچ فوج پر چنورہ کے قریب پہنچتے پہنچتے حملہ ہوگیا اور انکو شکست بھی دیدی گئی۔ اس لڑائی کے ختم ہوتے ہی نواب کا بیٹا سات ہزار فوج کے ساتھ نظر آیا جو خاص اِس غرض سے آیا تھا کہ اگر جنگ کا پانسہ انگریزوں کے خلاف پڑتا تو وہ ڈچ فوجوں کے ساتھ شریک ہوجاتا۔ کلائیو نے اہل ہالینڈ سے بطور تاوان کے وہ تمام خرچ بھی وصول کیا جو اس مہم میں برداشت کرنا پڑا تھا جو اُنکے منصوبوں کو پامال کرنیکے لیئے بھیجی گئی تھی۔ جس وقت کمپنی کی مجلس انتظامیہ نے اِس سے جواب طلب کیا تو اُسنے ایک نہایت متکبرانہ و خودسرانہ جواب انکو بھیجدیا کیونکہ وہ عرصے سے انکے اثر سے بالکل نکل چکا تھا۔ اسکے بعد ۲۵۔ فروری ۱۷۶۰ء کو وہ انگلستان کو روانہ ہوگیا۔

شہزادہ علی گوہر کا دوسرا حملہ ۱۷۶۰ء

کلائیو کی روانگی کے وقت شہزادہ علی گوہر دوسری مرتبہ بہار پر حملہ کرنیکے لیئے بڑھ رہا تھا۔ راستے میں شہزادے کو یہ اطلاع ملی کہ شہنشاہ کو غازی الدین وزیر نے دغا سے قتل کرادیا چنانچہ شہزادے نے فوراً شاہ عالم کا لقب اختیار کرکے اپنی شہنشاہی کا اعلان کردیا۔ نواب وزیر اودھ نے پھر شہزادے کا اسی امید پر ساتھ دیا تھا کہ بہار کو اودھ کی مملکت میں شامل کیا جاسکیگا اور متحدہ فوجیں پھر پٹنہ کے سامنے آ موجود ہوئیں۔ اس وقت لارنس اور کلائیو کی ماتحتی میں تعلیم پایا ہوا خاص فوجی افسر مسمی کرنل کیلیاڈ اس شہر کی حفاظت کے لیئے چلا اور اسکے ساتھ ہی نواب کے بیٹے میرن کی فوجیں بھی ہوگئیں۔ چنانچہ ان دونوں فوجوں نے شاہی سپاہ کو شکست فاش دیکر بھگا دیا۔ شاہ عالم نے پھر مرہٹوں سے امداد کا وعدہ حاصل (صو ۱۵۵) کرکے کوہستان کے راستے سے اپنی فوجیں اچانک مرشد آباد پر قبضہ کرلینے کی غرض سے بڑھائیں مگر کرنل کیلیاڈ بھی خبر پاتے ہی اُسکے پیچھے چلا اور مرشد آباد سے تیس میل کے فاصلے پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوگیا۔ شاہ عالم کو جب اپنے مرہٹے حمایتیوں کی کوئی خبر نہیں ملی تو وہ مقابلے سے ہٹ گیا اور پھر سیدھا

پٹنے آیا اور نو دن تک شہر کا سخت محاصرہ کیئے پڑا رہا۔ مدافعت کو جاری رکھنے کی تمام امیدیں ٹوٹتی جارہی تھیں کہ محصورین نے فصیل پر سے کپتان ناکس کو ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ آتے دیکھا۔ کرنل کیلیاڈ نے کپتان ناکس کو نہایت عجلت سے بھیجدیا تھا اور کپتان مذکور مرشد آباد سے پٹنے تک بنگال کی چل چلاتی دھوپ میں تیرہ دن میں آپہنچا تھا اور اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھانیکے لیئے خود بھی پیدل آیا تھا۔ دوسرے ہی دن کپتان ناکس نے شاہی فوج پر حملہ کیا اور اسکو شکست فاش دیکر بھگادیا۔ نواب پورنیا اب تک اپنی حالت کو چھپائے ہوئے کپتان ناکس کا طرفدار بنا ہوا تھا مگر اسوقت اس نے خود ہی اپنا نقاب الٹ دیا اور شاہ عالم کی امداد کو بارہ ہزار سپاہی اور بیس توپیں لیکر آگے بڑھا۔ محصورین کی حیرت و تعجب کی انتہا نہیں رہی جب انھوں نے یہ دیکھا کہ کپتان ناکس اپنے دوسو یورپین ایک رسالہ اور پانچ میدانی توپوں کے ساتھ نواب پورنیا کی فوج پر بھی ٹوٹ پڑا اور چھ گھنٹے کی سخت جدال و قتال کے بعد نواب کی فوج کو بھی شکست کامل دیدی ہندوستانی مورخ اس جنگ کے حالات میں کپتان ناکس کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور لکھتا ہے کہ جس وقت یہ چھوٹی سی جانباز سپاہ حملہ کرنیکو نکلی ہے تو شہر والوں کا ہجوم فصیل پر تھا اور اُنکے دلوں میں امید و بیم کے ہزاروں خیالات موجزن تھے مگر جس وقت یہ سورما عرق میں ڈوبے ہوئے اور گرد و غبار میں چھپے ہوئے شہر میں داخل ہوئے ہیں تو مرحبا و مبارکباد کا غل زمین سے آسمان تک اُٹھتا چلا جاتا تھا۔ یہ مختصر سا کارنامہ اُن چند اولوالعزمیوں کی فہرست میں شامل ہونیکے قابل ہے جنکی وجہ سے انگریزوں کی سپہگری کی وہ دھاک ہندوستان میں بندھتی چلی جاتی تھی جسکی وجہ سے ہندوستان کی سلطنت اُنکو نصیب ہوکر رہی۔ کرنل کیلیاڈ اور میرن اس کارزار کے بعد پٹنے پہنچے وہیں میرن کے خیمے پر بجلی گری اور وہ عدم آباد کو سدھار گیا اور ملک کو ایک ایسے عفریت سے خلاصی مل گئی جسکے صندوقچے میں ایک فہرست ایسے تین سو ناموں کی نکلی جنکو وہ تباہ و برباد کرنیکے لیئے

باب دوم
فصل اول

انتخاب کر چکا تھا۔

مسٹر ونسی ٹارٹ گورنر

کلائیو کی ذات کو بنگال کی برطانوی حکومت کے ساتھ ایسی
نسبت حاصل ہوگئی تھی کہ سرکاری ملازمین کو اوسکی روانگی پر
یہ معلوم ہونے لگا کہ حکومت کا صرف ڈھانچہ ہی باقی رہگیا ہے اور روح نکل گئی ہے۔
اُسکا جانشین مسٹر ونسی ٹارٹ ہوا جو بڑا ایماندار آدمی تھا مگر اخلاقی قوت اُسمیں
نہیں تھی۔ یہ شخص مدراس کے صیغہ ملازمت سے تعلق رکھتا تھا اسلیئے اسکا تقرر
بنگال کونسل کے ممبروں کو ناگوار گزرا اور انھوں نے ہر بات میں اسکی کارروائیوں
میں رکاوٹ پیدا کرنی شروع کی۔ گورنر کی کمزور طبیعت کی پریشانیاں بڑہانیکے لئے
کونسل کے ممبروں نے یہ ترکیب کی کہ اُن تین پرانے ممبروں کو براہ تحکم موقوف
کردیا جنھوں نے کلائیو کے اس گستاخانہ مراسلے پر دستخط کیئے تھے جو اُس نے
مجلس انتظامیہ کو بھیجا تھا۔ ان تینوں ممبروں کی جگہ قواعد تسلسل کے اعتبار سے
ایسے تین شخصوں سے پر کیگئیں جو مسٹر ونسی ٹارٹ سے قلبی نفرت رکھتے تھے
اور بڑے تند مزاج بھی تھے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ گورنر کی مخالفت ہر معاملے میں
اتفاق کر کے کی جاتی تھی اور اسکی کوئی تجویز کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ شہزادہ میرن
کی وفات سے پیچیدگیاں اور بڑھگئی تھیں۔ اگرچہ وہ نہایت مطلق العنان
اور بدکردار تھا لیکن اسکے باپ کی حکومت اُسی کی بہادری و دلیری پر قائم تھی
اور اُسکے مرتے ہی انتظام مملکت میں خودسری و مطلق العنانی کا ہر طرف سے ظہور
ہونے لگا۔ فوجوں نے اپنی چڑھی ہوئی تنخواہوں کے تقاضے کے طور پر محل شاہی کا
محاصرہ کرلیا اور میر جعفر نے اپنے داماد میر قاسم کو اسلیئے کلکتے بھیجا کہ کونسل
سے مالی امداد حاصل کرے لیکن مرشدآباد کا جو خزانہ تھا وہ خالی ہوچکا تھا
اور وہاں ایک حبہ بھی باقی نہیں تھا۔ اب چونکہ یہ امید بھی نہیں رہی تھی
کہ نواب پھر اس خزانے میں کچھ جمع کرسکیگا اسلیئے کونسل نے یہ طے کیا کہ
میر جعفر کو معزول کردے اور میر قاسم کو اس شرط پر گدی نشین کردے
کہ وہ اپنے قرضہ اُتارنیوالے انگریز محسنوں کو بیس لاکھ روپیہ دے اور جنوبی
بنگال میں تین زرخیز صوبے کمپنی کے سپرد کردے۔ مسٹر ونسی ٹارٹ بہ نفس نفیس

(صفحہ ۱۵٦)

باب دوم
فصل اول

ایک پوری فوج لیکر نواب کو معزول کرنیکے لیئے مرشد آباد گیا اور طوعاً و کرہاً اس ضعیف رئیس نے گدی چھوڑ کر کلکتے آجانے پر رضامندی ظاہر کردی۔ میر قاسم نے نہایت مستعدی و قابلیت کے ساتھ موجودہ مشکلات کا تدارک کرنا شروع کیا۔ اس نے دربار کے غیر ضروری اخراجات میں معقول قطع و برید کی۔ ریاست کے افسروں سے تمام ناجائز نابہ الاحتظاظ اُگلوایا۔ لگان اراضی پر نظر ثانی کی اور ریاست کی آمدنی میں ایک کروڑ روپے کا اضافہ کرلیا۔ کمپنی کا جو کچھ مطالبہ اسکے ذمے تھا اور کونسل کے ممبروں سے جو وعدے اسکے تھے ان سبکو اُس نے نہایت ایمانداری سے پورا کیا لیکن اسکی اصلی غرض برابر یہ رہی کہ اپنے تئیں کونسل کے ممبروں کے اثر سے کسی طرح نکال لے اور محض کٹھ پتلی نہیں بلکہ در اصل با اختیار صوبہ دار بن جائے اُس نے دار الحکومت کو مرشد آباد سے مونگیر تبدیل کردیا جو کلکتے سے سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور اس قلعے کا بہت اچھی طرح استحکام بھی کرلیا۔ تین سال کے عرصے میں اُس نے پندرہ ہزار پیدل اور پچیس ہزار سوار کا لشکر بھی تیار کرلیا۔ اُس نے ایک زبردست اسلحہ خانہ قائم کیا۔ ٹوپی دار بندوقیں تیار کرائیں۔ توپیں ڈھلوائیں اور اپنی قوت کے استحکام میں بڑی ترقی کرلی تھی کہ یکایک کلکتے کی کونسل کی مطلق العنان جماعت کی طرف سے ایک طوفان بے تمیزی برپا ہوا اور میر قاسم کو صرف چند ماہ کے عرصے میں تخت حکومت پر سے صاف اُڑا لیا گیا۔

سنہ ۱۷۶۲ء

قدیم زمانے سے ریاست کی آمدنی کا جزو اعظم اُن محاصل سے پورا ہوتا تھا جو اس مال پر لگائے جاتے تھے جو ملک میں اسے ہوکر نکلتا تھا۔

(صفحہ ۱۵۰)

شہنشاہ دہلی کے ایک فرمان کی رو سے کمپنی کا مال تجارت جو بیرون ہندوستان جانیکی غرض سے لیا جاتا تھا بلا محصول بھیجا جاسکتا تھا اگر اس کے ساتھ کونسل کے پریزیڈنٹ کا دستخطی پروانہ بغرض تصدیق موجود ہو۔ جنگ پلاسی کے بعد سے تمام شاہی اختیارات منتقل ہوکر کمپنی کے ہاتھ میں آگئے اور کمپنی کے ملازمین نے نجی کے طور پر اندرون ملک میں تجارتیں کرنی شروع کیں اور اپنے ذاتی کاروبار کے لیئے بھی اسی قسم کی مراعات کا مطالبہ کیا۔ ہندوستانی سوداگروں نے

اپنا تجارتی مال محصول سے بچانیکے لئے یہ ترکیب نکالی کہ وہ ملکی حکام سے ایسے پروانے کچھ رقم خرچ کرکے حاصل کرلیا کرتے تھے اور ایسے حکام کے پاس جو خانگی ملازمین تھے انھوں نے اس دلالی میں خوب روپیہ پیدا کیا اور ایک ایک صاحب کا نوکر کئی کئی ہزار روپئے مہینا کمانے لگا۔ علاوہ براں دیسی سوداگر اکثر انگریزی جھنڈا کشتیوں پر بلند کرلیتے تھے اور چونکہ اس جھنڈے کا احترام برقرار رکھنے کی ضرورت تھی اسلئے جب کبھی ایسی کشتیوں کو نواب کے ملازم گرفتار بھی کرتے تو انکو چھڑانے کے لئے کمپنی کے سپاہی بھیجے جاتے تھے۔ اس طرح ملک کی تجارت بالکل مفلوج ہوتی چلی جارہی تھی بلکہ رعایا کے امن و آسائش میں فرق آتا جارہا تھا کیونکہ دونوں حکمران جماعتوں میں خطرناک تصادم کی نوبت آتی جاتی تھی۔ یہ دراز دستیاں کلائیو کے زمانے میں شاذ تھیں مگر اسکی روانگی کے بعد عام اور مخدوش ہوگئیں۔ ان ابتریوں کا انتظام کرنے کے لئے مسٹر ونسی ٹارٹ خود مونگیر گیا اور وہاں اُس نے نواب کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ کمپنی کے ملازمین کے ذاتی اسباب تجارت پر نو روپیہ سیکڑہ محصول لگایا جائے دراں حالیکہ خود نواب کی رعایا پر بعض اوقات پچیس روپیہ سیکڑہ محصول لگ جاتا تھا۔ اس معاہدے کے بعد جب گورنر کلکتہ واپس آیا تو اُس نے تمام کونسل کو اپنے خلاف متفق پایا اور اُن سب نے گورنر کو ایسا معاہدہ کرنیکا بالاتفاق غیر مجاز قرار دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ ڈہائی روپے سیکڑہ سے زائد محصول کسی حالت میں نہیں دیا جائیگا اور وہ بھی صرف نمک پر۔ اسپر سنہ ۱۷۶۳ء میں نواب نے یہ ارادہ کیا کہ تمام ملکی و غیر ملکی سوداگروں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے اور پورے صوبے میں گزرنیوالے مال کا محصول معاف کردیا۔ کونسل نے اس کارروائی کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا اور اس شخص سے جسکو انھوں نے گدی نشین کیا تھا یہ مطالبہ کیا کہ وہ ایسے تاجروں پر وہی شرح محصول قائم رکھے جو تھی اور صرف انگریزی جھنڈے کو مستثنیٰ کردے۔ اس نامعقول تجویز کی صرف دو ایماندار آدمیوں نے مخالفت کی اور وہ مسٹر ونسی ٹارٹ اور مسٹر ہسٹنگز تھے۔

سوء اتفاق سے اس وقت کمپنی کا کارخانہ پٹنہ مسٹر ایلس کے اہتمام میں تھا جو میر قاسم کا نہایت قدیمی دشمن تھا اور جو ملکی حکام میں نہایت ناعاقبت اندیش تھا۔ وہ پہلے سے یہ سوچ رہا تھا کہ کسی طرح میر قاسم کی حکومت کا خاتمہ ہو اور اس پر امن زمانے میں اُس نے اپنے گنتی کے یوروپین سپاہیوں سے شہر پٹنہ پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد جب نواب کے میر سالار نے یہ سنا کہ یوروپین سپاہی نشہ سے بدمست ہو رہے ہیں تو وہ پھر شہر کو واپس آیا اور اُسپر قبضہ کر لیا اور مسٹر ایلس اور اُس کے افسر جو دریا تک بھاگ کر جا چکے تھے گرفتار کر لیئے گئے۔ جب میر قاسم کو مسٹر ایلس کی نامعقول دخل در معقولات کا علم ہوا تو اُس نے فوراً یہ حکم جاری کر دیا کہ صوبے میں جتنے انگریز ہیں وہ سب گرفتار کر لیئے جائیں۔ اسپر فریقین میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ نواب نے اپنی فوج میں اور اضافہ کر لیا اور شکست خوردہ شاہ عالم اور نواب وزیر اودھ کو بھی اپنی شرکت کے لیئے بلا لیا جو برابر ادھر ادھر منڈلاتے پھر رہے تھے۔ انگریزی سپاہ نے جسمیں ۶۵۰ یوروپین۔ ۱۲۰۰ دیسی پیدل اور دیسی سوار دلکا ایک رسالہ تھا ۲۔ جولائی ۱۷۶۳ء کو لڑائی شروع کر دی اور اسکا بھی خیال نہیں کیا کہ بارش کا زمانہ ابھی شروع ہی ہوا ہے جو فوجی کارروائیوں کے لیئے نہایت غیر موزوں ہوتا ہے۔

(صفحہ ۱۵۸)

نواب کی سپاہ کے ہراول کو مقام کٹوا پر شکست فاش دیدی گئی۔ مقام گیریہ پر جو فوج انگریزی سپاہ کی پیشقدمی روکنے کے لیئے ٹھیری ہوئی تھی اس سے اور انگریزی فوج سے چار گھنٹے تک نہایت سخت رن پڑا۔ شاید کبھی کسی دیسی فوج نے ایسی ہمت و پامردی سے انگریزی فوجوں کا مقابلہ نہیں کیا ہوگا جیساکہ نواب کی اس نئی بھرتی کی ہوئی فوج نے کیا تھا۔ لیکن اُنکی وہ ہمت و پامردی انگریزی فوجوں کے جوش و خروش کے مقابلے میں پیش نہ جا سکی اور نواب کی فوج اپنی توپیں اور اپنا بڑا اڈ چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اندائے نومبر ۱۷۶۳ء میں انگریزی سپہ سالار نے اودوانالے کے قلعہ بند حصار کو فتح کر لیا اور نواب پٹنے کی طرف بھاگ گیا اور جاتے وقت اپنے تمام انگریزی قیدیوں کو

باب دوم
فصل اول

مار ڈالنے کا حکم دیدیا۔ اسکے دیسی افسروں نے نفرت کے ساتھ بے ہتھیار
بہادروں کے خون میں ہاتھ رنگنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ ہم سپاہی ہیں جلاد
نہیں ہیں۔ لیکن ایک شخص مسمی ریمنیڈ جسکا نام بعد کو نفرت سے سمرو رکھا
گیا تھا اور جو کسی زمانے میں فرانسیسی فوج میں سپاہی تھا اس زمانے میں
نواب کی ملازمت میں تھا۔ اس سیاہ رو نے اپنی خدمات پیش کیں اور
سیدھا اس مکان پر گیا جہاں اسیران بلا محبوس تھے اور کھڑکیوں کی
جھلملیوں میں سے فیر پر فیر کرنے شروع کیئے یہاں تک کہ اڑتالیس غیر فوجی
انگریز اور ایکسو انگریزی سپاہی فرش پر کھیت ہوکر رہگئے۔ یہ فوج کشی
چار مہینے میں پٹنے کی تسخیر اور میر قاسم کے فرار سے تکمیل کو پہنچگئی۔ میر قاسم
بھاگ کر اودھ میں پناہ گزین ہوا اگر نواب وزیر اودہ نے اپنے مصیبت زدہ
پناہ گزین کا تمام زر و جواہر لوٹ کھسوٹ لینے میں کچھ باک نہیں کیا۔

میر قاسم کے ساتھ لڑائی کا سلسلہ ختم ہوجانے پر کونسل نے پھر میر جعفر کو گدی
نشین کرنا چاہا۔ میر جعفر اس وقت بہتر سال کی عمر پاچکا تھا اور جذام میں مبتلا
ہونیکی وجہ سے چل پھر بھی نہیں سکتا تھا۔ کونسل نے اس سے یہ مطالبہ کیا
کہ ان تینوں ضلعوں کی حوالگی کی تصدیق کرے جو میر قاسم نے کمپنی کو دیدیئے
تھے اور کمپنی کے ملازمین کے مال کو اُس راہداری کے محصول سے مستثنیٰ کرے
جسکی وجہ سے یہ جنگ وقوع میں آئی تھی اور ملکی و فوجی حکام کو مختلف نذرانے
اور تحائف پیش کرے۔ لیکن چند ماہ کے عرصے میں جونکہ حکومت کو میدان میں
ایک بڑی سپاہ رکھنی پڑتی تھی اسلیئے وہ دیوالے کے قریب آگئی کیونکہ ادنیٰ
سے لیکر اعلیٰ تک تمام اہلکار اور حکام خیانت و تغلب آزادی سے کرنے
لگے تھے۔ پھر میر جعفر کلکتے آیا تاکہ خزانے کو بھرنے کے وسائل کے متعلق کونسل سے
مشورہ کرے۔ کونسل کے ممبروں نے اس سے پانچ لاکھ روپیہ ماہانہ کا مطالبہ
اُتنے عرصے تک کے لیئے کیا جب تک کہ جنگ قائم رہ چکی تھی۔ اور ساتھ ہی
یہ بھی اصرار کیا کہ وہ یکمشت رقم دس لاکھ کی اس وقت دے اور پھر پچاس
لاکھ پورے کردے۔ یہ رقم ممبروں نے خاص اپنے لیئے طلب کی تھی اور

(صفحہ ۱۵۶)

دیدہ دلیری سے اسکا نام ہر جانہ رکھا تھا۔ ان تکلیف دہ مصیبتوں نے اور بیماری اور ضعیفی نے آخر بوڑھے نواب کو بالکل بٹھا ہی دیا اور مرشد آباد واپس آتے ہی جنوری ۱۷۶۵ء میں اُس نے اس دار فانی کی مصیبتوں سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

گزشتہ آٹھ سال سے کمپنی کے بڑے بڑے ملکی و فوجی حکام کا نہایت سود مند مشغلہ نواب گری تھا اور یہ چوتھا موقعہ جو خوش قسمتی سے پھر آگیا تھا کب ہاتھ سے جانے دیا جاتا تھا۔ مجلس انتظامیہ نے اپنے ملازمین کی بد دیانتیوں سے تنگ آکر اُنسے اس بات کے مچلکے لکھوا لیے کے احکام صادر فرما دیئے تھے کہ آئندہ کو کسی ادنیٰ یا اعلیٰ باشندۂ ہند سے کسی قسم کا تحفہ یا نذرانہ نہیں وصول کرینگے۔ لیکن ان احکام کو زیادہ وقعت نہیں دی گئی۔ ابھی وہ مچلکے کونسل کی میز پر رکھے ہی تھے کہ میر جعفر کے بیٹے کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ بیس لاکھ روپیہ ممبران کونسل کے بھینٹ بڑھائے تب اُسے گدی نشینی کی اجازت ملیگی۔ ان ممبران کونسل کے طرز عمل میں کلائیو کی روانگی کے بعد سے پانچ سال تک وہ دراز دستی اور مطلق العنانی نظر آتی ہے جسکی نظیر کسی ملک کی کسی وقت کی تاریخ میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ بڑی بڑی خطیر رقموں کا مطالبہ اُنکی طرف سے نہایت ناملائم ذرائع کے ساتھ کیا جاتا تھا اور اسکی تعمیل کے لئے بہت ہی تھوڑا وقفہ دیا جاتا تھا۔ عام اخلاق کے تمام اصولوں کو ٹھکرا دیا جاتا تھا اور عیش پرستی۔ شراب خواری اور بدکرداری ہر ادنیٰ اعلیٰ افسر میں اس درجہ موجود تھی کہ بہت جلد حکومت کے ہی سرنگوں ہو جانیکا خدشہ لگا ہوا تھا۔

۱۷۶۴ء میر قاسم سے جنگ ہونیکے چھ ماہ بعد نواب وزیر اودھ نے پھر اس زمانے کی بد نظمی و ابتری سے فائدہ اُٹھا کر صوبۂ بہار پر قبضہ کرنا چاہا اور مفرور شہنشاہ اور معزول نواب بنگال کی معیت میں ایک زبردست مگر بے قاعدہ فوج لیکر پٹنہ کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ مگر اسکا حملہ کامیاب نہو سکا اور وہ اپنی فوجوں کو بکسر پر ہٹالے گیا۔ اسی اثناء میں انگریزی فوج کے سپہ سالار میجر منرو نے یہ دیکھا کہ دیسی سپاہیوں میں بغاوت کے تمام آثار نمایاں ہیں اور وہ تنخواہوں

باب دوم
فصل اول
(صفحہ ۱۶۰)

اضافہ اور انعامات طلب کر رہے ہیں۔ میجر موصوف نے اس وقت امن استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا اور یہ عزم بالجزم کر لیا کہ اس بغاوت کی روح کو فنا کر کے چھوڑا جائے۔ چنانچہ جو بیس سرغناؤں کو دیسی افسروں کی فوجی عدالت کے سامنے ماخوذ کر کے پیش کیا گیا۔ عدالت موصوفہ نے انکے لیے سزائے موت تجویز کی اور انھیں سے بیس کو توپ سے اڑا دیا گیا اور اسی دم فوج میں امن قائم ہو گیا۔ یہ اس سلسلۂ بغاوت میں سے پہلی بغاوت تھی جو وقتاً فوقتاً دیسی فوج میں پھوٹتی رہیں جسکا مواد ایک صدی سے کچھ کم عرصے کے اندر پک پکا کر کالوں کے غدر کی صورت میں پھوٹ پڑا جسمیں تمام بنگال کی فوج تتر بتر ہو کر رہ گئی۔ موسم باراں ختم ہوتے ہی میجر منرو نے بلا تامل اپنی اسی فوج کو بکسر کی طرف بڑھایا جسکی طرف سے ابھی بغاوت کا خدشہ لگا ہوا تھا۔ نواب وزیر اودھ اپنی پچاس ہزار فوج کے ساتھ کئی ماہ سے یہاں پڑا ہوا تھا اور ایک ہی لڑائی میں ۲۳- اکتوبر ۱۷۶۴ء کو اسکی تمام فوج شکست کھا کر اپنا خیمہ و خرگاہ اور ایک سو تیس توپیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ بکسر کی فتح اپنی ہمشیرہ پلاسی کی فتح کا تتمہ بن گئی۔ یعنی اسنے اس آزاد سلطنت کی قوت کو بالکل توڑ دیا جو شمالی ہند میں حکمران تھی اور اسنے کمپنی کو وادی گنگا کا خود مختار حاکم کوہ ہمالیہ سے سمندر تک بنا دیا۔ نواب وزیر اودھ نے بھاگ کر بریلی میں پناہ لی اور اپنی ضبط شدہ مملکت کو واگزاشت کرنیکے لیے اس نے کمپنی کو پچاس لاکھ روپیہ تاوان دینے اور سپہ سالار کو ایک بہت بڑا نذرانہ پیش کرنیکی استدعا کی مگر اس گفت و شنید کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس فتح کے بعد ہی شہنشاہ دہلی آکر انگریزی لشکر میں شریک ہو گیا اور اسنے اپنے انکے دوست نواب وزیر اودھ کی مملکت میں حصہ پانیکی تحریک شروع کی اور کونسل اس تقسیم پہ ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ پھر کلائیو بنگال میں آگیا۔

۱۷۶۰ء میں جب کلائیو انگلستان پہنچا تو بادشاہ اور اسکے زبردست وزیر پٹ نے اسکو بڑی عزت کے ساتھ شرف ملاقات بخشا۔ پٹ نے اسکو مادر زاد سپہ سالار کہکر پکارا اور آئرلینڈ میں ایک جاگیر اور لارڈ کا خطاب اسکو عطا کیا گیا۔ لیکن چونکہ مجلس انتظامیہ میں اب تک اسکے دشمنوں کا زور تھا اسلیے مجلس موصوفہ نے

اسکے ساتھ صرف حقارت کا ہی برتاؤ نہیں کیا بلکہ بے انصافی بھی کی۔ اور اسکو
مجبوراً عدالت دیوانی میں اس سالانہ وظیفے کی وصولی کے لیئے چارہ جوئی
کرنی پڑی جو میر جعفر نے اُسکی ذات کے لیئے مقرر کیا تھا اور جو مجلس انتظامیہ نے
ناسپاسی کرکے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ میر قاسم کے ساتھ لڑائی ہونا۔ انگریزوں کا
قتل عام ہونا اور تمام نظام حکومت کا ابتر ہو جانا ایسی مصیبتیں تھیں جنسے کمپنی کے
وہ تمام زریں منصوبے خاک میں ملے چلے جا رہے تھے جو وہ عرصے سے
باندھ رہی تھی۔ مالکان کمپنی کو اپنا سرمایہ جوکھم میں پڑتا نظر آنے لگا چنانچہ
ان سب نے مجلس انتظامیہ کو اس امر پر مجبور کیا کہ پھر کلائیو کو انصرام معاملات
کے لیئے بھیجا جائے اور مجلس موصوفہ نے بادل ناخواستہ اس مطالبے کی
تعمیل کی۔ کلائیو ۳ مئی ۱۷۶۵ء کو کلکتے میں اُترا اور اُسنے دیکھا کہ کمپنی کا (صفحہ ۱۶۱)
تمام عملہ بدکرداریوں میں معروف تھا اور مجبوراً اسکو یہ رپورٹ کرنی پڑی کہ تمام
عملے میں ادنی سے لیکر اعلی تک پانچ سو آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جنکی راضابطگی پر
اطمینان کیا جاسکے۔ اُسنے پہلا کام یہ کیا کہ اُن مچلکوں پر تکمیلی دستخط کرائے
جو انڈیا ہاؤس نے وصولی نذرانے کی ممانعت کے متعلق نافذ کیئے تھے۔ بددیانت
عہدہ داروں نے یہ کہکر اعتراض کیا کہ گورنر کو کیا حق حاصل ہے کہ اس قسم کا
مطالبہ کرے مگر اس نے اُن سبکا منھ اس دندان شکن جواب سے بند کر دیا
کہ جو شخص اپنے مچلکے پر دستخط نہیں کریگا اسکو فوراً برخاست کرکے انگلستان
واپس بھیجدیا جائیگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معترضین کو سوائے تسلیم کے چارہ کار ہی نہیں رہا
اس طرح سات ہفتے میں نظام حکومت میں اپنا اقتدار قائم کرکے کلائیو شمالی
صوبے کی طرف مسائل حکمرانی کا تصفیہ کرنیکو روانہ ہو گیا جو اسکی مداخلت کے
انتظار میں تھے۔ میر قاسم کی طرح کسی دوسری سرکشی کا سدباب کرنیکے لیئے
اُسنے یہ مناسب سمجھا کہ نواب مرشد آباد کے ہاتھ سے فوجی انصرام بالکل نکال لیا
جائے چنانچہ ملکی آمدنی میں سے ترپن لاکھ روپیہ سالانہ اس کام کے لیئے نواب کو
دیا جانا منظور کیا گیا کہ وہ اس رقم سے اپنے دربار کا اور دیوانی فوجداری
معاملات کا انتظام کرے۔ اس پر نوجوان نواب فرحت سے پکار اٹھا۔

باب دوم
فصل اول

الحمد للہ علی احسانہ اب میں جتنے دل چاہیگا ارباب نشاط اپنی خدمت کے لیئے رکھونگا۔
نواب وزیر اودھ نے کمپنی کے ساتھ زبردستی کی جنگ مول لیکر اپنی مملکت کو ضبط کرا دیا تھا لیکن کلائیو اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ کمپنی کے مقبوضات کو مزید وسعت دی جلئے اسلیئے اُسنے یہ ارادہ کیا کہ سوائے دو اضلاع کڑا اور الہ آباد کے اور تمام مملکت نواب وزیر اودھ کو واپس کر دی جائے۔ یہ دو ضلعے اُسنے شہنشاہ دہلی کے وظیفے کے لیئے رکھ لینے ضروری سمجھے جسنے اب اپنے تیئں بالکل کمپنی کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔ کلائیو نے اس خانماں ویران بادشاہ کے ساتھ بڑی مہربانی کا برتاؤ کیا اور علاوہ اُن دو اضلاع کی آمدنی کے چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ بھی اسکے لیئے ہندوستان کی آمدنی میں سے مقرر کر دیا۔
اب جبکہ مدتوں سے اودہ کا الحاق انگریزی حکومت کے ساتھ ہو چکا ہے اگر ہم قبل از الحاق کے سو سال کے زمانے کو دیکھیں تو ہمکو یہ کہنا پڑتا ہے کہ اگر کلائیو اسی وقت اودھ کا الحاق بھی بنگال اور بہار کی طرح کر لیتا تو وہ صرف کمپنی کی حکومت کا ہی فائدہ نکرتا بلکہ اودھ کی رعایا پر بھی برکت نازل ہونیکے سامان مہیا کر دیتا۔

شہنشاہ دہلی نے کئی مرتبہ کمپنی کو منصب دیوانی پر سرفراز کرنیکا ارادہ ظاہر فرمایا تھا جسکے معنے یہ تھے کہ تینوں صوبوں کی مالیات کا انتظام کمپنی کے سپرد کر دیا جائے اور کلائیو کو اس وقت موقع اچھا نظر آیا کہ اس منصب کی ضابطے سے سرفرازی حاصل کرلے۔ ان تینوں صوبوں میں اڑیسہ بھی تھا دراں حالیکہ یہ تمام صوبہ سوائے شمالی ضلع کے مرہٹوں کے قبضے میں تھا۔ اس منصب دیوانی کی تکمیل ۱۲۔ اگسٹ ۱۷۶۵ء کو ہوئی اور برطانوی ہند کی سیاسی اور آئینی تاریخ میں یہ دن ہمیشہ قابل یادگار رہیگا۔ تخت کے عوض کلائیو کے خیمے میں دو کھانیکی میزیں برابر کر کے رکھدی گئیں اور اُنکے اوپر ایک کرسی رکھدی گئی جسپر زردوزی کی پوشش پڑی ہوئی تھی۔ شہنشاہ نے اس کرسی پر نشست فرمائی اور ایک ایسی مملکت جسمیں ڈھائی کرور نفوس کی آبادی تھی اور تین کرور سالانہ کی آمدنی تھی کلائیو کو بہ حیثیت قائم مقام ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دی۔ اس زمانے کا

(صفحہ ۱۶۲)

مسلمان مورخ جو اس عظیم الشان کارروائی کے اس سادگی سے سرانجام پانے پر اظہار حقارت کرنا چاہتا ہے اس واقعے کا تذکرہ ان طنزیہ الفاظ میں کرتا ہے۔

> ایک مہتم بالشان کارروائی جسکے انصرام کے لئے مدبر وزرا اور قابل سفرا کے مامور کرنیکی ضرورت پڑتی اتنے تھوڑے سے وقفے میں سرانجام پاگئی جو ایک گدھے کی خرید و فروخت کے لئے بھی مشکل سے کافی ہو سکتا تھا۔

مگر اس عجلت و سادگی سے زیادہ عجیب خیز وہ بلند پروازی ہے جو کلائیو کے خیالات کو اس وقت حاصل ہوگئی تھی۔ سنہ ۱۷۶۴ء میں جب ہندوستان کو روانہ ہونیکے لئے وہ مجلس انتظامیہ سے رخصت ہونے لگا ہے تو اُسنے اُنسے یہ استدعا کی تھی کہ انتہائے ضرورت اگر مجبور کردے تو فبہا ورنہ مجلس موصوفہ کو ہرگز اس منصوبے کی تائید نہیں کرنی چاہئے کہ کمپنی کے مقبوضات کو ان تینوں ضلعوں سے آگے بڑھایا جائے جو میر قاسم نے کمپنی کے نذر کئے ہیں۔ لیکن اس نصیحت کو سولہ ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ وہی کلائیو اُسی مجلس انتظامیہ کو یہ مبارکباد دے رہا تھا کہ کمپنی بہادر اب تین مملکتوں کی شہنشاہ ہوگئی ہے۔ لیکن ان متکبرانہ منصوبوں اور اعلانوں کے باوجود بھی وہی کلائیو پھر کمپنی کے مقبوضات کو محدود رکھنے کی تجاویز پر زور دیتا ہے اور منصب دیوانی حاصل کرلینے کے بعد بھی اُسی مُنہ سے یہ کہتا ہے کہ ان صوبوں کی شمال مغربی سرحد یعنی کرمناسہ سے آگے کمپنی کے مقبوضات کو وسعت دینے کا منصوبہ اس قدر حد سے بڑھا ہوا اور دور از کار ہوگا کہ کوئی ذی فہم حکومت اُسکا خیال بھی دل میں لانا پسند نہیں کریگی۔ لیکن اس اعلان صالح کو چوراسی سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ انگریزی خط سرحد دریائے اٹک سے پار نکلکر درۂ خیبر تک بڑھتا چلا گیا تھا۔

یورپین افسروں کی بغاوت سنہ ۱۷۶۵ء

منصب دیوانی کا معاملہ ابھی طے ہوا ہی تھا کہ وہ نئی سلطنت بیخ و بن سے ہلنے لگی جسکے متعلق کلائیو نے مجلس انتظامیہ کو یقین دلایا تھا کہ مدتوں تک اس سلطنت سے ہمکو تمام ہندوستان کے رئیسوں کی مجموعی قوت بھی محروم نہیں کرسکتی۔

باب دوم
فصل اول

اور یورپین افسروں کی شورش نے اس سلطنت کو لرزہ بر اندام کردیا۔ یورپین افسروں کو ہمیشہ سے میدان جنگ میں رہنے کی حالت میں علاوہ تنخواہ کے بھتہ ملا کرتا تھا اور اسکی مقدار میر جعفر نے اپنی گدی نشینی کے وقت سے دوگنی کردی تھی۔ اسکے بعد جب وہ چھاؤنیوں میں پہنچ گئے تو بھی یہ بھتہ بند نہیں کیا گیا اور وہ لوگ اسکو اپنا ایک مستقل حق سمجھنے لگے تھے۔ جب ہندوستان کی مالیات کا انتظام مجلس انتظامیہ نے اپنے ہاتھ میں لیا تو انھوں نے دیکھا کہ ملک کی تمام آمدنی فوجی اخراجات ہضم کیئے جا رہے ہیں چنانچہ انھوں نے اس غیر معمولی بھتے کی یکقلم موقوفی کے احکام صادر فرما دیئے تھے مگر کونسل کے پست ہمت ممبروں نے فوجی افسروں کے تحکمانہ انداز سے خائف ہوکر اس حکم کی تعمیل ملتوی کررکھی تھی۔ جس وقت کلائیو انگلستان سے روانہ ہونے لگا ہے تو تخفیف پر عمل درآمد کرنیکا فرض اُسپر ڈالا گیا اور اُس نے یکم جنوری سنہ ۱۷۶۶ء کو یہ روبکار جاری کیا کہ المضاعف بھتہ موقوف کیا جاتا ہے۔ فوجی افسروں نے اس حکم کی مخالفت کرنیکے لیئے ایک باہمی سازش کی اور آپس میں یہ طے کرلیا کہ دوسو یورپین افسر ایک ہی وقت میں اپنے استعفے داخل کردیں اور چونکہ مرہٹوں کی پچاس ہزار کی ایک فوج اُسی زمانے میں بہار پر بڑھتی چلی آرہی تھی اسلیئے ان افسروں کو یقین تھا کہ گورنمنٹ مجبور ہوکر اُنھیں منہ مانگی شرائط پر پھر بلا کر رکھ لیگی۔

(صفحہ ۱۲۳)

لیکن انکا ایک ایسے شخص سے کام پڑا تھا جسکا استقلال دیوار آہنی کی طرح سخت تھا اور اس نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کردیا کہ میں اس کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ بجائے اسکے کہ ان مطالبات کے آگے جھک جاؤں فوجی سنگینوں کو اپنی گردن میں بھونک دی جانے دوں۔ اس نے مختلف لشکروں کو یہ احکام بھیجے کہ ہر افسر کا استعفا منظور کرلیا جائے اور اُسے گرفتار کر کے کلکتے بھیجدیا جائے۔ اُسنے مدراس سے دوسرے فوجی دستوں اور افسروں کو طلب کرلیا اور تمام نوآبادی میں جتنے یورپین افسر بہم پہنچ سکے انکو فوج میں ملازم رکھ لیا اور جو لوگ باغیوں کے شریک نہیں ہوئے تھے

انکو بھی سب کے ساتھ کیا اور سب کو ساتھ لیکر فوجی ستقروں پر جا دھمکا اور سرغناؤں کو گرفتار کرکے اُن پر فوجی عدالت میں مقدمے چلائے جانیکے احکام صادر فرمادئیے اس طرح وہ ہفتے بھر کے اندر اسکے غیر متزلزل استقلال سے تمام بغاوت کی ہستی کو مٹا کر رکھدیا۔ مگر اُسکو اچھی طرح علم تھا کہ گورنمنٹ کے تمام افسروں کی شکایات نہایت بجا تھیں اور مجلس انتظامیہ کا یہ اصول کہ نہایت نامعقول تھا کہ اُسنے انکے بھتوں کو اس درجے کم کردیا تھا کہ وہ کسی طرح انہیں گزارہ بھی نہیں کرسکتے تھے ساتھ اُسکے انکو یہ بھی ممانعت کردی تھی کہ وہ کسی طرح کی تجارت بھی نہ کریں درانحالیکہ انکے گرد و پیش اتنے کثرت سے وسائل تمول پھیلے ہوئے تھے کہ اُنھیں خواہی نخواہی ہاتھ بڑھانیکی ترغیب ہوتی تھی۔ چنانچہ اسنے ایک سوسائٹی اس غرض سے قائم کی کہ وہ اجارہ داری کے اصول پر نمک کی درآمد برآمد کرے اور اُسکے منافع میں سے بہت معقول جزو مالکان کمپنی کے نام سے محفوظ کرکے جو کچھ باقی رہتا تھا وہ کمپنی کے ملکی۔ فوجی۔ طبی۔ اور مذہبی ملازمین میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ لیکن اسکو بھی مجلس انتظامیہ نے بہت جلد مسترد کردیا اور اسکی جگہ صوبے کے موازنہ آمدنی پر ڈھائی روپیہ سیکڑہ کی دستوری ان ملازمین کے لیئے مقرر فرمادی تھی۔

کلائیو کی واپسی ۱۷۶۷ء

ہندوستان میں بائیس مہینے قیام کرنیکے بعد ایک مرض کے شدید دورے کی وجہ سے کلائیو کو وطن واپس جانا پڑا

بنی نوع انسان کے معاملات کی رفتار پر ایسا مستقل اور ایسا مہتم بالشان اثر و اقتدار حاصل کرنا دنیا میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اُسنے صرف یہی نہیں کیا کہ کمپنی کو ایک ایسی مملکت کا مالک بنادیا جو وسعت میں انگلستان سے زائد تھی اور آمدنی میں ایک حقیقی سلطنت تھی بلکہ اُسنے ممالک مشرقی میں ایک ایسی سلطنت کی بنیاد قائم کردی جسکی تعمیر میں راز توسیع مضمر تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اُسی کے دم قدم سے ایشیا میں یورپ کا اقتدار ایسا قائم ہوگیا کہ وہ برابر مستحکم تر ہوتا جارہا ہے اور اُسکا متزلزل ہونا بعید از قیاس ہوتا جاتا ہے۔ انگلستان میں اول اول تو اُسکے نمایاں شان

(صفحہ ۱۶۴)

باب دوم
فصل اول

آؤ بھگت کیگئی لیکن اسکی قسمت کا پانسہ بہت جلد پلٹ گیا۔ اسکی عظمت وشان نے اسکے بہت سے حاسد اور بدگو پیدا کر دیئے تھے۔ اُسنے اپنی دیانت داری اور مستقل مزاجی کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے دشمن پیدا کر لئے تھے اور اُن سب نے کمپنی کے حصے صرف اس غرض سے خریدنے شروع کیئے کہ کسی طرح کمپنی کے کاروبار میں دخیل ہوکر کلائیو سے انتقام لے سکیں مجلس انتظامیہ کا ایک رکن مسمی سلیوان جس کا انڈیا ہاؤس پر بھی بہت اثر تھا نہایت بدنیتی کے ساتھ کلائیو کے پیچھے پڑ گیا اور مجلس انتظامیہ نے بھی اپنی قدیم مخالفت کی بنا پر اپنی کمظرفی کا اسکے خلاف اسطرح اظہار کرنا شروع کیا کہ جن لوگوں کو اس نے خیانت یا بغاوت کے الزاموں میں ماخوذ و معزول کیا تھا اُنکو اُنکے عہدوں پر بحال کر دیا۔ شاہی وزرا بھی اس طوفان بے تمیزی میں شریک ہو گئے سنہ ۱۷۷۳ء میں پیرو کار سرکار نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ تمام عطیات ضبط کر لیئے جائیں جو اسکی ذات کے واسطے ہندوستانی رؤسا نے عنایت کیئے تھے۔ ایوان عام میں اسکے مخالفوں کی طرف سے اسکے چال چلن کو ناقابل دید و شنید بدکرداریوں اور بددیانتیوں کا مجموعہ قرار دیکر جلے دل کے پھپھولے پھوڑے گئے لیکن ایوان عام نے اس تجویز سے اظہار منافرت کیا جو اسکی پیشانی پر ہمیشہ کے لئے بدنامی کا سیاہ داغ لگانیکے لئے سوچی گئی تھی اور اسکی جگہہ یہ تجویز منظور فرمائی گئی کہ اُسنے اپنے مُلک کی قابل تعریف و قابل عظمت خدمات انجام دی ہیں۔ مگر اسکی غیور طبیعت ان بدسلوکیوں کو برداشت نکر سکی جو اسکے ساتھ روا رکھی گئی تھیں اور اس طرح جسمانی و قلبی علالتوں سے گھٹ گھٹ کر اُسنے سنہ ۱۷۷۴ء میں داعی اجل کو آخر کار لبیک کہا۔

پانچ سال کی طوائف الملوکی سنہ ۱۷۶۷ - ۱۷۷۲ء

اسکے بعد کے پانچ سال تک کی حکومت کا زمانہ انگریزی قوم کے دامن اخلاق پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ کلائیو کا زبردست ہاتھ بیچ میں سے نکلا تھا کہ کمپنی کے ملازموں کی حرص و آز نے تمام نظام حکومت کو دفعتہً مفلوج کر کے رکھدیا۔ جن مچلکوں پہ انھوں نے دستخط کیئے تھے اُنکو ردی کاغذ کے پرزوں سے زیادہ وقیع نہیں سمجھا اور نہایت بیباکی سے تمام ملازمین اندرون ملک میں بنج کے کاروبار

تجارت میں مصروف ہوگئے اور انکے جاہ و منصب سے جسقدر انکو اس کام میں امداد مل سکتی تھی اس سے ہرگز دریغ نہیں کیا۔ کونسل میں نہ اتنی طاقت تھی کہ ان بدکرداریوں کو روکتی نہ خود کونسل میں کسی ایماندار کا دل چاہتا تھا کہ یہ کارروائیاں رک جائیں۔ رسد رسانوں۔ ٹھیکہ داروں اور میر عمارتوں کے مطالبوں نے تمام خزانے کو نچوڑ لیا اور جس شخص کو کبھی ریاست سے کسی قسم کا مطالبہ کرنے یا حساب پیش کرنیکا موقع مل جاتا تھا وہ گھر بیٹھے امیر ہو جاتا تھا۔ ان تمام برائیوں پر ایک اور آفت یہ آگئی کہ ۱۷۷۰ء میں سخت قحط رونما ہوگیا جسنے جنوبی بنگال کی ایک ثلث آبادی کا صفحۂ ہستی سے نشان اٹھا دیا

فصل دوم

مدراس اور بمبئی میں واقعات کی رفتار ۱۷۶۱ء-۱۷۷۲ء

وادی گنگا میں رفتار واقعات پر ایک نظر ڈال کر اب ہم اُن واقعات کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس دوران میں دکن میں پیش آتے رہے۔ انھی کے سلسلے میں ہمیں اُن سازشوں۔ غداریوں اور مخاصمتوں پر بھی تبصرہ کرنا ہوگا جنمیں مرہٹے نواب نظام الملک اور حیدر علی برابر مصروف رہتے تھے۔ ۱۷۶۱ء میں فرانسیسی اقتدار کے زوال نے انگریزوں کے آدمی محمد علی کو نواب کرناٹک بنادیا۔ اپنے زمانے کے دیسی رئیسوں میں محمد علی اپنی اخلاقی کمزوری اور اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے ممتاز تھا۔ اسکی فوج ایک بے ترتیب ہجوم سے زیادہ وقیع نہیں تھی اور کمپنی کی حکومت پر پچاس ہزار مربع میل کی اس مملکت کی حفاظت کا بار تھا جسکے خزانے پر کمپنی کا قبضہ نہیں تھا۔ یہ ملک بیس سال تک بغیر کسی معقول نظام حکومت کے رہ چکا تھا اور متواتر یورشوں کی وجہ سے بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ قسمت سے اب اسکو حکومت نصیب ہوئی تو ایسے مسرف اور آوارہ مزاج دربار کی جیسے بار بار گراں بار سودوں کی شرح [illegible]

فصل دوم

مدراس سے ایسے قرضے وصول کرنیکی ضرورت رہتی تھی جو قرضدار کے اقتدار کو
اور قرضخواہ کے اخلاق کو تباہ کئے چلے جاتے تھے۔ گورنر مدراس کو اسکی ضرورت پڑی
کہ نواب محمد علی سے اس پچاس لاکھ کی رقم کا مطالبہ کرے جو نواب کو گدی نشین
کرنیکے لئے کمپنی کو صرف کرنی پڑی تھی مگر نواب کا خزانہ بالکل خالی تھا
اسلئے اُسنے یہ تجویز کی کہ چند دوسرے رئیسوں سے اس مطالبے کی ادائی کے
قابل چندہ جمع کیا جائے اور خاص کر راجہ تنجور سے اسمیں امداد لی جائے جس سے
پہلے بھی چوبیس لاکھ کی ایک رقم چار قسطوں میں بطور نذرانے کے زبردستی
وصول کی جاچکی تھی۔ سنہ ۱۷۶۳ء کے صلحنامہ پیرس کی روسے فرانسیسیوں کو وہ تمام
مقبوضات واپس ملگئے تھے جو ہندوستان میں انکے قبضے میں تھے اور اسکی
شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ انگریز اور فرانسیسی محمد علی کو نواب کرناٹک اور
صلابت جنگ کو صوبہ دار دکن تسلیم کریں۔ اس صلحنامے سے اٹھارہ مہینے پہلے
صلابت جنگ کو اسکے بھائی نواب نظام علی خاں نے معزول کرکے خود اُن کی جگہہ لیلی تھی ادھر تو
نواب نظام علی خاں کو یہ علم ہوا کہ صلابت جنگ کے حقوق کو یورپ کے متعاقدین نے تسلیم
کرلیا ہے اور اُدھر صلابت جنگ نے وفات پائی۔

اضلاع شمالی سرکار سنہ ۱۷۶۵ء

۱۲- اگست سنہ ۱۷۶۵ء کے قابل یادگار دن کو کلائیو نے
منصب دیوانی کے ساتھ ہی شہنشاہ دہلی سے ایک
فرمان اور بھی حاصل کیا تھا جسکی روسے نواب کرناٹک کو نواب نظام الملک کی ماتحتی سے
بالکل آزاد کردیا گیا تھا اور شمالی سرکار کے اضلاع کمپنی کو عطا فرمادئے گئے تھے
یہ ساحل کورمنڈل کے اضلاع اب تک جنرل بسی کے قبضے میں رہے تھے اور
وہ اپنی فوج کے مصارف اُنسے پورے کرتا تھا۔ بسی کے چلے جانیکے بعد ان
صوبوں کو کرنل فورڈ نے فرانسیسیوں سے چھین کر کمپنی کے قبضے میں لے لیا تھا۔
نواب نظام علی خاں کسی طرح ان اضلاع کو اپنی مملکت سے جدا ہونے پر راضی نہیں تھے
اسلئے جب اُن کو یہ علم ہوا کہ ان پر قبضہ کرنیکے لئے انگریزی فوج جارہی ہے تو
انھوں نے یہ دھمکی دی تھی کہ میں اپنی فوج بھیجکر انکو خاک سیاہ کرادونگا۔ اس زمانے
میں مدراس کا گورنر مسٹر پاک تھا۔ یہ شخص کمپنی کے ساتھ مذہبی پادریوں کی

حیثیت سے آیا تھا لیکن بعد کو اپنی مذہبی خدمات سے دست بردار ہو کر ملکی
خدمات میں شامل ہو گیا اور زر کثیر جمع کر لیا تھا اور انگلستان واپس آ کر
جاگیردار بنا دیا گیا تھا۔ احاطہ مدراس کی پست ہمت کونسل نے انگریزی کمانڈر کو
فوراً احکام بھیجدیے کہ تمام فوجی کارروائیاں فوراً ملتوی کر دے اور حیدر آباد
جاکر معاہدہ طے کر کے نیکی کارروائی کرے۔ چنانچہ ۱۲- نومبر ۱۷۶۶ء کو کمانڈر
نے یہ ذلیل معاہدہ طے کیا کہ کمپنی کے قبضے میں اضلاع شمالی سرکار بدستور
رہینگے کہ وہ کمپنی کو ہندوستان کے شہنشاہ کی طرف سے عطا فرمائے
گئے ہیں لیکن ان اضلاع کے قابضین کے اعتبار سے کمپنی صوبہ دار کو باجگذاری
کے طور پر سات لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کیا کریگی۔ یہی نہیں۔ مدراس گورنمنٹ
ایک قدم اور آگے بڑھ گئی اور اُسنے اپنے تئیں دکن کی سیاسیات کی
پیچیدگیوں میں بھی اُلجھا لیا یعنے یہ بھی شرط کر لی کہ نواب نظام الملک کی حکومت کے معاملات
کی درستی میں امداد دینے کے لئے کمپنی اپنی دو پیدل پلٹنیں اور نو ضرب توپیں بھی
مستعار دیگی دراں حالیکہ گورنمنٹ مدراس کو یہ علم تھا کہ یہ شرط نواب نظام الملک نے
خاص طور سے اسلئے لی تھی کہ وہ انگریزوں کو حیدر علی سے ٹکرانا چاہتے تھے۔

حیدر علی کا عروج و اقبال

حیدر علی اُن تین خوش قسمت آدمیوں میں سے تھا
جنھوں نے سولھویں اور سترھویں صدی میں گوشۂ گمنامی
سے نکلکر یہاں تک علوے مرتبت حاصل کیا کہ بڑی بڑی سلطنتوں کے
بانی بنگئے اسلئے اس عجیب و غریب حکمران کے عروج و ترقی کی تفصیل
ناظرین کی خاص توجہ کی مستحق ہے۔ ۱۵۶۴ء میں جب بیجانگر کی قدیم سلطنت کا
شیرازہ منتشر ہوا تو اسکے ایک صوبہ میسور پر ایک ہندو خاندان نے قبضہ
کر لیا اور رفتہ رفتہ اپنے علاقے کو بڑھانا شروع کیا۔ اگرچہ اس نئی ریاست پر
برابر مرہٹوں کی یورشیں ہوتی رہیں مگر حکمران خاندان نے اپنی آزادی کو
دو صدی تک بچائے رکھا یہاں تک کہ آخر حیدر علی نے انکو تخت سے
بیدخل کر دیا۔ حیدر علی کا خاندان پنجاب سے ترک وطن کر کے چلا آیا تھا
اور حیدر علی کا باپ کسی طرح ایک چھوٹی سی فوج کا جمعدار ہو گیا تھا۔

حیدر علی ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوا اور ۲۷ سال کی عمر تک اُسنے کوئی امتیاز نہیں
حاصل کیا تھا۔ ۱۷۴۹ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں حصول اقتدار
کے لئے کشمکش جاری تھی۔ اس وقت محاصرہ دیونا ہلی کے موقعے پر میسور کے
مدار المہام کی توجہ حیدر علی کی طرف منعطف ہوئی اور اسکو ایک اچھے
عہدے کا میر لشکر بنا دیا گیا۔ اس چھوٹی سی کتاب میں حیدر علی کی ترقی مدارج
کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اسلئے اتنا کہدینا کافی ہے کہ اُسنے غلط اندراجات
کے ذریعے سے اپنا رسوخ بڑھانا شروع کیا اور اپنی چالبازی اور ہوا پرستی کے
ذریعے سے ریاست میں زبردست فوجی رسوخ حاصل کر لیا۔ آخرکار فوج کو
پوری طور سے اپنے قابو میں لیکر اُسنے ریاست کے کمزور راجہ کو اس بات پر مجبور کیا
کہ وہ زمام حکومت سے دستبردار ہوکر گوشہ عزلت پسند کرے اور ایک سالانہ
وظیفے پر قناعت کرے مگر یہ وظیفہ بھی بعد کو کم کر دیا گیا۔ حیدر علی نہایت بہادر سپاہی
نہایت قابل اور تجربہ کار سپہ سالار اور نہایت مدبر حکمران تھا۔ سیواجی اور
رنجیت سنگھ کی طرح حیدر علی بھی نوشت خواند سے بے بہرہ تھا۔ یہ امر کافی
احتمال کی گنجائش رکھتا ہے کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک بھی آجکل کے
مقابلے کے امتحانوں میں کامیابی حاصل کر سکتا تھا یا نہیں مگر اسمیں ذرا شبہ و شک
کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ تینوں شخص سلطنتیں قائم کر سکتے تھے اور ان پر حکومتیں
کر سکتے تھے۔ حیدر علی ساٹھ سال کی عمر میں میسور کا حکمراں ہوا اور بیس سال تک
اپنے ہمسایوں کے زور کو توڑ کر اپنی قوت کو بڑھانے میں مصروف رہا۔ دو سال
کے عرصے میں اُسنے اپنا علاقہ دریائے کرشنا تک بڑھا لیا اور ۱۷۶۳ء میں علاقہ
بیدنور کو روند ڈالا جو سواحل غربی کے اُس مرتفع علاقے میں واقع ہے۔
جہاں سے کنارا کے قابل جہاز رانی صوبے پر زد پڑتی ہے۔ بیدنور کا دارالحکومت
دکن بھر میں متمول ترین شہر تھا بغیر خونریزی کے ہاتھ آگیا اور اسکے بعد
جو بیحد فراوانی حیدر علی کو نصیب ہوئی وہ اُسی شہر کی بے انتہا دولت سے
منسوب کی جاسکتی ہے۔ اس نے اس سے پہلے اپنے لئے حیدر نائک کا لقب
ترک کر کے حیدر علی خان بہادر کا شاہانہ خطاب اختیار کر لیا تھا اور اب اُسنے

(صفحہ ۱۶۷)

اپنے دربار کو زیادہ شان و شوکت کے ساتھ مزین کر کے شاہانہ آداب قائم کر دیئے تھے۔

حیدر علی نواب نظام الملک اور مرہٹوں میں لڑائی سنہ ۱۷۶۱ء

جب جنگ پانی پت کی دل شکن خبر بالاجی راؤ پیشوا کو پہنچی تو اسکا دل پھٹ گیا اور وہ اس صدمے سے جاں بر نہو سکا۔ اسکے بعد اُسکا بیٹا مادھوراؤ جانشین ہوا جو اس وقت صرف اٹھارہ سال کی عمر کا تھا۔ نواب نظام الملک نے مرہٹہ مقتدر کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر وہ تمام علاقہ مرہٹوں کے پنجے سے چھڑانا چاہا جو مرہٹوں کے عروج کے زمانے میں نواب نظام الملک کے مورثان اعلیٰ نے مرہٹوں کو حوالے کر دیئے تھے چنانچہ اُنھوں نے بھونسلا راجہ ناگپور کے ساتھ اتحاد کر کے سنہ ۱۷۶۳ء میں پونا پر حملہ کیا اور اسکو لوٹ لیا اور جلا ڈالا۔ پیشوا کے چچا رگھوبا اسکا جواب دینے کے لئے حیدر آباد کے علاقے پر دھاوے مارنے کے لئے روانہ ہو گیا اور متخاصمین کی فوجیں دریائے گوداوری کے کناروں پر مقابل ہو گئیں۔ لڑائی سے پہلے رگھوبا نے راجہ ناگپور کو بتیس لاکھ کا علاقہ دینے کا لالچ دیکر راضی کر لیا تھا اور عین لڑائی شروع ہوتے وقت بھونسلا نے نواب نظام الملک کا ساتھ چھوڑ کر رگھوبا کا ساتھ دیا جس سے نواب نظام الملک کو سخت شکست ہوئی اور اسکی فوج کا بڑا حصہ کام آگیا۔ لیکن ادھر تو مرہٹوں کو بھونسلا راجہ پر یہ طیش آرہا تھا کہ وہ اپنی برادری کے خلاف نواب نظام الملک کا شریک ہو گیا تھا اُدھر نواب نظام الملک اُسپر اسلئے برافروختہ تھے کہ اسنے عین وقت پر دھوکہ دیا تھا اسلئے کچھ ایسی صورت پڑ گئی کہ بعد کو نواب نظام الملک اور پیشوا متفق ہو گئے اور اُنھوں نے ناگپور کی مملکت پر سنہ ۱۷۶۶ء میں یورش کر دی اور بھونسلا کو اس علاقے کے بہت بڑے حصے سے بیدخل کر دیا جو اُسنے اپنی غداری کے ذریعے سے حاصل کیا تھا۔

مرہٹوں کا میسور پر حملہ

اب تک مرہٹوں نے میسور کو اپنی امانت گاہ سمجھ رکھا تھا کہ جب کہیں اور لوٹ مار کے لئے میدان نہیں خالی ہوتا تھا تو وہ میسور پر ہاتھ صاف کر لیتے تھے۔ لیکن حیدر علی کے ہاتھ کے تلے ایک زبردست حکومت کا عروج حاصل کرنا جسکے تصرف میں اس وقت بیس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل تھے اور اسمیں سے آدھی فوج

باب دوم
فصل دوم
(صفحہ ۱۶۸)

اعلیٰ درجے کی قواعد داں تھی پونا کی مجلس شوریٰ کی نظروں میں نفرت کے ساتھ کھٹکنے لگا اور اُسنے اس نوخیز کی دیدہ دلیری کی سزا دینی ضروری سمجھی۔ چنانچہ ۱۷۶۵ء میں میسور پر ایک فوج بھیجی گئی اور حیدر علی کو پہلی مرتبہ مرہٹہ فوجوں کا سامنا کرکے سخت شکست کھانی پڑی۔ دوسرے سال پیشوا کی فوجیں پھر میدان میں آئیں اور میسور کی فوج کو پھر شکست کھانی پڑی جسمیں دس ہزار آدمی مارے بھی گئے اور حیدر علی نے اسی میں سلامتی دیکھی کہ اسنے اپنا بہت سا غصب کیا ہوا علاقہ مرہٹوں کے حوالے کردیا اور بتیس لاکھ روپیہ تاوان جنگ دیکر جان بچائی۔ ان نقصانات کی تلافی کرنیکے لئے حیدر علی نے مالابار کے بحری صوبے پر حملہ کیا جسکو اب تک کوئی مسلمان حکمراں تسخیر نہیں کرسکا تھا۔ مالابار کے فوجی سرداروں نے جو نائر کہلائے جاتے تھے نہایت جاں بازی سے مدافعت کی پھر بھی تمام صوبہ انکے ہاتھ سے نکل ہی گیا اور زمورین کی راج دھانی کالی کٹ پر میسور کا پھریرا اڑا دیا گیا۔ ان فاتحانہ پیشقدمیوں سے یکایک حیدر علی کو اپنے گھر کی حفاظت کی ضرورت نے واپس لوٹایا کیونکہ ابکی دفعہ مرہٹوں نے نواب نظام الملک کے ساتھ اتحاد عمل کرلیا تھا اور یہ وہی اتحاد تھا جسمیں مدراس گورنمنٹ کو بھی ۱۲- نومبر ۱۷۶۶ء کے معاہدے کے مطابق طوعاً و کرہاً امدادی فوج سے شریک ہونا پڑا تھا۔ نواب نظام الملک نے فوراً تکمیل معاہدہ کا مطالبہ کیا اور بُری گھڑی سے کرنل سمتھ کو امدادی فوج کیساتھ نواب نظام الملک اور مرہٹوں کا شریک ہوکر حیدر علی کا زور توڑنے کیلئے بھیجا گیا۔ ۱۷۶۷ء میں مرہٹے نواب نظام الملک کو پیچھے چھوڑکر بڑھ گئے اور ماہ جنوری میں دریائے کرشنا کو عبور کرکے اُنکے غارتگر رسالوں نے حیدر علی کے شمالی علاقوں میں لوٹ مار مچانی شروع کردی اور حیدر علی کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ بتیس لاکھ روپے بھینٹ چڑھاکر اُنھیں حملہ کرنیسے روکے اور واپس کردے۔

کرنل سمتھ جب نواب نظام الملک کے لشکر میں پہنچا تو اسکو معلوم ہوا کہ نواب موصوف حیدر علی سے نامہ و پیام کررہے ہیں کہ حیدر علی کے ساتھ مل کر انگریزی فوج پر حملہ کریں چنانچہ کرنل موصوف اپنی فوج کو لیکر کرناٹک کی سرحد کی حفاظت کے لئے ہٹ آیا۔ اس نامہ و پیام کا نتیجہ یہ نکلا کہ نواب نظام الملک نے فوراً انگریزی فوج پر یورش کردینے کا

باب دوم
فصل دوم

وعدہ کرلیا اور حیدر علی نے اسکے معاوضہ میں نواب نظام الملک کو بیس لاکھ روپے نقد اور
چھ لاکھ سالانہ بطور خراج دینے کا وعدہ کیا - اتحادی فوجوں کی تعداد بیالیس ہزار سوار
اٹھائیس ہزار پیدل اور سو ضرب توپیں تھیں - اور انگریزی فوج میں صرف
ایک ہزار تیس تیغ زن سوار اور پانچ ہزار آٹھ سو سنگین انداز پیدل اور سولہ
توپیں تھیں - اس غیر متناسب تعداد کے باوجود بھی کرنل سمتھ نے دو مرتبہ
اتحادی فوجوں کو شکست دی اور اُنکی چونسٹھ توپیں چھین لیں - ان
مبارز طلبوں کے دوران میں حیدر علی کا سب سے بڑا بیٹا ٹیپو سلطان جو اسوقت
سترہ سال کی عمر کا تھا اچانک پانچ ہزار سوار سے چڑھ دوڑا اور مدراس کے
حکام کی مضافات کی کوٹھیاں لوٹ لیں اور اگر اسکی فوج کے آدمی لوٹ
کھسوٹ میں مصروف نہو جاتے تو مدراس گورنمنٹ کے ارا کین بھی کسی طرح
جان بچا کر نہیں نکل سکتے تھے - اسی اثنا میں بنگال گورنمنٹ نے کرنل پیچ کی
سرکردگی میں ایک بحری مہم اس غرض سے بھیجی کہ نواب نظام الملک کی توجہ اُدھر بٹ جائے -
کرنل پیچ نے ساحل پر اُترتے ہی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا اور پیش قدمی
کرتا ہوا حیدر آباد سے اسی میل کے فاصلے پر مقام ورنگل تک چلا آیا -
یہ دیکھتے ہی نواب نظام الملک نے حیدر علی کا ساتھ چھوڑ دیا اور انگریزوں سے صلح
کرنیکی تدبیر میں فوراً مصروف ہوگئے -

(صفحہ ۱۲۹)

ریاست حیدر آباد کے حالات اسوقت نازک تھے اس ریاست کو دو معرکوں میں
کرنل اسمتھ کے ہاتھ سے شکست مل چکی تھی - اس کے شمالی علاقے پر انگریزی بحری
فوج نے قبضہ کرلیا تھا اور اس وقت مسٹر پاک پریزیڈنٹ اور مدراس کونسل
جسطرح چاہتے شرائط طے کرا لیتے - کم سے کم یہ امید ضرور تھی کہ نواب نظام الملک
کے ساتھ وقت ضرورت امداد کرنیکے جس وعدے کا انگریزوں نے اپنے تئیں پابند
کرلیا تھا مسٹر پاک اسکے کالعدم ہونیکا ضرور اعلان کر دیگا - لیکن کئی ہفتے کے
نامہ و پیام کے بعد مسٹر پاک نے پھر سنہ ۱۷۶۸ء میں ایسی شرائط طے کیں جو کمپنی کے
تمام کارناموں میں ذلیل ترین معاہدے کے نام سے موسوم کی جا سکتی ہیں - اس
معاہدے میں پھر وہی ذلت آمیز شرط اضلاع سرکار کے عوض نواب نظام الملک کو خراج ادا کرنیکی تھی

باب دوم
فصل دوم

دراں حالیکہ یہ اضلاع شاہی فرمان کے ذریعے سے ان شرائط پر عطا کئے گئے تھے کہ یہ اضلاع کمپنی اور اسکے وارثوں اور جانشینوں کے قبضے میں علی الدوام رہینگے اور دربار شاہی اور محکمۂ مالگزاری کے تمام مطالبات سے بری۔ مستثنیٰ اور معاف رکھے جاوینگے۔ اس معاہدے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ضلع گنٹور نواب نظام الملک کے بھائی بسالت جنگ کے حین حیات تک بسالت جنگ کے قبضے میں رہیگا دراں حالیکہ نواب نظام الملک کا یہ عطیہ اپنے بھائی کے حق میں کمپنی کے نزدیک بالکل ناجائز تھا۔ حیدر علی جو گزشتہ سات سال سے بادشاہ اور فرماں روا کے نام سے خطاب کیا جاتا تھا اس معاہدے میں حیدر نائک کے ذلیل لقب سے یاد کیا گیا ہے اور اُس پر باغی و غاصب ہونیکا الزام لگایا گیا ہے اور انگریزی حکومت کے لئے یہ جائز رکھا گیا ہے کہ وہ حیدر نائک سے کرناٹک اور بالاگھاٹ کو چھین لے اور اس علاقے کو نواب نظام الملک کی طرف سے بطور جاگیر کے اپنے قبض و تصرف میں رکھے اور سات لاکھ سالانہ اسکے عوض نعلبندی کی رقم نواب نظام الملک کو دیتی رہے۔ مزید براں یہ کہ مرہٹوں کو بھی اسمیں سے برابر چوتھ دیتی رہے دراں حالیکہ مرہٹے اس معاہدے میں کوئی فریق نہ تھے۔ تمام حماقتوں پر طرہ یہ کہ مدراس کونسل نے پھر اپنے تئیں دکن کی مخدوش و پیچ در پیچ سیاسیات میں پھنسا دیا تھا۔ اور یہ بھی شرط طے کر لی تھی کہ ضرورت کے وقت دو پلٹنوں اور چھ توپوں سے نواب نظام الملک کی امداد بھی کرینگے۔ کمپنی کی مجلس انتظامیہ نے اس صلحنامے کو منظور و قبول کرنے سے ان الفاظ کے ساتھ انکار کر دیا:—

> ہم ممبران مجلس انتظامیہ تمہارے اس تمام طرز عمل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں جو تم نے اضلاع سرکار کے متعلق نامہ و پیام کرنے میں ابتدا سے انتہا تک اختیار کیا ہے۔ اور جب ہم اس بے اندازہ دولت پر نظر کر لیتے ہیں جو کمپنی کے ملازموں نے اس نامہ و پیام کے دوران میں حاصل کر لی ہے تو ہمکو اس امر کے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نامہ و پیام۔ معاہدات اور صلحنامہ جات کے متعلق یہ تمام جوش و خروش دراصل بجائے کمپنی کے فوائد کے ذاتی اغراض کے ساتھ وابستہ ہے۔

لیڈن ہال اسٹریٹ یعنی مجلس انتظامیہ کے مستقر سے کبھی اس سے بہتر فیصلہ شاید
نہیں صادر کیا گیا ہوگا حقیقۃً اس دس سال کے ذلت آمیز عرصے میں تمام
احاطہ مدراس خیانت و بدکرداریوں کا منبع و مخرج بالکل بنگال کی طرح بنا ہوا تھا
بلکہ بنگال سے زائد مدراس میں حکام کمظرف وپست حوصلہ بھی تھے؛

حیدر علی کے ساتھ جنگ ۱۷۶۸ء

حیدر علی کو اس عہد نامے کے شرائط کا پورا پورا
احساس تھا جسمیں اسکو ذلت کے ساتھ
باغی و غاصب قرار دیا گیا تھا اور انگریزی حکومت کو اسپر آمادہ کیا گیا تھا کہ
مملکت میسور کو پارہ پارہ کردے چنانچہ وہ اپنی سیاسی جہد حیات کے
لئے تیاریاں کرنے میں دل وجان سے مصروف ہو گیا۔ بمبئی گورنمنٹ کی
بھیجی ہوئی ایک بحری مہم نے حیدر علی کے چند جہازوں کو تباہ کردیا تھا
اور اسکے سواحل ملابار کے چند مقبوضات کو تسخیر کرلیا تھا۔ لیکن حیدر علی نے
فوراً ہی اپنا کھویا ہوا علاقہ چھین لیا اور مشرقی اضلاع میں جنگی کارروائیاں
کرنیکی طرف جھک پڑا۔ مدراس گورنمنٹ نے اپنی حماقت سے جو لڑائی حیدر علی
کے ساتھ مول لیلی تھی اسکی تکمیل میں بھی اس گورنمنٹ کی طرف سے اتنی ہی
بے عقلی اور نااہلی کا اظہار ہوا جتنی اس معاہدے کی تکمیل میں ظاہر کیگئی تھی
جسنے اس جنگ میں پھنسایا تھا۔ افواج کی نقل وحرکت کی نگرانی کرنیکے لئے
دو جنگی قائم مقام بھیجدیئے گئے اور رسد رسانی کا اہتمام کرناٹک کے
پست ہمت نواب کے سپرد کردیا گیا جسنے کمپنی کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔
مگر اس سے سوائے کام بگاڑ دینیکے اور امید بھی کیا کی جاسکتی تھی۔
باوجود ان تمام بدعنوانیوں کے بھی کرنل سمتھ نے حیدر علی کا تقریباً نصف
علاقہ تسخیر کرلیا اور اسکے کئی مہتم بالشان قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ حیدر علی کو یہ
ڈر تھا کہ کہیں مرہٹے بھی انگریزوں کے شریک ہوکر نہ ٹوٹ پڑیں اسلیئے اُسنے
مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس موقعہ پر سپر ڈالدے اور انگریزوں کو بارہ محل کا
علاقہ اور دس لاکھ روپے دیکر صلح کرنی چاہی۔ مگر پریزیڈنٹ موجودہ فتوحات
پر پھول گیا تھا اور اُسنے ایسی مبالغہ آمیز اور ناقابل عمل شرائط پیش کیں کہ

باب دوم
فصل دوم

حیدر علی کو مجبوراً امن نے مارنے پر تیار ہونا پڑا۔ کرنل سمتھ نے چونکہ مدراس کونسل کو
اُنکی ناقابل عمل شرائط پر فہمایش کی تھی اسلئے کونسل نے اُسے میدان جنگ سے
واپس بلالیا اور اُسی گھڑی سے لڑائی کی ہوا بدلنے لگی۔ حیدر علی نے محاصرہ
بنگلور کو اُٹھوا دیا اور اپنی فطری سرگرمی و مستعدی سے کام لیکر اپنے تمام کھوئے
ہوئے قلعے انگریزوں سے چھین لئے۔ پھر وہ بارہ محل میں اُنگھس پڑا اور
وہاں سے جنوب کی طرف مڑکر تنجور پر جا دھمکا اور راجہ سے چار لاکھ روپے
زبردستی کا نذرانہ وصول کرکے پھر شمال کو مدراس کی طرف بڑھا۔ کمپنی کے
کارکنوں کی اسوقت کی پریشانی کا اچھی طرح سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔
اب حواس باختہ کونسل کی باری تھی کہ سازگاری کے ذرائع تلاش کرے۔
چنانچہ اس طرف سے چالیس دن کے التوائے جنگ کی استدعا کی گئی اور
حیدر علی نے بدقت تمام بارہ دن کا التوا منظور کیا اور اُسکے ختم ہوتے ہی
اپنی ہیبت ناک کارروائیاں شروع کردیں۔ کرنل سمتھ پھر اپنے عہدۂ سپہ سالاری پر
سرفراز کردیا گیا تھا اور ایکی مرتبہ حیدر علی اُسکو مدراس سے ایکسو چالیس میل
کے فاصلے تک اپنے پیچھے لگا لیگیا اور یہ عزم بالجزم کرلیا کہ مدراس کی فصیلوں
کے تلے اس جنگ کا آخری فیصلہ کرکے رہیگا۔ چنانچہ اپنے چھ ہزار چیدہ سواروں کو
اپنے ساتھ لیکر وہ چستی کے ساتھ لوٹا اور برسم یلغار ساڑھے تین دن میں
ایکسو تیس میل کا دھاوا کرکے مدراس سے صرف چار میل کے فاصلے پر مقام
سنٹ ٹوم پر نمودار ہوا اور یہاں سے یہ مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے تو فوراً
کرنل سمتھ کو تاکیدی احکام بھیجے جائیں کہ وہ جو میرے تعاقب میں آرہا ہے
اُنھی قدموں راستے میں رُک جائے۔ دوسرے پریزیڈنٹ صاحب بہ نفس
نفیس شرائط معاہدہ طے کرنیکے لئے میرے پڑاؤ میں آئیں ورنہ لمحہ بھر میں مدراس
کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائیگی۔ مدراس گورنمنٹ کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور
اُس وقت حیدر علی میدان مار چکا تھا اسلئے اُسنے من مانی شرطیں پیش کیں۔
۳۔ اپریل سنہ ۱۷۶۹ء کو ایک صلحنامہ پر دستخط کئے گئے جسکی خاص شرائط یہ تھیں
کہ فریقین نے اپنے مفتوحات سے دست برداری کی اور باہمی محاربانہ

(صفو ۱۷۱)

و مدافعانہ اتحاد قائم کیا۔ یعنے جو جو علاقے متعاقدین کے ہاتھ سے اس جنگ میں جاتے رہے تھے وہ انکو پھر واپس مل گئے اور انگریزوں کو اس شرط کا پابند ہونا پڑا کہ اگر کسی وقت کسی طرف سے حیدر علی پر حملہ کیا جائے یا وہ خود کسی پر حملہ کرے تو وہ اُسکی امداد کریں۔ اس طرح مدراس کونسل نے تیسری مرتبہ کمپنی کو دکن کی پرخطر و پر انقلاب سیاسیات میں الجھایا اور اسطرح دوسری جنگ میسور کا خاتمہ ہوا۔ جو مقبوضات حاصل کئے گئے تھے وہ سب ہاتھ سے نکل گئے۔ جو روپیہ صرف کیا گیا تھا وہ سب ضائع گیا اور کمپنی کا فوجی اقتدار بھی خاک میں مل گیا؛

حیدر علی اور مرہٹوں کی جنگبازی ۱۷۷۰ء

حیدر علی نے جب مدراس گورنمنٹ سے اپنا قضیہ طے کرلیا اور اُس سے امداد کا وعدہ لیلیا تو اُسنے وہ مطالبات روک لئے جو مرہٹے اُس پر مانگتے تھے اور اُنکے علاقے پر حملہ کردیا۔ پیشوا نے میسور کو پوری طور سے نیچا دکھانیکے ارادے سے بڑی زبردست سپاہ فراہم کی اور حیدر علی کا قلعے پر قلعہ فتح ہونے لگا اور اُسکے علاقے کے علاقے تباہ ہونے لگے اور اُسکو دبکر صلح کرنیکی ضرورت پڑی مگر چونکہ پیشوا ایک کروڑ روپئے نذرانہ طلب کرتا تھا اسلئے نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اسکے بعد ۱۷۷۱ء میں حیدر علی پینتیس ہزار سپاہ اور چالیس توپوں کے ساتھ ملگوٹا پر بڑھا مگر یہاں اُسنے اپنے تئیں بُری طرح سے جال میں پھنسا ہوا پایا۔ آٹھ دن کی متواتر گولہ باری کو برداشت کرنیکے بعد اُسنے ایک رات کو چپکے سے سرنگاپٹم کی طرف پسپائی کی کوشش کی جو وہاں سے بائیس میل کے فاصلے پر تھا۔ مگر مرہٹوں کو اسکی اطلاع مل گئی اور اُنھوں نے اُسے راستے میں آلیا اور ایسی بُری طرح اُسکی پسپا ہونیوالی فوج پر مار پڑنے لگی کہ اگر مرہٹہ فوجیں لوٹ کھسوٹ میں مصروف نہو جائیں تو حیدر علی کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچ سکتا۔ اسکے بعد مرہٹوں نے حیدر علی کے دارالحکومت کا محاصرہ کرلیا اور اسنے مجبور ہوکر پریزیڈنٹ مدراس سے اس امداد کی استدعا کی جو معاہدے کے مطابق اسے دینی چاہیئے تھی۔ پریزیڈنٹ اور کونسل نے

باب دوم
فصل دوم

اسکو ضروری سمجھا کہ کمپنی کی بات اور عزت قائم رکھنے کے لئے حیدر علی کو اس وقت پر امداد دی جائے لیکن اس سے کچھ ہی پہلے یہ صورت پیش آچکی تھی کہ نواب کرناٹک سے کچھ ایسی دو فصلی تحریریں وزیر انگلستان کے پاس بھیجی تھیں کہ وزارت کی طرف سے یہ حماقت کی گئی تھی کہ سر جان لنڈسے کو بادشاہ کا قائم مقام بناکر دربار کرناٹک میں بھیجا گیا تھا۔ اس موقعے پر سر جان لنڈسے نے بدا اسی کونسل کی مخالفت کی اور بہ حیثیت شاہ انگلستان کے قائم مقام ہونیکے کمپنی کے قائم مقاموں کو اسکا حکم ماننا پڑا۔ بدکردار نواب نے صرف کونسل کو اس موقعے پر نیچا دکھانے پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ اُسنے سر جان لنڈسے کو اسپر آمادہ کیا کہ اُسنے کونسل پر یہ زور دیا کہ مرہٹوں کے ساتھ اتحاد کرلیا جائے

(صفحہ ۱۷۲)

جب حیدر علی کو برطانوی امداد کا بھروسہ بھی نہ رہا تو اُسکے پاس اسوا کے اسکے اور چارہ کار نہ تھا کہ نہایت گراں قیمت پر اپنی جان بخشی کرائے چنانچہ اُسنے مرہٹوں کو چھتیس لاکھ روپے نذرانہ نقد دیا چودہ لاکھ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا اور اپنا اتنا علاقہ مرہٹوں کے حوالے کردیا کہ جو کچھ باقی بچا وہ وسعت میں اس مملکت میسور سے بھی کم تھا جو اٹھارھویں صدی کی ابتداء میں تھی۔ اُسنے انگریزوں کے اس وقت پر دھوکہ دینے کو کبھی فراموش نہیں کیا نہ ہرگز معاف کیا اور دس سال کے بعد ہی اُسنے اُسکا ہولناک تاوان وصول کیا۔

ہندوستان پر مرہٹہ یورش ۱۷۶۹ء

جنگ پانی پت نے مرہٹوں کو ہندوستان سے بالکل نکال دیا تھا۔ مگر اُسکے آٹھ سال بعد ہی پیشوا نے پچاس ہزار سوار اور کثیر تعداد پیدل کی ایک جرار فوج مع زبردست توپ خانے کے اس غرض سے فراہم کی کہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت ہندوستان میں پھر حاصل کی جائے اور اپنی تاخت و تاراج کا سلسلہ پھر شروع کیا جائے۔ اس فوج کی پہلی یورش راجپوت رئیسوں پر ہوئی جنسے پیشوا نے دس لاکھ روپے بطور نذرانہ وصول کئے۔ پھر یہ فوج جاٹ رئیسوں پر چڑھ دوڑی جنھوں نے ۶۵ لاکھ روپے نذرانہ دینے کا وعدہ کیا۔ اسکے بعد ۱۷۷۲ء میں یہ فوجیں روہیلوں کے اضلاع پر جا دھمکیں اور گنگا جمنا کے تمام دوآب کو روندتی چلی گئیں

اور بارش شروع ہونے سے پہلے دہلی کی طرف لوٹ آئیں۔ لارڈ کلائیو کے ساتھ
۱۷۶۵ء میں منصب دیوانی کا معاملہ طے ہونیکے بعد سے شہنشاہ دہلی اپنی اس
جاگیر میں امن و آسائش سے رہا کرتا تھا جو کمپنی نے اُسکے لیئے وقف کر دی تھی
اور اضلاع کڑا و الہ آباد کی آمدنی سے مزے اُڑاتا تھا اور دہلی کے گرد و نواح
کے اضلاع جو ابتک تخت دہلی سے منسوب سمجھے جاتے تھے نجیب الدولہ کے
زیر نگیں تھے۔ نجیب الدولہ کے انتقال پر اُسکا بیٹا ضابطہ خاں اُنکا مدار المہام
ہوگیا تھا۔ تقاضائے فطرت یہ تھا کہ شاہ عالم کو اپنے بزرگوں کے تخت سلطنت پر
جلوہ افروز ہونیکی اور اپنا شاہانہ دربار اپنے قدیم دار الحکومت میں قائم کرنیکی
تمنا ہو۔ مرہٹے بھی اسکو تخت پر بٹھانیکی اُسی سے برابر تمنا رکھتے تھے کیونکہ
اس طرح انکو اپنا اقتدار قائم کرنیکا بہترین موقع ملتا تھا اور اُسکے پردے میں
وہ اپنی اہمیت کو حد سے زیادہ بڑھا سکتے تھے۔ باوجودیکہ کلکتے کی کونسل
نے گوشہ نشین شہنشاہ کو اس منصوبے پر عمل پیرا ہونیکے خطرات سے اچھی طرح
آگاہ و متنبہ کر دیا تھا مگر وہ مرہٹوں کے پنجہ مکر میں پھنس گیا اور اُنھوں نے
۲۵- دسمبر ۱۷۷۱ء کو اُسے تخت نشین کر ہی دیا۔

دوسرے سال مرہٹے پھر روہیلکھنڈ پر آ نازل ہوئے اور روہیلے سردار کو
مجبور ہوکر نواب وزیر اودھ سے استعانت کرنی پڑی۔ شاید تاریخ عالم میں
بہت کم معاملات اسقدر پردہ خفا میں رہ سکے ہونگے جیسے وہ مکاتیب و
مراسلات رہ سکے ہیں جو روہیلوں مرہٹوں اور نواب وزیر اودھ کے (صفحہ ۱۷۳)
درمیان اس معاملے میں آئے گئے۔ یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ مرہٹوں نے
اس شرط پر واپسی کا وعدہ کیا کہ روہیلا سردار چالیس لاکھ روپے نذرانہ
پیش کرے یا اتنی رقم کا وعدہ کرے اور اس وعدے کی ضمانت نواب
وزیر اودھ دے۔ نواب وزیر نے ۱۷۷۲ء میں اس معاہدے کی ضمانت دی
اور روہیلا سردار رحمت خاں سے اس مطالبے کی پہلی قسط کے پانچ لاکھ روپیے
بھی وصول کر لیئے۔ مگر مرہٹوں کو اسمیں سے ایک حبہ دینا بھی گوارا نہیں کیا
اسی اثنا میں مرہٹے اپنے اس مطالبے کو اس شرط پر منسوخ کرنیکو تیار ہو گئے

باب دوم
فصل دوم

کہ روہیلے مرہٹوں کے شریک ہوکر مملکت اودھ پر حملہ کریں اور اگر فتح ہوگئی تو مفتوحہ علاقہ دونوں میں برابر سے تقسیم کرلیا جائیگا۔ لیکن روہیلوں نے ان شرائط کو منظور نہیں کیا اور نواب وزیر اودھ کا ساتھ دینا پسند کیا۔ مرہٹوں کے کئی لشکر اضلاع روہیلکھنڈ پر تاخت وتاراج کے لئے ٹوٹ پڑے لیکن اودھ۔ روہیلکھنڈ اور انگریزوں کی امدادی فوجوں نے انکو مزید پیشقدمی سے روکے رکھا۔ اسی زمانے میں مادھوجی راؤ پیشوا کا پونا میں انتقال ہوگیا اور اسکے جانشین نے کرناٹک پر حملہ کرنیکا منصوبہ باندھا اور وہاں کی مہم کو تیار کرنیکے لئے اپنی فوجوں کو ہندوستان سے واپس طلب کیا چنانچہ تین یورشوں کے مال غنیمت سے لدی ہوئی یہ فوجیں اپنے ملک کو ۱۷۷۲ء میں واپس روانہ ہوگئیں۔ اس سے پہلے سال کے اختتام پر شہنشاہ دہلی نے مرہٹوں کی درازدستی اور آزپروری سے تنگ آکر مرمیدان انکا مقابلہ کیا تھا لیکن شاہی فوج کو کامل ہزیمت کھانی پڑی اور شہنشاہ نے مرہٹوں کی خونخوار پلٹنوں کے خیر مقدم کے لئے شہر دہلی کے دروازے کھول دیئے تھے اور انکے مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کرلیا تھا۔

اس زمانے میں ہندوستان کی برطانوی گورنمنٹ ایک عجیب بے ضابطگی کا نمونہ تھی۔ لندن کی ایک تجارتی کمپنی کے کارکنوں نے اتنے بڑے بڑے صوبوں کی حکومت حاصل کرلی تھی جو انگلستان سے بھی زیادہ وسیع تھے۔ وہ صلح وجنگ بہ اختیار خود کررہے تھے۔ تخت وتاج کو الٹ پلٹ کررہے تھے اور شاہانہ آمدنیاں ادھر سے ادھر کردیتے تھے۔ کمپنی کے ہندوستانی ملازم جو صرف تین چار سو روپے ماہوار کے تنخواہ دار تھے جب گھر لوٹ کر آتے تھے تو بے اندازہ دولت انکے پاس ہوتی تھی اور وہ ایسے ٹھاٹھ سے رہتے تھے کہ پوتڑوں کے رئیسوں کو بھی مات کردیتے تھے۔ ان ہندوستانی نوابوں کے ڈراموں میں خاکے اڑائے جاتے تھے اور یہ لوگ مجمع عام میں آنے سے اسلئے ہچکچاتے تھے کہ انکے دل میں اپنی ظلم وستم سے کمائی ہوئی ناجائز دولت کا چور تھا۔

اس حکومت کے جو کل پرزے خاص انگلستان میں تھے وہ بھی خاص تجارتی اغراض کے لیئے ڈھالے گئے تھے اور انتظام سلطنت کے لیئے کسی طرح موزوں نہیں تھے۔ ہندوستان کی ملازمتیں جو بے اندازہ دولت جمع کرنیکا ذریعہ سمجھی جاتی تھیں تمام و کمال مجلس انتظامیہ کے ارکان کے ہاتھ میں تھیں اور یہ ارکان کمپنی کے حصہ داروں کی کثرت رائے سے منتخب کیئے جاتے تھے۔ چنانچہ ہر رائے کی اتنی قیمت سمجھی جاتی تھی کہ ۱۷۷۱ء میں اس زمانے کی ایک متمول و با اثر جماعت موسومہ مالک جہازات (Ships Husbands) نے پندرہ لاکھ کے حصے صرف اس غرض سے خرید کیئے کہ اس طرح انکو انتخاب ارکان میں تین سو رائیں مل سکینگی۔ انڈیا ہاؤس ایسی بدکرداریوں اور دلالیوں کا منظر پیش کرتا تھا جیسا انگلستان میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ غرض یہ ہندوستانی گورنمنٹ کلکتہ اور لندن دونوں جگہہ نہایت سقیم و متعفن ہو گئی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایوان عام کی طرف سے بلا واسطہ تحقیقات کیئے جانیکا عام مطالبہ قوم کی جانب سے کیا جانے لگا اور یہ مطالبہ اور زیادہ بڑھ گیا جب کمپنی کے سر پر ایکدم مالی مشکلات کی بلا نازل ہو گئی۔ کمپنی کے ہندوستانی ملازمین کی بددیانتیوں نے کمپنی کا خزانہ خالی کر دیا تھا۔ باوجودیکہ کمپنی کے پاس ڈھائی کرور سالانہ کی آمدنی کے مقبوضات ہی تھے مگر اسکے ذمے سوا کرور کا قرضہ لندن میں اور ایک کرور کا قرضہ کلکتے میں تھا۔ پھر اس دیوالیہ پن کی حالت میں مالکان کمپنی نے اپنے حق میں ساڑھے بارہ روپے سیکڑہ منافعہ تقسیم کرنیکا کثرت رائے سے فیصلہ کیا۔ جب تک انگلستان کا بنک قرض دے سکا مجلس انتظامیہ برابر اس سے قرض لیتی رہی اور اسکے بعد ملکی ایوان تجارت سے دس لاکھ قرضہ ملنے کی استدعا اسلیئے کی کہ کہیں پیسہ پاس نہو تیسے انڈیا ہاؤس کے دروازے نہ بند ہو جائیں۔ وزرا نے مجلس انتظامیہ کو ہدایت کی کہ ایوان عام کی طرف یہ معاملہ رجوع کریں چنانچہ وقت سے پہلے ایوان عام کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد کیا گیا۔ ایک منتخب جماعت کے سپرد شہادتیں

(صفحہ ۱۷۴)

قلمبند کرنیکا کام کیا گیا اور اس وقت پہلی دفعہ وہ بدکرداریوں اور بے انصافیوں
کے مناظر قوم کے سامنے بے نقاب کیئے گئے جنسے ہندوستان میں برطانوی
قوم کی پیشانی پر ذلت کا بدنما داغ لگایا گیا تھا۔ اور پارلیمنٹ نے فوراً یہ ارادہ
کرلیا کہ ہندوستانی معاملات کے انصرام کو یکقلم اپنے ہاتھوں میں لے لے۔
کمپنی نے اپنے دستاویزی حقوق پر اس طرح حملہ کیئے جانے پر سخت
احتجاج کیا لیکن ملک بھر میں جو عام منافرت اُسکی طرف سے طاری ہوگئی تھی
اسکی وجہ سے کمپنی کو وزارت کے رحم وکرم پر اپنے تئیں چھوڑ دینا پڑا۔ اسکے
تمام دوائر عمل کے سقیم کل پرزوں کی اصلاح کی گئی۔ مجلس انتظامیہ کے
ارکان کا انتخاب بجائے سالانہ کے چار سال کی میعاد کے لیئے رکھا گیا۔
مالکوں کی رائے صرف چار رائے کے برابر قرار دیگئی عام اس سے کہ وہ
کتنے ہی حصوں کے مالک ہوں اور بارہ سو مالک ایک جنبش قلم سے
ناقابل رائے دہندگی قرار دیدیئے گئے۔ گورنر بنگال کے عہدے کو تبدیل
کرکے گورنر جنرل کردیا گیا جسکی تنخواہ سالانہ ڈھائی لاکھ روپیے مقرر کی گئی
اور اُسکی امداد کے لیئے چار ممبروں کی ایک کونسل مقرر کی گئی جسکے ہر ممبر کی
تنخواہ سالانہ ایک لاکھ روپیہ تھی۔ ویسٹ منسٹر کی عدالتوں کے نمونے پر
ایک عدالت عالیہ قائم کی گئی جسمیں ایک چیف جسٹس یعنے حاکم اعلیٰ اور تین
مددگار جج رکھے گئے۔ وہ ضابطہ جسکا نام ریگولیٹنگ ایکٹ یعنے ضابطہ
قانون سازی رکھا گیا تھا انگلستان کے عملے کا انتظام پوری طور سے
پاک صاف کرنے میں کامیاب ہوگیا مگر اُسنے ہندوستان میں برطانوی
اقتدار حکومت کو بیخ و بن تک ہلا ڈالا تو

باب سوم

فصل اول

مسٹر ہسٹنگز کا عہد حکومت مسٹر فرانسیس کی روانگی تک

وارن ہسٹنگز کے ابتدائی حالات

اس فرمان کے منشاء کے مطابق وارن ہسٹنگز کو ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر فرمایا گیا۔

وارن ہسٹنگز ۱۷۵۰ء میں کمپنی میں اہلکار ہو کر کلکتہ آیا تھا اور اول سات سال تک اسکا کام یہ تھا کہ ریشمین کپڑے اور تنزیب وغیرہ کے نرخ مقرر کیا کرے اور بہیکوں کی نقلیں کیا کرے۔ جنگ پلاسی کے بعد جو مہتم بالشان واقعات پیش آنے لگے انمیں اسکی قابلیت کی ترقی ہونیکا پہلا موقع ملا اور کرنل کلائیو نے ۱۷۶۰ء میں اُسے دربار مرشد آباد میں کمپنی کا وکیل بنا کر بھیجا یہ عہدہ کمپنی کی ملازمت میں اُس زمانے میں درجۂ دوم کا نہایت اہم عہدہ تھا۔ تین سال کے بعد ۱۷۶۳ء میں وہ اپنی باری کے لحاظ سے کونسل کا ممبر منتخب ہو گیا اور اُس نے ہمعصروں کی اُن بدکرداریوں کی سختی سے مخالفت کی جنکی وجہ سے میر قاسم کے ساتھ لڑائی مول لینی پڑی تھی۔ پندرہ سال کی ملازمت کے بعد ۱۷۶۵ء میں وہ انگلستان کو واپس آ گیا اور اپنے ہمعصروں کے مقابلے میں بہت افلاس کی حالت میں گیا دراں حالیکہ مسٹر فانسی ٹارٹ جو اسی کے ساتھ جہاز پر گیا تھا اپنے ساتھ پچاس لاکھ سے کچھ ہی کم رقم لیگیا تھا۔ کچھ سال کے قیام انگلستان کے بعد مجلس انتظامیہ نے اسکو پھر کمپنی کی ملازمت میں لے لیا اور اُسے مدراس کی کونسل میں دوسرا ممبر مقرر کیا گیا۔ اس عہدے پر اُس نے ایسی مستعدی و قابلیت کا اظہار کیا کہ آخر ۱۷۷۲ء میں اُس کا انتخاب بنگال کی گورنری پر عمل میں آگیا تھا۔

ہسٹنگز گورنر بنگال ۱۷۷۲ء

ہسٹنگز نے نظام حکومت کو نہایت طوائف الملوکی

کی حالت میں پایا۔ کلائیو نے جو دو گونہ نظام حکومت قائم کیا تھا اور جسے
ملکی حکمت عملی کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا تھا آخر کار ملک کے لئے ایک مصیبت
بنگیا۔ وصول تحصیل کا انتظام جو کسی حکومت کا اہم ترین شعبہ ذمہ داری
ہو سکتا ہے تمام و کمال اُن ہندوستانیوں کے ہاتھ میں تھا جو نواب
مرشد آباد کے زر آشنا دربار کی ماتحتی میں کام کرتے تھے اگرچہ برائے نام
ان پر انگریزی رزیڈنٹ کی نگرانی تھی مگر حقیقتاً وہ سب بالکل مطلق العنان تھے۔
غریب رعایا پر تحصیل کے ان اہلکاروں اور زمینداروں کی طرف سے
بڑی بڑی سختیاں کی جاتی تھیں اور یہ سب ریاست کو تباہ کر کے
اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ ان سقوم کے انتظام و نگرانی کے لئے ۱۷۶۹ء میں نگران کار
مقرر کئے گئے تھے مگر وہ رعایا کی زبان اور اراضی کی شرح لگان سے
بالکل ناآشنا تھے اسلئے وہ اپنے آزپرور عملے کے افسروں کے ہاتھ میں بالکل
کھلونہ بنگئے تھے۔ آخر کار مجلس انتظامیہ نے خود دیوان بننے کا عزم کیا
تحصیل کا انتظام اپنے سر لیکر اپنے یورپین ملازمین کے ذریعہ سے وصول کی
کارروائی کرنی چاہی۔ اس وقت طلب کارروائی کا سرانجام ہسٹنگز کو سپرد کیا گیا
اور اُس نے اپنے فطری استقلال و تندہی کے ساتھ اسکی تکمیل شروع کردی ؂

(صفحہ ۱۷۶)

ہسٹنگز کی اصلاحات ۱۷۷۳ء

ممبران کونسل کی بلاواسطہ نگرانی و ہدایت کے
تحت میں نیا بندوبست قائم کیا گیا۔ دیوانی
و فوجداری عدالتوں کا انصرام ان ملازمین کمپنی کے سپرد کیا گیا جن سے
محلکے لے لئے گئے تھے۔ اور خزانے کو مرشد آباد سے منتقل کر کے کلکتہ لے
آیا گیا جو اس وقت سے بنگال کا دارالحکومت بنا دیا گیا۔ بغیر کسی قانون داں
کی امداد کے اُس نے اپنی قائم کی ہوئی عدالتوں کے لئے ایک ضابطہ قوانین
تیار کیا جس سے اُسکی قابلیت کی حیرت انگیز ہمہ گیری کا پورا انکشاف ہوتا ہے۔
یہ تمام بنیادی تبدیلیاں چھ ماہ کے مختصر عرصے میں عمل میں آگئیں ؂

جنگ روہیلا ۱۷۷۳ء

ہسٹنگز کے عہد حکومت کے پہلے فوجی کارنامے نے
سوء اتفاق سے اُسکی نیکنامی پر بہت منحوس اثر ڈالا۔ نواب وزیر اودھ کا

روہیلکھنڈ کی مملکت پر عرصے سے دانت تھا اور مرہٹے ابھی اپنے ملک کو واپس گئے ہی تھے کہ اُس نے اپنی امداد کے لئے ہسٹنگز پر زور ڈالنا شروع کیا اور اُس سے وعدہ کیا کہ اگر روہیلکھنڈ اودھ کے ساتھ ملحق ہو گیا تو کمپنی کو چالیس لاکھ روپیہ نقد اور دو لاکھ روپیہ ماہانہ اُس فوج کے اخراجات کی کفالت کے لئے دیا جائیگا جو اس امداد کے لئے بھیجی جائیگی۔ نواب وزیر نے یہ استدلال کیا کہ مرہٹوں کے پنجے سے خلاصی پانیکے لئے روہیلوں نے اودھ کو چالیس لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ اودھ کی فوجوں نے کمپنی کی فوج کی امداد سے مرہٹوں کو روہیلکھنڈ سے نکال باہر کیا مگر روہیلوں نے احسان فراموشی کر کے رقم موعودہ دینے سے انکار کر دیا۔ نواب وزیر کی للچانیوالی شرائط ایسے وقت پیش کی گئی تھیں جبکہ قرضوں اور ذلتوں سے تنگ آکر مجلس انتظامیہ نے ہر ڈاک سے کونسل بہم ترسیل زر کا تقاضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ کلکتے کا خزانہ صرف خالی ہی نہیں تھا بلکہ اُس پر ایک کروڑ سے زاید کا قرضہ بھی تھا۔ نواب وزیر کو ملک کا لالچ تھا اور ہسٹنگز کو روپے کی ضرورت تھی چنانچہ ہسٹنگز نے اپنے دل کو یوں سمجھایا کہ وزیر کا قول صحیح ہے اور روہیلوں کی احسان فراموشی مستوجب سزا ہے خاص طور سے اسلئے کہ اس منصفانہ انتقام کی کارروائی سے کمپنی کے اغراض و مقاصد کو بھی ترقی حاصل ہو جائیگی۔

نواب وزیر اودھ کے ساتھ معاہدہ ۱۷۷۳ء

ہسٹنگز بنارس گیا اور اس معاملے میں نواب کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا اور اسی وقت نواب وزیر کو کڑا اور آلہ باد کے دونوں ضلعے بھی حوالے کر دئے جو کلائیو نے اودھ سے لیکر شہنشاہ دہلی کے گزارے کے لئے دیدئے تھے اور جو شہنشاہ دہلی نے دباؤ میں آکر مرہٹوں کی طرف منتقل کر دئے تھے۔ (صفحہ ۱۰۷)
اس انتقال مملکت سے کمپنی کے خزانے میں پچاس لاکھ روپیہ اور آگیا۔ نواب کو جب انگریزی فوج کی امداد کا اطمینان ہو گیا تو اُس نے روہیلا سردار سے اُس رقم کا بقایا طلب کیا جس میں سے صرف پانچ لاکھ کی

باب سوم
فصل اول

ایک ہی قسط اب تک ادا کی گئی تھی۔ حافظ رحمت خاں روہیلا سردار نے
اُس تمام رقم کے ادا کرنیکا وعدہ کیا جو نواب وزیر کی طرف سے مرہٹوں کو
دیجانی ہو وراں حالیکہ مرہٹے پونا سے احکام پاکر واپس گئے تھے اور نواب
وزیر کی سازش کو اُس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ لیکن چونکہ اودھ کی طرف سے
مرہٹوں کو کچھ بھی نہیں دیا گیا تھا اسلیئے حافظ رحمت خاں کی اُس تجویز کو حقارت
سے دیکھا گیا۔ حافظ رحمت خاں نے جب دیکھا کہ اب طوفان برپا ہونیکو ہی ہے
تو اُس نے باہمی مفاہمت کی استدعا کی لیکن غدار نواب وزیر نے اپنا دعوےٰ
دو کرور تک بڑھا دیا۔ اسلیئے روہیلوں نے آخری وقت تک اپنی حفاظت کا
عزم بالجزم کرلیا اور چالیس ہزار فوج مقابلے کے لیئے میدان میں لے آئے مگر
انکو شکست فاش ہوئی اور جانباز حافظ رحمت خاں مع اپنے تینوں بہادر
بیٹوں کے میدان میں کام آگیا۔ نواب وزیر اپنی فوجوں کو لیئے ہوئے
آتش جنگ کی لپٹ سے دور ٹھیرا ہوا تھا لیکن لڑائی کے فتح ہوتے ہی اُس نے
اپنی فوجوں کو غارتگری کے لیئے آزاد چھوڑ دیا۔ اس حالت کو دیکھکر انگریزی سپہ سالار
بیساختہ چلا اُٹھا کہ آج کے دن کی عزت ہمارے لیئے تھی اور غنیمت ان قزاقوں
کے لیئے ہے۔ یہ ایک منحوس معاملہ اُن چند بدنما داغوں میں سے تھا جو ہسٹنگز کے
دامن عزت پر لگائے جاتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ روہیلے جنھوں نے
تھوڑے زمانہ سے اس صوبے پر قبضہ کیا تھا ہندوستان اور دکن کے
دیگر افغانی قبائل کی طرح خطرناک اور زبردست ہمسائے تھے اور کسی زمانہ میں
مرہٹوں کے شریک ہوکر اودھ کو ضرور روندڈالتے جنکی حفاظت کرنیکی کمپنی کی
حکومت پابند تھی مگر یہ جنگ تو نواب وزیر کی آزپروری اور انگریزی خزانہ کی
دیوالیہ پن کی وجہ سے وقوع میں آئی۔ رہا یہ امر کہ اس جنگ کی وجہ سے
پانچ لاکھ نفوس خانماں ویران ہوکر گنگا پار نکل گئے اور تمام ملک ہند کا مقام
اور ویرانہ بنگیا یہ ایشیائی مبالغہ ہے۔

کلکتہ کی نئی گورنمنٹ ۱۷۷۴ء

جنگ روہیلا کے چھ ماہ بعد عدالت عالیہ کے
چار وں جج اور تین نئے ممبر کونسل کے کلکتہ کے ساحل پر اُترے اور

۲۰- نومبر ۱۷۷۴ء کو نئی گورنمنٹ کے افتتاح کا اعلان کر دیا گیا۔ ان ممبروں میں سے کرنل مونسن شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اُس نے سواحل پر خدمات انجام دی تھیں جنرل کلیورنگ بادشاہ کا خاص آدمی تھا اور اُس کا وزیر پر بہت بڑا اثر تھا اور تیسرا ممبر مسٹر فرانسیس تھا جو اپنی تصنیف جونیس کے لئے بہت مشہور ہو چکا تھا اور اگرچہ بڑا قابل آدمی تھا مگر بہت ہی کینہ توز بھی تھا۔ یہ لوگ اس خیال کے ساتھ آئے تھے کہ کمپنی کی گورنمنٹ جبر و تشدد اور بدکرداری کا ایک مجموعہ ہے اور خود ہسٹنگز بے انصافی کا وہ عفریت ہے جسکی مخالفت کرنا ہر پاکباز انسان کا فرض منصبی ہے پہلے ہی اجلاس میں جب ہسٹنگز نے انکے ساتھ نشست کی تو انھوں نے اپنی کثرت رائے سے اُسے مغلوب کر لیا اور اُسے نظام حکومت کے تمام اختیارات سے محروم کر کے رکھدیا۔ انھوں نے فوراً یہ کارروائی کہ مسٹر ڈالٹن کو واپس طلب کیا جسکو ہسٹنگز نے کمپنی کا قائم مقام بنا کر اودھ میں بھیج رکھا تھا اور اپنے ایک دوست مسٹر برسٹو کو اس عہدے کے پُر کرنیکے واسطے تعینات کر دیا اور اس طرح ہسٹنگز کے نفی اختیارات کا تمام ہندوستان میں اعلان کر دیا۔ انھوں نے تحکمانہ انداز سے اودھ کی امدادی فوج کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ اپنا دستۂ فوج واپس لے آئے اور نواب وزیر سے تمام بقایا کا فوری مطالبہ کرے اور اُسکی ادائی کے لئے دو ہفتہ کی میعاد دیدے اور اسطرح اودھ کی سلامتی کو اور برطانوی حکومت کے اعتماد کو برابر کے خطرہ میں ڈالدیا۔

(صفحہ ۱۷۸)

اسی ردو بدل کے دوران میں نواب وزیر اودھ کا ۱۷۷۵ء میں انتقال ہوگیا جسپر مسٹر فرانسیس نے اعلان کیا کہ کمپنی اور اودھ کی حکومتوں کے درمیان جتنے معاہدے ہوئے تھے وہ سب کالعدم ہوگئے سوائے اُس ایک معاہدہ کے جو ادائی بقایا کے متعلق تھا۔ چنانچہ مسٹر فرانسیس نے نواب وزیر کے موجودہ جانشین کو اس بات پر مجبور کیا کہ ایک نئے معاہدہ پر دستخط کرے اور باوجودیکہ ایک وقت میں مسٹر فرانسیس ہی نے ہسٹنگز پر یہ الزام لگایا تھا کہ اُس نے کمپنی کی فوجیں کرائے پر نواب وزیر کو

دیں مگر اس وقت خود مسٹر فرانسیس نے وہی سودا کیا بلکہ کمپنی کی فوجوں کا کرایہ اور بھی بڑھا کر کیا۔ اسکے ساتھ ہی اُس نے نواب وزیر کو اس پر مجبور کیا کہ وہ صوبۂ بنارس کمپنی کے حوالہ کردے جسکی سالانہ آمدنی بائیس لاکھ تھی۔ متوفی وزیر نے دو کروڑ روپیہ جمع کیا تھا جو اُسکی محلسرا کے تہ خانوں میں دفن تھا۔ اُسکی ماں اور اسکی بیوہ بیگم نے ایک وصیت نامے کی روسے اُسکے تمام مال جائداد پر دعوے کیا مگر وہ وصیت نامہ کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ وزیر مرحوم کے ذمے کمپنی کا بہت قرضہ تھا اسکے علاوہ اُسکی سپاہ کو جسکی تعداد ایک لاکھ تھی سال بھر سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ جو خزانہ وہ چھوڑ مرا تھا وہ دراصل ریاست کا خزانہ تھا اور سب سے پہلے ریاست کے قرضوں کی ادائی اُس سے ہونی چاہئے تھی لیکن مسٹر برسٹو نے موجودہ نواب وزیر کو اس پر مجبور کیا کہ وہ ایک ایسے معاہدے پر دستخط کرے جسکی روسے کلکتہ گورنمنٹ کی کفالت کے تحت میں اُس خزانے کا تین چوتھائی حصہ اُن بیگموں کے حوالے کردیا گیا تھا۔ فوجوں نے اپنی تنخواہ کے لئے بغاوت کردی اور یہاں تک اطلاعیں پہنچ گئی تھیں کہ بیس ہزار نفوس کا کشت و خون بھی ہو گیا مگر کمپنی کی فوج کی موجودگی کی وجہ سے سلطنت آتش بغاوت سے بچ گئی؛

ہسٹنگز کے خلاف الزامات ۱۷۷۵ء

جیسے ہی یہ علم لوگوں کو ہوا کہ ہسٹنگز کے اختیارات مفقود ہو گئے ہیں اور جو ممبران کونسل برسر اقتدار ہیں اُنکی نظروں میں رسوخ پیدا کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہسٹنگز پر الزامات لگائے جائیں ویسے ہی خبریں لانیوالوں کا ایک جم غفیر کلکتہ پہنچ گیا اور ہسٹنگز کے مخالفوں کی نشست گاہوں کے برآمدے اُنسے بھرے نظر آنے لگے۔

طرح طرح کے الزامات اُس کے خلاف گھڑے گئے اور بڑے شوق سے ضابطے میں لے لئے گئے اور اتحاد ثلاثہ نے کونسل کے باضابطہ روزنامچے میں یہ ثبت کردیا کہ دنیا کی کوئی صنفِ خیانت ایسی نظر نہیں آتی جس سے

بچنے کی گورنر جنرل نے کوشش کی ہو اور جسکے ذریعے سے اُس نے چالیس لاکھ روپیہ اپنی ذات کے لئے پیدا کر لینے میں امداد نہ لی ہو۔ سب سے زیادہ اہم اور قابل یادگار وہ الزام تھا جو نند کمار کی طرف سے لگایا گیا تھا۔ یہ شخص ایک برہمن تھا جس نے کلکتہ اور مرشد آباد کے معاملات میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا اور اپنی مکاریوں اور سازشوں سے ایک کروڑ روپے کا مالک بنگیا تھا۔ یہ شخص اپنی بد دیانتی کی وجہ سے مجلس انتظامیہ کی طرف سے کونسل کی نظروں میں متواتر ذلیل ٹھہرایا گیا تھا۔ اس موقعے پر اس شخص نے پیشقدمی کی اور ہسٹنگز کے ذمے اس الزام کا ادعا کیا کہ گورنر جنرل نے منی بیگم سے تین لاکھ روپیہ اس غرض سے رشوت میں لیا ہے کہ بیگم مذکورہ کو نواب مرشد آباد کے محلات کے انتظام کا نگراں کار مقرر کر دیا ہے۔

مخالف ممبران کونسل نے یہ تجویز کی کہ خاص اجلاس کونسل میں نند کمار کو ہسٹنگز کے مقابلے میں کھڑا کریں لیکن ہسٹنگز نے صاف کہدیا کہ میں اپنے رتبہ اور شان سے واقف ہوں کہ میں گورنمنٹ کا اعلیٰ حاکم ہوں اور ایسے اجلاس کی صدارت نہیں کر سکتا جسکو رذیل و ذلیل معاشرت کے لوگوں کی موجودگی سے گندہ کیا جائے۔ اُس نے اجلاس برخاست کر دیا اور وہاں سے چلا گیا مگر اُسکے مخالفوں نے پھر جنرل کلیورنگ کو صدر بنا کر اجلاس شروع کیا اور نند کمار کو طلب کیا جس نے بھرے اجلاس ہسٹنگز کی زر پرستی کا خاکہ اُڑایا اور منی بیگم کی طرف سے ایک خط پیش کیا جو اس مابہ الاحتظاظ کی تصدیق کرتا تھا۔ کونسل نے فوراً یہ تجویز کی گورنر جنرل نے خفیہ طور پر ساڑھے تین لاکھ کی ناجائز رقم وصول کی ہے اس لئے اُس سے مطالبہ کیا جائے کہ یہ رقم سرکاری خزانے میں داخل کرے۔ بیگم نے بعد کی تحقیقات میں اس خط کے لکھنے سے بالکل انکار کیا اور بہترین مبصرین خطاطی نے شہادت دی کہ بیگم کے دستخط مصنوعی تھے لیکن مہر اصلی معلوم ہوتی تھی اور یہ راز اُس وقت تک نہیں کھل سکا

باب سوم
فصل اول

جبتک کہ نند کمار کی موت کے بعد نہایت ہی بڑے بڑے درجے کی مہروں کے چربے اُس کے بستے میں سے نہ برآمد ہوئے۔ اپنے دامن دیانت سے یہ دھبہ مٹانیکے لئے ہسٹنگز نے نند کمار اور اُسکے کئی دوسرے شریکوں پر سازش کرنیکی عدالت عالیہ میں نالش کی اور ججوں نے الزام کو نمبر پہ لیکر نند کمار کو ضمانت پر خلاصی دی۔

نند کمار کی پیشی اور موت کی سزا ۱۷۷۵ء

اس مقدمے کے شروع ہونیسے آٹھ ہفتے بعد کلکتے کے ایک ہندوستانی سوداگر نے نند کمار پہ ایک جعل کا مقدمہ قائم کیا۔ یہ مقدمہ پہلے پرانی عدالت میں قائم کیا گیا تھا اور نند کمار کو حوالات کر دیا گیا تھا مگر ہسٹنگز نے مداخلت کر کے اُسے وہاں سے چھڑا لیا تھا۔ عدالت عالیہ کے قیام کے بعد یہ مقدمہ اور دیگر زیر تجویز مقدمات عدالت عالیہ میں منتقل کر دئے گئے۔ نند کمار کے خلاف جعل کا الزام نہایت واضح شہادتوں سے ایسی جیوری کے اجلاس میں ثابت ہو گیا جسمیں کلکتے کے معزز ترین یورپین شامل تھے اور نند کمار کو مجرم قرار دیا گیا اور شہر کے نمایاں ترین موقعے پہ پھانسی پہ لٹکا دیا گیا۔ اس معاملے کو بھی عرصے تک ہسٹنگز کے دامن شہرت پر بدنما دھبہ سمجھا گیا۔ اعلیٰ اعلیٰ طبقوں میں بھی یہ چرچے کئے جاتے تھے کہ ہسٹنگز نے اس برہمن کو قانون کی آڑ لیکر قتل کرایا اور یہ پھانسی آئندہ الزامات کا گلا دبانیکے لئے دی گئی۔ لیکن حق کو ثابت کر دکھانیوالے زمانے نے شکوک کے بادل بالکل ہٹا کر چھوڑے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ ہسٹنگز نے جو الزام نند کمار پر لگایا تھا اور ہندوستانی تاجر نے جو الزام اُسپر لگایا تھا اُنکا ایک ہی وقت میں آجانا بالکل امر اتفاقی تھا۔ ذرہ بھر بھی شہادت ایسی نہیں تھی جو ہسٹنگز کا کسی طرح کا اُس جعل کے مقدمے سے تعلق ظاہر کرتی ہو اور ہمکو ہسٹنگز کا یہ قول صحیح ماننا پڑتا ہے کہ نہ اُس نے اس مقدمے کے دائر کرنیکا کوئی ایما کیا نہ اس میں کسی قسم کی امداد پہنچائی۔ البتہ جو سزا تجویز کی گئی تھی وہ اگرچہ اُس زمانے کے انگلستان کے خونخوار قوانین کے مطابق تھی مگر ہندوستان

(صفحہ ۱۸۰)

میں غیر منصفانہ تھی۔ کیونکہ ہندوستان کے قانون کے مطابق یہ جرم اتنا سنگین نہیں تھا نہ ہندوستانی اہل الرائے اسکو اس درجہ سنگین سمجھتے تھے مگر جس عدالت عالیہ کے سامنے اسکو پیش کیا تھا اُس نے انگریزی قانون کا اثر ہندوستانی مقدمے پر ڈال دیا۔ چنانچہ اس قتل کا بار دو فریقوں پر برابر برابر ڈالا جاسکتا ہے۔ اُن میں سے ایک فریق تو عدالت عالیہ تھی اور دوسرا فریق وہ حکومت ثلاثہ تھی جسکو اعلیٰ اختیارات حاصل تھے مگر اُن تینوں ممبروں نے اس پھانسی کی سزا کو اتنے عرصے تک بھی ملتوی کرنا پسند نہیں کیا کہ معاملہ کو انگلستان تک رجوع کیا جاسکے دراں حالیکہ اُن کو یہ علم ہوگا کہ وہاں سے بدنصیب مجرم کی جان بچ سکتی تھی۔

ہیسٹنگز کا استعفیٰ ۱۷۷۶ء

کونسل اور ہیسٹنگز نے اپنے تنازعات کو مجلس انتظامیہ کے سامنے رجوع کیا اور مجلس موصوفہ نے کثرت رائے سے ہیسٹنگز کو قابل الزام قرار دیا مگر مالکان کی مجلس علیہ نے اس الزام کو مسترد کردیا اور ہیسٹنگز کی قابلیت و دیانت پر اعتماد کا اظہار کیا کلکتہ میں روزمرہ کی فضیحتوں سے تنگ آکر اور اپنے مخالفوں کی خصومتوں اور توہینوں سے پریشان ہوکر ہیسٹنگز نے اپنے لندن کے وکیل کو یہ ہدایت بھیجدی تھی کہ اُسکی طرف سے استعفیٰ داخل کردے مگر دو تین ماہ بعد جب پھر اُسکے حواس برجا ہوئے تو اُس نے وکیل مذکور کو یہ ہدایت بھیجی کہ وہ استعفیٰ واپس لے لے لیکن وکیل مذکور نے جب کہ لیڈن ہال اسٹریٹ اور ڈاؤننگ اسٹریٹ یعنے کمپنی اور وزارت میں دونوں جگہ ہیسٹنگز کے خلاف ہوا چلتی دیکھی تو اس نے اپنی ذمہ داری پر مجلس انتظامیہ سے یہ ظاہر کیا کہ میں اپنے موکل کی دست برداری پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد کئی مہینے تک مجلس انتظامیہ میں ہیسٹنگز کے مخالفین و موئدین کا بڑا سخت مباحثہ ہوتا رہا جس کا فیصلہ کثرت رائے سے یہی ہوا کہ ہیسٹنگز اپنے عہدے سے استعفیٰ پیش کرچکا ہے دراں حالیکہ مباحثہ کرنیوالوں کے سامنے وہ کاغذات رکھے تھے جو ہیسٹنگز نے واپسی استعفیٰ کے متعلق بھیجے تھے مگر اُنھوں نے

باب سوم
فصل اول
(صفحہ ۱۸۱)

اس اسامی کو پُر کرنیکا انتظام شروع کردیا۔ اس رد و بدل کی خبروں نے کلکتہ میں سخت ہلچل پیدا کردی۔ کونسل کے اعلیٰ ممبر جنرل کلیورنگ نے انصرام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لینے کا ارادہ کرلیا اور اُسکے ہمعصر ممبروں نے اسکی گورنر جنرلی کا حلف بھی لے لیا لیکن ہسٹنگز اپنے استعفیٰ کی واپسی کے عذر پر اڑا ہوا تھا اسلئے اُس نے قلعے اور خزانے کی کنجیاں حوالے کرنے سے صاف انکار کردیا اور تمام فوجی اور ملکی حکام کے نام روبکار جاری کردئے کہ سوائے اُس کے کسی دوسرے کے احکام کی تعمیل نکریں۔ یہ تنازعہ مخاصمت کی صورت اختیار کرتا جاتا تھا جو حکومت کے اغراض کے لئے سخت مضر ہوتا۔ ہسٹنگز نے یہ سلامت روی کا طریقہ اختیار کیا کہ اس مسئلے کو تصفیئے کے لئے عدالت عالیہ میں رجوع کردیا اور عدالت موصوفہ نے اسپر متواتر مباحثہ شروع کیا اور ہر ہر پہلو پر صبح کے چار بجے تک غور کرکے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ سر جان کلیورنگ کا ادعائے حکومت ناجائز ہے۔ اسکے تھوڑے ہی دن بعد سر جان کلیورنگ کا انتقال ہوگیا اور ہسٹنگز نے اپنی المضاعف رائے کے زور سے پھر اپنے اختیارات حاصل کرلئے۔ لیکن مسٹر فرانسیس نے نہایت اہتمام کے ساتھ ہر سیاسی۔ فوجی اور انتظامی معاملے میں اسکی مخالفت کرنی شروع کردی۔ آخر کار یہ قضیہ بھی اُس زمانے کے وحشیانہ طریقے کے مطابق طے ہوا یعنے ہسٹنگز اور مسٹر فرانسیس نے ڈیوئیل (یعنے مقاتلہ) کیا جس میں مسٹر فرانسیس ہسٹنگز کے پستول سے زخمی ہوگیا اور اسکے بعد ہی انگلستان کو واپس چلا گیا۔

فصل دوم

مرہٹوں سے جنگ بازیاں

اب ہمیں پھر اُن معاملات کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جنکا تعلق مرہٹہ برادری سے تھا جسکی نظم و ترتیب میں اہتمم بالشان انقلابات ظہور پذیر

ہوتے جارہے تھے۔ چاروں مرہٹہ سردار یعنے سندھیا۔ ہلکر۔ گیکوار اور بھونسلا جو دراصل پیشوا کے سپہ سالار تھے رفتہ رفتہ پیشوا کے قابو سے نکلتے جارہے تھے اور خود مختار رئیسوں کی حیثیت حاصل کرتے جارہے تھے جنکے تصرف میں اُس وقت تمام مرہٹہ سلطنت کی دو تہائی آمدنی تھی۔ اُس سلطنت کی فوجی قوت جس میں ایک لاکھ اعلیٰ درجہ کے سوار اور اُسی کے تناسب سے پیدل اور توپ خانہ تھا اب اکیلے پیشوا کی نگرانی ہی میں نہیں رہی تھی بلکہ اُسکا بڑا حصہ اُن نوخیز رئیسوں کے قبضے میں تھا اور اُن میں سے ہر رئیس اپنے اپنے اغراض اور مقاصد کی تکمیل میں علٰحیدہ علٰحیدہ مصروف تھا۔ نوجوان پیشوا مادھوراؤ جو اپنی برادری اور مجلس شوریٰ میں کسی سے کمتر اقتدار و قابلیت نہیں رکھتا تھا نومبر ۱۷۷۲ء میں انتقال کرگیا اور اُسکی جگہ اُسکا چھوٹا بھائی نرائن راؤ گدی نشین ہوا جس نے مرہٹہ فوجوں کو دریائے گنگا کے کنارے سے واپس بلالیا تھا جس کا حال ہم اس سے پہلے باب میں لکھ چکے ہیں۔ نوماہ کی مختصر حکومت کے بعد نرائن راؤ قتل کردیا گیا اور عام مرہٹوں کا یہ خیال تھا کہ یہ قتل نرائن راؤ کے چچا رگھوبا کے ایما سے وقوع میں آیا ہے۔ جو بذات خود بہادر سپاہی تھا مگر جنم کا نسازنصیب اور نہایت کوتہ اندیش تھا اور ہمیشہ اُسے ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سنہ ۱۷۷۳ء میں رگھوبا نے اس خالی تخت سلطنت پر جلوہ کیا اور فوراً نواب نظام الملک کے ساتھ لڑائی شروع کردی۔ ریاست کا کچھ علاقہ مرہٹوں کے حوالے ہوگیا۔ مگر پھر بھی علاقہ رگھوبا کو واپس دینا پڑا۔ اسکے بعد اُسنے حیدرعلی کو سنبھالا لیکن وہاں سے سوائے کورے وعدوں کے اور کچھ وصول نہو سکا۔ ان جنوبی مہمات سے اُسے یکایک دارالحکومت کو اسلئے واپس آنا پڑا کہ اُس کے خلاف وزرائے پونا نے ایک زبردست اتحاد قائم کرلیا تھا ان وزیروں کو یہ اطلاع ملی تھی کہ متوفی پیشوا کی بیوہ کے کوئی بال بچہ ہونیوالا ہے۔ اسلئے اُنھوں نے اُسکی حفاظت کی غرض سے اُسے چپکے سے ایک پہاڑی قلعے میں بھیجدیا مگر صرف اس خیال سے کہ کہیں لڑکی نہ پیدا ہوجائے کچھ برہمنیاں بھی

(صفحہ ۱۸۲)

باب سوم
فصل دوم

خفیہ طور سے اُسکے ساتھ خدمت کرنے کے لئے بھیجدیں ۱۷۷۴ء میں اُس بیوہ رانی کے بیٹا پیدا ہوا جسکا نام مادہوراؤ رکھا گیا اور اُسکی تخت نشینی کا پیشوا مادھوراؤ ثانی کے نام سے اعلان کرکے ایک مجلس مدار المہامی انصرام حکومت کے لئے قائم کردی گئی۔ رگھوبا نہایت تعجیل کے ساتھ پونا کو واپس آیا اور سب سے بڑے مرہٹہ سپہ سالار مراری راؤ کی امداد سے جس نے کلائیو اور لارنس کے ساتھ تیغ آزمائی کی تھی مدار المہامی کی فوج کو شکست فاش دیدی لیکن بجائے اسکے کہ وہ اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا دار الحکومت تک بڑھ جاتا اور اُس وقت کی ابتری و پریشانی سے فائدہ اُٹھالیتا اُس نے اپنا رُخ برہان پور کی طرف پھیر لیا اور نربدا سے پار اُتر گیا۔ یہاں سندھیا اور ہلکر بھی اُس سے بندیلکھنڈ سے واپس آتے ہوئے ملے مگر وہ گیکوار کی فوجوں کو اپنا شریک کرنیکے لئے کوچ کرتا ہوا گجرات چلا گیا۔

گورنمنٹ بمبئی سے نامہ و پیام ۱۷۷۵ء

اب رگھوبا نے پریزیڈنٹ بمبئی کے ساتھ نامہ و پیام شروع کیا اور فوجی امداد کے معاوضہ میں بہت سا روپیہ اور علاقہ بھی پیش کیا جو گورنمنٹ بمبئی نے بڑے شوق سے منظور کرلیا۔ کمپنی کے مقبوضات اس طرف ایک صدی سے صرف بمبئی پر محدود تھے اور اُسکی للچائی ہوئی نظریں بندرگاہ بسین اور جزیرۂ سالسٹ پر عرصے سے پڑ رہی تھیں جنکے اور بمبئی کے درمیان صرف ایک تنگ خلیج حائل تھی۔ پریزیڈنٹ نے پیشوا کی اس شرط پر فوجی امداد کرنیکا وعدہ کیا کہ پیشوا تمام فوجی اخراجات ادا کرے اور یہ دونوں مقبوضات علی الدوام کمپنی کے حوالے کردے۔ مگر رگھوبا اُس بندرگاہ اور اُس جزیرے کو اپنے قبضے سے نہیں نکلنے دینا چاہتا تھا کیونکہ وہ مرہٹوں کو اسلئے بے انتہا عزیز تھے کہ تیس سال ہوئے ۱۷۳۹ء میں اُنکو ایک یورپین دولت پرتگال سے چھینا گیا تھا۔ بہر حال رگھوبا کے ساتھ ایک معاہدہ طے ہوگیا اور ڈیڑھ ہزار کی ایک برطانوی فوج اُسکی امداد کے لئے بھیجدی گئی ابھی یہ نامہ و پیام جاری تھا کہ بمبئی گورنمنٹ کو یہ اطلاع ملی کہ گوآ سے ایک زبردست مہم بسین اور

(صفحہ ۱۸۳)

سالسٹ پر پھر قبضہ کرنیکے لئے بھیجی جانیوالی ہے اور چونکہ بمبئی گورنمنٹ بمقابلہ مرہٹوں کے پرتگالیوں کو بدتر ہمسایہ سمجھتی تھی اسلئے گورنمنٹ مذکورنے ان دونوں مقامات پر عارضی قبضہ کرلینے کی کارروائی شروع کردی۔ ادھر مجلس مدار المہامی نے سندھیا اور ہلکر کو رگھوبا کی شرکت سے باز رکھنے میں کامیابی حاصل کرلی اور ایک زبردست فوج ۱۷۷۴ء میں رگھوبا پر حملہ کرنیکے لئے روانہ کردی۔ مقام واسڈ پر رگھوبا کو اس فوج نے سخت شکست دی اور رگھوبا اپنے دس ہزار سواروں کے ساتھ جان بچاکر بھاگا اور کرنل کیٹنگ کے لشکر میں پناہ گزیں ہوا جو اُس وقت بمبئی کی امدادی فوج کو لیکر سورت پہنچ چکا تھا۔

معاہدۂ سورت ۱۷۷۵ء

اس مقام پر ایک معاہدے کا مسودہ رگھوبا کی منظوری کے لئے پیش کیا گیا جسکی شرائط یہ تھیں کہ بمبئی گورنمنٹ تین ہزار فوج سے رگھوبا کی امداد کرکے اُسے منصب پیشوائی پر بحال کردے اور اُسکے معاوضے میں رگھوبا اتنا علاقہ کمپنی کودے جسکی سالانہ آمدنی اُنیس لاکھ روپے ہو اور اٹھارہ لاکھ روپے نقد دے اور سالسٹ اور بسین کو علی الدوام کمپنی کے حوالے کردے۔ یہ وقت ایسا سخت تھا کہ رگھوبا کسی طرح اس معاہدے کے منظور کرنے میں پس و پیش نہیں کرسکتا تھا۔ اس معاہدۂ سورت نے بمبئی گورنمنٹ کو اول جنگ مرہٹہ میں پھنسایا اور یہ معاہدہ کلکتہ کی اعلیٰ کونسل اور وارن ہسٹنگز کے استمزاج بغیر طے کرلیا گیا تھا۔

جنگ اراس ۱۷۷۵ء

بمبئی گورنمنٹ نے اس طرح مجلس مدار المہامی سے لڑائی مول لیکر کرنل کیٹنگ کو احکام بھیجے کہ وہ فوراً پونا پر چڑھائی کردے۔ کرنل کیٹنگ نے مرہٹہ فوج کو مقام اراس پر زبردست قدم جمائے ہوئے پایا اور یہ وہ مقام تھا جہاں انگریزی اور مرہٹہ فوجیں پہلی مرتبہ میدان میں ایک دوسرے کے مقابلے کے لئے آئیں البتہ اس سے پہلے ایک مرتبہ ۱۶۶۹ء میں غیر فوجی انگریزوں نے مقام سورت کے کارخانے میں سیواجی کی دلیرانہ مدافعت ضرور کی تھی۔ اگرچہ مرہٹہ فوجیں انگریزی فوج سے دس گنی

باب سوم
فصل دوم

کے قریب تھیں اور آپس میں دونوں کا کوئی جوڑ ہی نہیں تھا مگر مرہٹہ سپہ سالاروں کو سخت شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ بدحواس ہو کر نربدا پار بھاگتے چلے گئے اور راستے میں اپنی توپیں بھی نربدا میں غرق کر گئے۔ گیکواڑ جو اب تک الگ تھلگ رہا تھا اب جلدی سے رگھوبا کی مدد پر آمادہ ہو گیا اور اسکو بہت کچھ مالی امداد بھی دینے کا وعدہ کیا اور کمپنی کو بھی بھڑوچ کی آمدنی دینے کا وعدہ کیا۔ اس شکست کے ساتھ ہی اس طرف مرہٹوں کے بیڑے کو انگریزی بیڑے نے بھی شکست دیدی اور یہ فوجکشی انگریزوں کی امیدوں سے بہت زیادہ کامیاب ہو گئی اور بمبئی کی حقیر گورنمنٹ کے قبضے میں [illegible] سالانہ کا علاقہ آگیا۔ ادھر پونا کی گورنمنٹ پر بری بنی اور نواب نظام الملک والی حیدرآباد نے اس سے بہت سا علاقہ حاصل کر لیا تو

کمپنی کی ان تمام خوش آئند امیدوں پر مسٹر فرانسیس اور اُس کے ساتھیوں کی حماقتوں اور ہٹ دھرمیوں نے پانی پھیر دیا۔ اُن سب نے اس معاہدے کو غیر مدبرانہ۔ مخدوش اور غیر منصفانہ قرار دیا اور سب سے بڑا سقم اسمیں یہ نکالا کہ وہ اعلیٰ کونسل کی منظوری کے بغیر طے کیا گیا تھا درحالیکہ اعلیٰ کونسل کو دوسرے احاطوں کی چھوٹی حکومتوں کے معاملات کی نگرانی کرنیکے اختیارات تھے۔ چنانچہ کلکتہ کی کونسل نے یہ احکام قطعی صادر فرمادئے کہ معاہدے کو کالعدم سمجھا جائے اور انگریزی فوجوں کو میدان جنگ سے فوراً واپس طلب کر لیا جائے۔ اس معاہدے کو تو وارن ہسٹنگز نے بھی پسند نہیں کیا تھا اگر موجودہ صورت معاملات کو اُس نے مدبرانہ نظر سے دیکھکر یہ رائے ظاہر کی تھی کہ چونکہ اب کمپنی کی گورنمنٹ میدان جنگ میں اُتر چکی ہے اسلئے اس جنگ کو دلیری کے ساتھ چلانا اور امکانی تعجیل کے ساتھ ختم کرنا چاہئے۔ مگر کونسل نے کثرت رائے سے کرنل اپٹن کو اس غرض سے پونا بھیجا کہ بمبئی گورنمنٹ کی اب تک کی تمام کارروائی سے باضابطہ بے تعلقی کا اظہار کردے اور پونا کی مجلس مدار المہامی سے علیحدہ نامہ و پیام کرے۔ باوجودیکہ

بمبئی گورنمنٹ نے باصرار یہ فہمائش کی کہ یہ نہایت کوتہ اندیشی ہے کہ اب تک جو اقتدار گورنمنٹ مذکورہ کو حاصل ہوچکا ہے اسے اس طرح مٹایا جائے فتح مند فوجوں کو میدان سے واپس بلایا جائے اور انگریزوں کے اقرار صلح کو توڑ کر قومی توہین روا رکھی جائے مگر اعلیٰ کونسل نے ایک سماعت نہیں کی۔

کرنل اپٹن نے پونا پہنچکر قابو پرست وزیروں کو انگریزی کونسلوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھانے میں آمادہ پایا۔ انھوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مدبر گورنر جنرل کی اس دوراندیشی کی تعریف کی جس نے صلحنامہ مرتب کرنیکے احکام جاری فرمائے تھے لیکن جسوقت کرنل اپٹن نے یہ تجویز کی کہ سالسٹ اور بسین کمپنی کے حوالے کردیئے جائیں تو وزرائے پونا نے نہایت متکبرانہ انداز اختیار کرکے یہ مطالبہ کیا کہ رگھوبا کو فوراً ہمارے حوالے کردیا جائے اور اب تک جو مقبوضات کمپنی کے قبضے میں آگئے ہیں انکو فوراً واگذاشت کیا جائے۔ ان متکبرانہ مطالبات نے مسٹر فرانسیس اور اسکے خواجہ تاشونکو بھی مشتعل کردیا اور انھوں نے بھی رگھوبا کی مدد کرنیکا عزم کرلیا۔ چنانچہ فوجوں کو پھر میدان میں جانیکا حکم دیدیا گیا اور کلکتہ سے روپیہ بمبئی کو بھیجا گیا۔ لیکن پونا گورنمنٹ تھوڑے سے مزید جوش و خروش کے بعد ٹھنڈی پڑتی چلی اور مصالحت پر آمادہ نظر آئی چنانچہ کرنل اپٹن کے ساتھ ۱۷۷۶ء میں معاہدہ پورندار طے کیا گیا۔ اس معاہدہ کی شرائط یہ تھیں کہ رگھوبا اپنی فوجوں کو توڑ دے اور گوداوری کے کنارے ایک مقام پر جاکر امن سے بیٹھ جائے کمپنی نے جتنے مقبوضات حاصل کرلئے تھے وہ سب واگذاشت کئے جائیں سوائے سالسٹ کے جسکو اگر گورنر جنرل چاہے تو اپنے قبضے میں رکھ سکے اور بارہ لاکھ روپیہ بطور عنایت اخراجات جنگ کے لئے دیا جائے۔

جب ہم ان تمام فوائد پر نظر کرتے ہیں جو انگریزوں کو اس فوجکشی میں حاصل ہوچکے تھے تو ہمکو پریذیڈنٹ بمبئی کا اس رائے میں ہم آہنگ ہونا پڑتا ہے

باب سوم
فصل پنجم

کہ یہ معاہدہ کمپنی کے اغراض و نیکنامی کے لئے حد سے زیادہ مضرت رساں تھا۔ یہ رگھوبا کے ساتھ سخت زبون بدعہدی تھی اور اس نے اُس تمام اعتماد کو خاک میں ملا دیا جو ہندوستان کے رئیسوں کو انگریزی گورنمنٹ کے قول و قرار پر ہوتا جاتا تھا۔ اور اُس نے گورنمنٹ پونا کو اپنی قوت کا ایسا غلط اندازہ کرا دیا جس سے آئندہ بہت سی مشکلات پیش آکر رہیں۔

(صفحہ ۱۸۵)

اس معاہدے پر دستخط ہو جانیکے چار ماہ بعد مجلس انتظامیہ کا مراسلہ وصول ہوا جس میں معاہدہ سورت کو پسند فرمایا گیا تھا اور یہ ہدایت کی گئی تھی کہ رگھوبا نے جو علاقہ حوالے کیا ہے وہ کمپنی کے قبضے میں رکھا جائے اور علاوہ احاطۂ بمبئی کے دوسری گورنمنٹیں بھی رگھوبا کی امداد کرنے میں حصہ لیں۔ بمبئی گورنمنٹ کو جو ذلت اس معاملے میں اعلیٰ کونسل کی بے موقع مداخلت کی وجہ سے اُٹھانی پڑی تھی اُس سے متاثر ہو کر اُس نے معاہدۂ پورندر کو ہوا میں اڑا دیا اور رگھوبا کو بمبئی بلا کر اُسکا ایک معقول درماہہ مقرر کر دیا۔ پونا گورنمنٹ نے اس نقض عہد کے خلاف احتجاج کیا مگر اب اس گورنمنٹ کی قوت کمزور پڑ گئی تھی کیونکہ یہاں کے پرانے وزیر سکھارام باپو اور نئے وزیر نانا فرنویس میں مخالفت پیدا ہو گئی تھی۔ پونا کے معاملات میں مزید پیچیدگیاں اس وجہ سے پڑ گئیں کہ مارچ ۱۷۷۷ء میں ایک فرانسیسی اہلِ فریب مسمی سینٹ لیوبین پونا پہنچا اور یہ ظاہر کیا کہ مجھے شاہِ فرانس نے سفیر بنا کر بھیجا ہے اور اب انگلستان اور فرانس میں لڑائی چھڑنے والی ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے شاہ نے یہ پیام لیکر بھیجا ہے کہ فرانس کی طرف سے پونا کو ڈھائی ہزار یورپین سپاہی اور دس ہزار ہندوستانی فوج کے لئے آلاتِ حرب اور قواعد سکھانیکے لئے اور سپہ سالاری کرنیکے لئے افسر پیش کئے جاتے ہیں۔ نانا فرنویس نے اُسکی بات کا اعتبار کر لیا اور اُسکو بندرگاہ چول اس غرض سے سپرد کر دیا کہ وہاں قیام کر کے اُن افواج کا انتظار و استقبال کرے۔

اسکے بعد دوسرا مراسلہ مجلس انتظامیہ کی جانب سے وصول ہوا جسمیں اُن نقصانات پر افسوس ظاہر کیا گیا تھا جو معاہدۂ پورندر کی رو سے

باب سوم
فصل دوم

کمپنی کو برداشت کرنے پڑے تھے اور یہ لکھا گیا کہ مجلس انتظامیہ اس معاہدے پر قائم رہنے کا فیصلہ ضرور کر چکی ہے مگر وہ بمبئی گورنمنٹ کو اجازت دیتی ہے کہ اگر اس معاہدے کی کسی شرط کی تکمیل میں فریق ثانی کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوتی دیکھے تو وہ خود فوراً رگھوبا کا ساتھ دے۔ چنانچہ پریزیڈنٹ بمبئی کو بہت جلد کئی موقع ایسے معاہدے کی تعمیل سے کوتاہی کرنیکے مل گئے جس کا احترام کرنیکا کبھی مرہٹوں کا ارادہ ہی نہیں تھا اور اُس نے رگھوبا کی امداد کرنیکی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان تیاریوں میں زیادہ سرگرمی اس واقعے سے ہوگئی کہ پونا کی مجلس شوریٰ میں یکایک ۱۷۷۴ء میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوگیا کہ رگھوبا کے جنبہ دار برسر اقتدار ہوگئے اور پریزیڈنٹ بمبئی کے پاس پونا سے ایک سفیر یہ استدعا لیکر آیا کہ رگھوبا کو فوجی حفاظت کے ساتھ بہت جلد پونا پہنچا دیا جائے۔ چند ہی ماہ کے عرصے میں ایک دوسرا انقلاب آیا جس نے پھر نانا فرنویس کی جماعت کو غالب کر دیا اور رگھوبا کی پارٹی کو ہٹا دیا مگر بمبئی کونسل اب بھی رگھوبا کا ساتھ دینے پر اڑی رہی۔ بمبئی کونسل نے رگھوبا کے ساتھ اپنی جان لڑا رکھی تھی کیونکہ وہ اسکو اپنی عزت و آبرو کا معاملہ سمجھتے تھے چنانچہ بغیر کافی تیاریوں کے۔ بغیر کسی سے اتحاد کیئے ہوئے حتیٰ کہ بغیر کسی ایسے سپہ سالار کے جسپر بھروسہ کیا جاسکے کونسل مذکور نے یہ عزم کر لیا کہ ایک مٹھی بھر آدمیوں کو پوری مرہٹہ سلطنت کے مقابلے کے لئے جھونک دیں۔ نانا فرنویس نے بھی اس آنیوالے طوفان کا سد باب کرنیکی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے اپنی افواج میں اضافہ کیا۔ اپنے قلعوں میں کافی رسد کا انتظام کر لیا اور اپنے بیڑے کو از سر نو مرتب و مسلح کر لیا۔

(صفحہ ۱۸۶)

مہم پونا ۱۷۷۸ء

اس وقت رگھوبا کے ساتھ ایک تازہ معاہدہ کیا گیا جو اپنے شرائط کے اعتبار سے معاہدۂ سورت سے کچھ ہی مختلف تھا۔ چار ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ جسمیں چھ سو یورپین تھے مرہٹہ دارالحکومت کو فتح کر لینے کے لئے کرنل ایجرٹن کی سرکردگی میں بھیجا گیا جو ہرگز اس ذمہ داری کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ اس فوج کے ساتھ علاوہ دیگر مواشی کے اُنیس ہزار تو

باب سوم
فصل دوم

صرف بیل ہی تھے چنانچہ یہ مہم دو میل روزانہ کے حساب سے چلتی رہی اور دشمن کی فوجیں مزے میں اسکے ارد گرد موقع موقع سے جمع ہونے لگیں کرنل ایجرٹن نے زمام قیادت کرنل کو کیرن کے سپرد کردی لیکن تمام فوجی نقل و حرکت کی ذمہ داری و نگرانی کرنل کرناک سے متعلق تھی جو اس فوج کے ساتھ بطور ملکی افسر کے بھیجا گیا تھا۔ انگریزی فوج جب تلی گانو پہنچی تو اسکو آتش زدہ پایا اور وہاں اُسے یہ خبر ملی کہ مرہٹوں نے چنچوڑ کو بھی بلکہ خود دارالحکومت کو بھی آگ لگادینے کا ارادہ کرلیا ہے۔ کرنل کرناک پر یہ بے آب و دانہ مرجانیکا اس قدر خوف غالب ہوا کہ اگرچہ وہ اس وقت پونا سے صرف اٹھارہ میل کے فاصلے پر تھا اور اسکے لشکر میں ابھی اٹھارہ دن کا توشہ باقی تھا مگر اُس نے اول تو پونا سے نامہ و پیام کی سلسلہ جنبانی کی پھر یکایک پسپائی کا عزم کرلیا۔ اس سلسلہ جنبانی کے جواب کا انتظار کئے بغیر کرنل موصوف نے اپنی بھاری توپوں کو ایک تالاب میں پھینکدیا اور ہلکا ہوکر بھاگا اور اسکے تعاقب میں دشمن بھی سرگرمی سے چلا۔

وڑگانو کا اقرار نامہ ۱۷۷۹ء

۱۲- جنوری ۱۷۷۹ء کی شام کو انگریزی فوج نے وڑگانو میں پڑاؤ کیا۔ مرہٹوں نے بھی رات کے وقت اپنی توپیں وہاں لگادیں اور صبح ہوتے ہی انگریزی فوج پر بڑے زور شور سے گولہ باری شروع کردی۔ کرنل کرناک گھبرا کر پکار اُٹھا کہ اب پسپائی بھی ممکن نہیں چنانچہ اُس نے نانا فرنویس سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی مگر نانا فرنویس نے یہ جواب دیدیا کہ کسی قسم کے شرائط کی سماعت اُس وقت کی جاسکتی ہے جبکہ رگھوبا کو حوالے کردیا جائے۔ کمشنر اس وقت اس مطالبے کی تعمیل ضرور کرگزرتا مگر رگھوبا نے انگریزوں کو اس ذلت سے اس طرح بچالیا کہ اُس نے اپنے تئیں سندھیا کے حوالے کردیا اور اس سردار کی مداخلت سے انگریزی فوج بھی اس طرح تباہی سے بچ سکی کہ اُس نے ایک اقرار نامہ داخل کیا کہ ۱۷۷۳ء سے اب تک جتنے مرہٹہ مقبوضات کمپنی کے قبضے میں جاچکے ہیں وہ سب واپس کئے جائینگے اور یہ پہلا موقع تھا کہ برطانوی گورنمنٹ کو

اسباب پر مجبور ہونا پڑا کہ ایاسے فاتح دشمن کے سامنے ایفائے عہد کی ضمانت بھی پیش کرے۔ مجلس انتظامیہ نے کرنل ایجرٹن۔ کرنل کوک برن اور کرنل کرناک کو فوراً کمپنی کی ملازمت سے برخاست کردیا۔ مگر اس وقت بمبئی مرہٹوں کے سامنے بے پناہ تھی اور اُسکی سلامتی کا انحصار جنرل گوڈارڈ کی ہندوستان سے آنیوالی امدادی مہم پر باقی رہگیا تھا؛

جنرل گوڈارڈ کی مہم ۱۷۷۸ء

ہمیں پھر ایک سال پیچھے ہٹنا چاہیئے۔ ہیسٹنگز چونکہ کونسل میں اپنا اقتدار پھر حاصل کرچکا تھا اسلیئے اُس نے بمبئی کونسل کی اس تجویز کی تائید کی تھی کہ رگھوبا کا ساتھ دیا جائے اور اس غرض کے لیئے اُس نے ہندوستان کے پار کلکتے سے بمبئی کو ایک فوجی مہم بھیجنے کی بھی منظوری صادر فرمائی تاکہ پونا میں فرانسیسیوں کے توڑ جوڑ کا ردعمل کیا جاسکے اور بمبئی گورنمنٹ کے اقتدار کو مستحکم کیا جاسکے۔ (صفحہ ۱۸۷) اس فوج میں چار پانچ ہزار کے درمیان آدمی تھے اور اسکو حکم دیا گیا تھا کہ جمنا کے کناروں سے بمبئی تک ہزار میل کا وہ اجنبی راستہ طے کرے جسمیں جگہ جگہ اُن ریاستوں سے گزرنا پڑتا تھا جنکے متعلق دوستی کا کم اور دشمنی کا زیادہ گمان تھا۔ مسٹر ڈانڈاس وزیر ہند نے اس مہم کو ہسٹینگز کے پُر وحشت کارنامے سے نامزد کیا تھا لیکن ایسے ہی پُر وحشت کارناموں کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک مٹھی بھر غیر ملکیوں نے ہندوستان میں انگریزی اقتدار و حکومت کو قائم کرلیا۔ اس مہم کی سرکردگی جنرل گوڈارڈ کے سپرد کی گئی جو برطانوی ہند کی تاریخ میں سربرآوردہ ترین نام آوروں میں سے تھا۔ جنرل گوڈارڈ نے اس قدر ضابطہ اپنی فوج میں قائم رکھا۔ اس قدر بندھے ہوئے وقت پر ادائگیاں کرتا رہا اور راستے میں جو رئیس یا قبیلے اسکو ملے انسے اس قدر تالیف قلوب کے ساتھ پیش آتا رہا کہ وہ اسکی تمام ضروریات کو بطیب خاطر پورا کرتے چلے گئے۔ رئیس بھوپال نے اپنی فیاضانہ مہمان نوازی سے اس معاملے میں خاص طور سے امتیاز حاصل کیا دراں حالیکہ پونا گورنمنٹ نے اسکو سخت انتقام کی دھمکی بھی دی تھی۔

برہانپور پہنچکر جنرل گوڈارڈ کو بمبئی کی فوج کی بدطالعی کی خبر ملی اور اُس نے اپنا سورت کا راستہ چھوڑ دیا اور اس طرح اُس بیس ہزار فوج کی ڈبھیڑ سے بچگیا جو پونا سے اُسکا راستہ روکنے کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ جنرل گوڈارڈ کے سواحل غربی پر وقت سے پہنچ جانے اور اس شاندار مہم کی شہرت ہوجانے نے احاطۂ بمبئی کو تباہی سے بچالیا اور برطانوی تلوار کی دھاک پھر قائم کردی۔ بمبئی گورنمنٹ نے اور ہسٹنگز نے ہم آہنگ ہوکر اقرارنامۂ ورگانو کو کالعدم قرار دیدیا اور جنرل گوڈارڈ کو گورنر جنرل نے ہدایت کی کہ پونا گورنمنٹ کے ساتھ معاہدۂ پورندر کی بنا پر ازسرنو نامہ و پیام شروع کرے۔ اسی اثناء میں سندھیا نے رگھوبا کے بھگا دینے میں خفیہ امداد کی اور وہ پونا سے بھاگ کر سیدھا سورت پہنچا جہاں جنرل گوڈارڈ نے اسکی نہایت درجہ آؤ بھگت کی اور پچاس ہزار روپے مہینہ اسکا وظیفہ مقرر کردیا۔ رگھوبا کی اس طرح آؤ بھگت ہونے سے پونا گورنمنٹ کو سخت اشتعال ہوا چنانچہ اُس نے اس اتحاد میں شریک ہونیکا عزم کرلیا جو حال ہی میں کمپنی کے خلاف قائم کیا گیا تھا۔ اور جنرل گوڈارڈ نے جو اپنے مطالبات کا آخری جواب مانگا تھا اسکی تعمیل میں گورنمنٹ پونا نے صاف یہ پیام بھیجدیا کہ کسی قسم کے معاہدے کی گفتگو صرف اس وقت کی جاسکتی ہے جبکہ رگھوبا کو حوالے کردیا جائے اور سالسٹ کو واپس کردیا جائے۔ چنانچہ جنرل گوڈارڈ نے مرہٹہ پیامبروں کو رخصت کرکے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ اسکے ساتھ ہی جنرل گوڈارڈ نے ایک مجارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ گیکواڑ کے ساتھ طے کیا جسکی شرائط یہ تھیں کہ پیشوا تین ہزار سوار کی جمعیت سے انگریزی لشکر میں شریک ہوجائے اور ماہی کے شمال جتنے مرہٹہ مقبوضات ہیں اُن پر گیکواڑ قبضہ کرے اور جنوب کے بعض اضلاع پر کمپنی کو قبضہ کرلینے دے۔ ۱۰-فروری ۱۷۷۹ء کو جنرل گوڈارڈ نے احمدآباد کا شاندار شہر فتح کرلیا جو آجکل گجرات کا صدر مقام ہے۔ اور سندھیا اور ہلکر کی بیس ہزار حملہ آور فوج کو شکست دینے کے بعد نربدا کے

(صفحہ ۱۸۸)

کنارے اس موسم کے لیئے ٹھیر گیا ہ

تسخیر گوالیار ۱۷۸۰ء

اسی دوران میں جو فتوحات انگریزی فوجوں کو ہندوستان کے شمال جنوب میں حاصل ہوئیں وہ بھی اتنی ہی شاندار تھیں ہیسٹنگز نے دو ہزار چار سو پیدل معہ سوار اور توپ خانے کے ایک نہایت اولوالعزم اور پختہ کار افسر میجر پوپہم کی سرکردگی میں روانہ کیئے تاکہ چھوٹی سی ریاست گوہد کی سندھیا کی یورش سے حفاظت کریں جو آگرہ سے ساٹھ میل جانب جنوب مشرق واقع تھی۔ میجر پوپہم فروری ۱۷۸۰ء میں روانہ ہوا اور لاہار کو تسخیر کر کے بغیر قلعہ شکن توپوں کی موجودگی کے محض اپنے بہادر سپاہیوں پر بھروسہ کر کے قلعۂ گوالیار کی طرف کوچ کر دیا جو کہ ایک اونچی عمودی پہاڑی پر بالکل گول بنا ہوا تھا اور ہندوستان بھر میں ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ سر آئر کوٹ کرناٹک کے بوڑھے سورما نے جو اس زمانے میں بنگال کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا اس قلعے کے تسخیر کرنیکی کوشش کو دیوانگی سے تعبیر کیا مگر پوپہم نے اس شاندار کارنامے کے سرانجام کے لیئے جان ہتیلی پر رکھ لی تھی اور اس قلعے کا محاصرہ کیئے دو ماہ تک چپ چاپ پڑا ہوا اپنے منصوبے پکاتا رہا۔ ۳۔ اگست ۱۷۸۰ء کی رات کو کپتان بردس کی سربراہی میں بیس یورپین جنگ آزما اور دو کمپنیاں دیسی فوج کی چار افسروں کی سرکردگی میں چٹانوں کے زینوں اور فصیلوں پر اپنی جنگی سیڑھیاں لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ قلعہ کے محافظ دستے پر ایسی بدحواسی طاری ہوئی کہ اُس نے بہت معمولی مدافعت کی اور دن نکلتے نکلتے بغیر ایک جان بھی ضائع ہوئے برطانوی پھریرا قلعے کی فصیلوں پر لہرا رہا تھا۔ اس شاندار فتح کی خبروں سے تمام ہندوستان گونج اٹھا اور ورگانو کے ذلیل اقرارنامے کی بےعزتی کے داغ کو مٹانے میں کامیاب ہو گیا جسکے متعلق ہیسٹنگز کی رائے تھی کہ یہ داغ کروروں خرچ کر کے مٹانیکا تھا۔ میجر کماک جو میجر پوپہم کی جگہ سپہ سالار مقرر ہوا اپنے ساتھ مزید کمک لیتا آیا تھا اور اُس نے سندھیا کے مالوی مقبوضات ہی پر

باب سوم
فصل دوم

حملہ کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسکے خاص دار الحکومت کو بھی دھمکی دینے لگا یہانتک کہ سندھیا پونا کا دربار چھوڑ کر اپنی مملکت کی حفاظت کے لیئے دوڑا ہوا آیا۔ میجر کماک کار آزمودہ سپاہی نہیں تھا اور اس نے سندھیا کی کثیر التعداد فوج سے اپنی فوج کو محصور ہو جانے دیا۔ اسکے لشکر میں تقریباً فاقہ کشی کی نوبت آگئی اور اسکو ہتھیار ڈالدینے پر مجبور ہو جانا پڑتا اگر کپتان بروس رات کے وقت سندھیا کی فوج پر اچانک حملہ نہ کر دیتا۔ اس شبخون کا اثر نہایت زبردست ہوا اور سندھیا نے اپنے ہاتھی۔ گھوڑے۔ خیمہ و خرگاہ اور ہزاروں جانیں کھودیں اور سب پر طرہ یہ کہ اپنی نیکنامی کھودی درال حالیکہ اسی زمانے میں اسکے ہمچشم ہلکر کو جنرل گوڈارڈ پر کامیاب حملہ کرنے میں سرفرازی حاصل ہو گئی تھی۔

(صفحہ ۱۸۹)

انگریزوں کے خلاف اتحاد ۱۷۷۹ء

۱۷۷۹ء کے اختتام کے قریب ہیسٹنگز کو یہ اطلاع ملی کہ کمپنی کی طاقت کا استیصال کامل کر دینے کی غرض سے نواب نظام الملک نے ایک اتحاد کی تجویز کی ہے جسمیں سوائے گیکواڑ کے ہندوستان کے تمام رئیس شامل ہو گئے ہیں اور تمام اطراف پر ایک ہی وقت میں حملے کیئے جائینگے۔ حیدر علی مدراس پر حملہ کریگا۔ سندھیا۔ ہلکر اور پونا کے سپرد بمبئی کا حملہ کیا گیا تھا۔ اور راجہ ناگپور کا یہ کام تھا کہ وہ صوبہ کٹک میں ہو کر بنگال میں داخل ہو۔ اسی زمانے میں انگلستان فرانس سے برسرپیکار تھا اور اس اتحاد کے مشورے پونا میں ہو رہے تھے۔ اب تک کمپنی کو کبھی ایسے خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور اسکو رفع کرنیکے لیئے ہیسٹنگز ہی کے غیر معمولی تدبر و تفکر کی ضرورت تھی۔ ربسے پہلے حیدر علی نے میدان سنبھالا اور آندھی پانی کی طرح کرناٹک پر چڑھ دوڑا جسکا حال ابھی بیان کیا جائیگا۔ بمبئی کو اپنے ہی بل بوتے پر چھوڑ دیا گیا تھا اور وہاں کا گورنر اس نازک موقع پر عہدہ برآ ہو سکا۔ منچلے کرنل ہارٹلے نے مرہٹوں سے کونکان کو صاف کر دیا تھا۔ مگر اسپر نانا فرنویس نے

پھر حملہ کیا اور کرنل ہارٹلے کو دو روز تک اپنے دو ہزار تھکے ہارے
سپاہیوں اور چھ سو بیماروں کے ساتھ بیس ہزار مرہٹہ سواروں کے
دھاوے پر دھاوے برداشت کرنے پڑے۔ تیسرے دن مرہٹہ
سپہ سالار میدان میں کام آگیا اور اُسکی فوج بددل ہوکر میدان سے
ہٹ گئی۔ جنرل گوڈارڈ ایک زبردست لشکر کے ساتھ سواحل مغربی
کے کوہستان پر چڑھ گیا تاکہ وہاں سے پونا پر آگرے لیکن اُدھر مرہٹوں
نے پیہم حملے کرنے شروع کر دیئے اور آخری حملہ ہلکر کا پچیس ہزار فوج نے
۱۷۸۱ء میں ایسا سخت کیا کہ جنرل موصوف کو اپنے ساتھیوں سے چار سو آدمی
بھینٹ چڑھا کر بمبئی کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ یہی ایک شکست تھی جس کا
منحوس منھ جنرل گوڈارڈ کو اپنی فاتحانہ زندگی میں کبھی دیکھنا پڑا تھا۔

راجہ ناگپور نے باہمی قرارداد کے مطابق اپنے بیٹے چمناجی
کو ۱۷۸۱ء میں تیس ہزار فوج کے ساتھ کٹک بھیجا مگر وہ اپنے اتحادیوں کا
ساتھ دینے میں کچھ سرد مہری سے کام لے رہا تھا اسلئے اُس نے راستے میں
سات مہینے لگا دیئے۔ کٹک پہنچا۔ چمناجی کے پاس روپے کی کمی آگئی اور
اُس نے ہیسٹنگز کا سولہ لاکھ کا نذرانہ اس شرط پر قبول کر لیا کہ اپنے تئیں
اس اتحاد سے بے تعلق کر لے۔ اس طرح ہیسٹنگز نے اس اتحاد کے
سب سے خطرناک رکن کو توڑ لیا اور بنگال کو غارتگرانہ تاخت کا شکار بننے
سے بچا لیا۔ مدراس کو حیدر علی کے دباؤ سے بچانے کے لئے ہیسٹنگز نے
بنگال کی فوج کا ایک دستہ بھیجنا چاہا مگر چونکہ حال ہی میں ہندوستانی
سپاہی بحری سفر سے بچنے کے لئے سرکشی پر آمادہ ہوکر اپنے افسروں کو
قتل کر چکے تھے اسلئے انکو کنارے کنارے سات سو میل کے فاصلے پر ایسے
خشکی کے راستے سے روانہ کرنیکی پرخطر تجویز ۱۷۸۱ء میں اختیار کی جو اجنبی
اور غالباً متخاصم صوبہ جات میں سے ہوکر گزرتا تھا۔ یہ دوسرا پروحشت
فوجی کارنامہ ہیسٹنگز کا تھا لیکن اس وحشت نے بھی دیسی رئیسوں پر رعب
جما دیا اور انگریزوں کا سکّہ ہندوستان میں بٹھا دیا۔ روپیہ وصول کرکے

(صفحہ ۱۹۰)

باب سوم
فصل دوم

راجہ ناگپور نے دو ہزار سوار اس مہم کے ساتھ شریک کارزار ہونیکے لئے دیدینے کا وعدہ کیا جو آخر کار کرنل پیرسس کی سرکردگی میں بخیریت تمام مدراس پہنچ گئے ÷

سندھیا کے ساتھ صلح ۱۷۸۱ء

میجر کماک کی فوج سے شکست کھا کر سندھیا کی آنکھیں کھلیں کہ قلب مملکت میں فاتح دشمن گھسا ہوا ہے اسلیئے اگر اب بھی پیکار جاری رکھی جائیگی تو سوائے اسکے کچھ حاصل نہیں ہوگا کہ اُسے اپنا ملک چھوڑ کر نربدا پار بھاگنا پڑیگا اور مرہٹہ برادری کی نظروں میں ذلیل ہونا پڑیگا۔ چنانچہ اُس نے صلح کی سلسلہ جنبانی برطانوی سپہ سالار سے کی جسکو ہیسٹنگز نے بڑی خوشی کے ساتھ لبیک کہا۔ چنانچہ ایک صلحنامہ سندھیا کے ساتھ مرتب کیا گیا جسکی رو سے سندھیا کا وہ تمام علاقہ جو جمنا کے غرب میں واقع تھا سندھیا کو دیدیا گیا اور سندھیا نے کمپنی اور پونا کی گورنمنٹوں میں صلح کے لیئے نامہ و پیام کرنیکا وعدہ کیا اور خود بالکل غیر جانبدار رہنے کا عہد کرلیا۔ ہیسٹنگز کو مرہٹوں کے ساتھ صلح کرلینے کی اس وجہ سے اور زیادہ فکر دامنگیر ہوگئی کہ ایک فرانسیسی مہم ساحل پر پہنچ چکی تھی جس سے اُسے خطرہ ہوگیا تھا کہ کرناٹک میں سے انگریزوں کا بیج تک اڑ جائیگا۔ مرہٹوں کے ساتھ جنگ ختم کرلینے کی خاطر ہیسٹنگز یہاں تک تیار تھا کہ اُن سے جتنا علاقہ حاصل کیا گیا تھا وہ سب قربان کرڈالے حتی کہ بندرگاہ بسین کی بھی پرواہ نکرے ÷

معاہدۂ سالبائی ۱۷۸۲ء

چند ناکام کوششوں کے بعد سندھیا کے توسل سے آخر کار معاہدۂ سالبائی ۱۷۔ مئی ۱۷۸۲ء کو مرتب کیا گیا۔ سندھیا اس معاہدے میں ضامن بنا اور اس طرح مرہٹہ سرداروں میں اسکو مزید اقتدار حاصل ہوگیا اس عہدنامے کی یہ شرائط تھیں کہ کمپنی نے معاہدۂ پورندر کے بعد سے جتنے علاقے پر قبضہ کرلیا تھا وہ سب واپس کردے اور حیدر علی اپنی تمام فتوحات کرناٹک سے

دست بردار ہو جائے اور تمام اسیران جنگ کو آزاد کر دے ورنہ گورنمنٹ پونا اسکے ساتھ دشمنوں کا سا برتاؤ کریگی۔ نانا فرنویس نے اس معاہدے کو منظور کرنیکے بعد بھی چھ مہینے تک اسکی تصدیق کو تعویق میں ڈالے رکھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ حیدر علی کے ساتھ انکے ڈھب کی شرطیں اس معاہدے کو منسوخ کرنیکے لیئے طے کرتا رہا۔ اس معاہدے کی تصدیق کے لیئے ہیسٹنگز کی تشویش اس وقت بہت ہی زیادہ بڑھگئی جبکہ ۵۔ دسمبر سنہ ۱۷۸۲ء کو اسکے پاس ایوان عام کی اس تجویز کی نقل آئی جسکا مطلب یہ تھا کہ ہیسٹنگز نے انگریزی قوم کی عزت و اصول کے خلاف عمل کیا ہے اسلیئے مجلس انتظامیہ کا یہ فرض ہے کہ اُسے اپنے عہدے سے معزول کر دے۔ اگر اس تجویز کی نقل ہندوستان میں پھیل جاتی تو اس سے اس معاہدے کی تصدیق ہی نہیں رک جاتی بلکہ تمام ہندوستانی رئیسوں کے دربار میں انگریزی حکومت کا اقتدار خاک میں مل کر رہ جاتا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ۷۔ دسمبر سنہ ۱۷۸۲ء کو حیدر علی کا انتقال ہو گیا اور مصیبتوں کی گھٹائیں اُڑ گئیں اور نانا فرنویس نے فوراً پیشوا کی مہر اس معاہدے پر ثبت کر دی۔ اس طرح جو معاہدہ مرہٹہ برادری کے ساتھ کیا گیا تھا وہ بیس سال تک جوں کا توں قائم رہا۔

فصل سوم

مدراس کے واقعات سنہ ۱۷۷۱ء–۱۷۸۰ء

تنجور کے واقعات سنہ ۱۷۷۱ء

اب ہم احاطۂ مدراس اور جنوبی ہند کی رفتار واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چھوٹی سی ہندو ریاست تنجور بڑی حد تک حیدر علی کے ساتھ اُس لڑائی کے زمانے میں غارتگرانہ تاختوں سے محفوظ رہی جسکا اختتام مدراس کی فصیلوں کے تلے ہوا تھا۔

باب سوم
فصل سوم

اس وقت محمد علی نواب کرناٹک نے پیشدستی کی اور مدراس گورنمنٹ سے راجہ تنجور کو لوٹنے میں امداد مانگی جس طرح کہ اُس کے آباؤ اجداد لوٹ چکے تھے۔ نواب کے مطالبات نہایت بے اندازہ تھے مگر تھوڑے سے تذبذب کے بعد پریذیڈنٹ مدراس نے تنجور میں ایک فوج بھیجنے پر راضی ہو گیا۔ اہل تنجور نے بڑے جوش و خروش سے مقابلہ کیا مگر آخرکار اُنکا قلعہ توڑ ڈالا گیا اور نواب کرناٹک کے منجھلے بیٹے نے بغیر انگریزی سپہ سالار سے مشورہ کیے ہوئے راجہ کے ساتھ ایک صلحنامے پر دستخط کر دیئے جس کی رو سے تنجور نے پچاس لاکھ روپیہ کرناٹک کو تاوان دینے کا اپنے تئیں پابند کر لیا۔ ابھی دو سال نہیں گزرنے پائے تھے کہ ۱۷۷۳ء میں محمد علی نے پھر مدراس کونسل سے اس عذر پر راجہ کا استیصال کامل کرنیکی امداد طلب کی کہ راجہ نے تاوان کی پانچویں قسط بھی ادا نہیں کی ہے اور وہ حیدر علی اور مرہٹوں سے خفیہ نامہ و پیام بھی کر رہا ہے۔ باوجود اسکے کہ پریذیڈنٹ مدراس کو یہ علم تھا کہ اسی تاوان کی ادائگی کا انتظام کرنیکے لیئے مصیبت زدہ راجہ کو اپنے شاہی جواہرات بلکہ اپنا کچھ علاقہ بھی رہن کرنا پڑا تھا جو اُس نے بجائے انگریزوں کے پاس مدراس میں رہن کرنیکے اہل ہالنڈ کے پاس نگاپٹم میں مکفول کر دیا تھا لیکن پریذیڈنٹ موصوف نے اپنی بد طینتی کو کام میں لاکر اس راجہ کی بربادی کے ارادے سے اتفاق کر لیا۔ چنانچہ ستمبر ۱۷۷۳ء میں ایک فوج بھیجدی گئی۔ راجہ کو گدی سے اُتار دیا گیا اور اسکی ریاست مطلق العنان نواب کے سپرد کر دی گئی ۱۷۷۶ء میں مجلس انتظامیہ نے اس تمام رد و بدل کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھا اور مسٹر وِنچ پریذیڈنٹ مدراس کو فوراً کمپنی کی ملازمت سے نکال دیا اور فوری احکام ناطق صادر فرمائے کہ راجہ کا ملک راجہ کو سپرد کر دیا جائے۔ لارڈ پائیگوٹ جو چالیس سال تک مدراس کی ملکی خدمت میں رہکر چالیس لاکھ روپے جمع کر چکا تھا اور انگلستان کی واپسی پر آئرلینڈ میں جاگیردار بن چکا تھا اب گورنر مدراس بنا کر پھر ہندوستان بھیجا گیا اور اگرچہ نواب نے لارڈ موصوف کو ساٹھ لاکھ روپیہ مجلس انتظامیہ کے اس حکم کی تعمیل روکنے کی خاطر دینا چاہا

(صفحہ ۱۹۲)

مگر لارڈ موصوف بہ نفس نفیس تنجور گیا اور اپنے ہاتھ سے راجہ کو گدی نشین کر کے آیا۔

اس بحالی کو ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ مدراس کے ایک ملکی افسر پال بین فیلڈ نے تنجور کی آمدنی پر دعوے کیا۔ مدراس کے ملازمان کمپنی کی بے باک بددیانتی کا اُس زمانے میں اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ہندوستان میں ایک کوڑی لیکر نہیں آیا ہو اور اسکی تنخواہ کبھی تین سو روپے ماہانہ سے زائد نہیں ہوئی ہو وہ اپنے دعاوی پر اتنا مطمئن ہو کہ اُس سے اس میں کوئی بات اعتراض کے قابل نظر نہ آئی ہو کہ اسکے پاس تنجور کی آمدنی کو مکفول کرنیوالے تمسک سولہ لاکھ کی مالیت کے نواب کے خلاف ہوں اور منفرد اشخاص کے نام کے اتنے تمسک ہوں کہ جن سے موجودہ پیداوار میں سے سات لاکھ روپے اس شخص کا مطالبہ قائم ہوتا ہو۔ بڑے طویل غور و خوض کے بعد کونسل مدراس نے پال بین فیلڈ کے دعوے کو خارج کر دیا۔ لیکن چونکہ خود ممبران کونسل اور بہت سے دوسرے ملکی حکام نواب کرناٹک کے ذمے اپنا اصلی یا مصنوعی قرضہ رکھتے تھے جسکی مجموعی مقدار ڈیڑھ کرور تک پہنچی تھی اسلیئے انھوں نے یہ خیال کیا کہ بین فیلڈ کا دعوے خارج کرنیسے اُنکے دعووں کو بھی صدمہ پہنچیگا اسلیئے اس معاملے میں نظر ثانی کی کارروائی کی گئی۔ لارڈ پائیگوٹ اور اسکے ہمخیالوں نے ان کارروائیوں کی سختی سے مخالفت کی لیکن پانچ کے مقابلے میں سات کی کثرت رائے سے یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ پال بین فیلڈ کا دعوے جائز ہے۔

لارڈ پائیگوٹ کی نظر بندی ۱۷۷۶ء

کونسل میں اختلاف بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ لارڈ پائیگوٹ نے دو ممبروں کو معطل کر دیا اور سر رابرٹ فلیچر کمانڈر انچیف کو گرفتار کرا لیا لیکن بقیہ ممبروں نے اسکے جواب میں خود گورنر کو نظر بند کر کے گورنمنٹ پر قبضہ کر لیا۔ مجلس انتظامیہ نے اسپر یہ حکم دیا کہ لارڈ پائیگوٹ کو فوراً اسکے عہدے پر بحال کیا جائے اور اُس کے بعد وہ بہ اختیار خود اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدے۔ اسکے

باب سوم
فصل سوم

ساتھ ہی سات ممبران کونسل کی بھی برخاستگی کے احکام نافذ فرمائے اور سرٹامس رمبولڈ کو جو بنگال میں کمپنی کی ملازمت میں تھا صدر حکومت بنادیا گیا لیکن اسپر بھی انتظام ٹھیک طور سے نہیں چل سکا اور سرٹامس رمبولڈ کو بھی اس جگہ سے علیحدہ کرنا پڑا۔

گنتور سرکار ۱۷۷۹ء

بسالت جنگ نے جنکے پاس گنتور سرکار کا ضلع اپنے بھائی نواب نظام الملک کی طرف سے جاگیر میں تھا کچھ عرصے سے ایک چھوٹی سی فرانسیسی فوج کو اپنی ملازمت میں رکھ چھوڑا تھا لیکن مدراس گورنمنٹ کی خواہش پر اوس نے اس فوج کی جگہ ایک انگریزی دستہ اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اُسکے اخراجات کے لیئے ضلع سرکار حوالے کر دیا تھا۔ یہ معاہدہ ابھی ہوا ہی تھا کہ اس ضلع کو دس سال کے لیئے نواب محمد علی کو اجارے پر دیدیا گویا اس کے قرضخواہوں کے حوالے کردیا گیا۔ مسٹر ہالینڈ کو اس غرض سے حیدرآباد بھیجا گیا کہ اس معاملے کو نواب نظام الملک کے گوشگزار کر دے مگر نواب نظام الملک نے اس کو سنکر اسپر نہایت ناراضی کا اظہار کیا کہ انکے ایک جاگیردار سے بالا بالا معاملہ کیوں کر لیا اور انکے خاندانیوں کے معاملات میں مداخلت کیوں کی گئی۔ ساتھ ہی جب مسٹر ہالینڈ نے یہ استدعا مدراس گورنمنٹ کی طرف سے پیش کی کہ سات لاکھ روپے سالانہ کی وہ رقم اب معاف کر دی جائے جو کمپنی کو اضلاع سرکار کے عوض میں بطور خراج کے دینی پڑتی ہے تو نواب نظام الملک کے نفرت و غصے کی انتہا نہ رہی اور انھوں نے حکام مدراس پر سخت عہد شکن ہونیکا الزام لگایا۔ اس اشتعال و نفرت کے جذبات کا یہ اثر ہوا تھا کہ نواب نظام الملک نے انگریزوں کو ہندوستان سے بالکل ہی نکال باہر کردینے کے لیئے ایک عام اتحاد قائم کرنے میں سرگرمی سے کوشش کرنی شروع کی جسکا ہم پہلے حوالہ دے چکے ہیں۔ ہسٹنگز نے جب ان واقعات کو سنا تو اس نے مدراس گورنمنٹ کی ان تمام کارروائیوں کا نواب نظام الملک کے دربار میں ردعمل کرنیکی کوشش کی اور نواب نظام الملک کو یہ یقین دلایا کہ انگریزی گورنمنٹ کے ارادے نیک نیتی اور صلح جوئی پر مبنی ہیں۔ گنتور سرکار پر ہرگز قبضہ نہیں کیا جائیگا اور اضلاع سرکار کا خراج

(صفحہ ۱۹۲)

جتنی جلد ممکن ہوا ادا کیا جائیگا۔ ان اطمینان دلانیوالے وعدوں سے خدا خدا
کرکے ہیسٹنگز اس قابل ہوا کہ اُس نے نواب نظام الملک کو اس لڑائی میں
حصہ لینے سے باز رکھا جو انگریزوں کے سر پر بلا کی طرح منڈلا رہی تھی۔

حیدر علی کی ترقیاں سنہ ۱۷۶۳ء-۱۷۸۰ء

حیدر علی کے خلاف دوسری جنگ سنہ ۱۷۸۰ء میں
شروع ہوئی۔ لیکن اُسکی تفصیل بیان کرنے سے
پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی آٹھ سال تک کی تیاریوں اور
ترقیوں پر ایک تبصرہ کر لیا جائے۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ملکوٹا پر
جو شکست فاش حیدر علی کو نصیب ہوئی تھی اُس سے اُس کے مقبوضات
گھٹکر نہایت محدود رقبے تک پہنچ گئے تھے مگر پیشوا کے قتل کے وقت
پونا میں جو ابتری پھیلی اُس سے فائدہ اُٹھا کر اُس نے اپنی کھوئی ہوئی عظمت
پھر حاصل کر لی تھی۔ نومبر سنہ ۱۷۷۳ء میں اُس نے ریاست کرگ کو تسخیر کر لیا جس نے
نہایت زبردست مدافعت کی تھی مگر وہاں حیدر علی نے نہایت وحشیانہ
خونریزی کی تھی۔ یعنی اُس نے فی سر پانچ روپیہ کا انعام مقرر کر دیا تھا۔ اور یہ
انعام اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا اور جب تک سات سو سروں کا ڈھیر نہیں لگ گیا
اُس نے خونریزی کو روکنے کا حکم نہیں دیا۔ سنہ ۱۷۷۸ء میں اُس نے وہ تمام
مقبوضات مرہٹوں سے چھین لیئے جن سے اُنھوں نے اُسے بیدخل کر دیا تھا۔
اور ملابار پر بھی اپنی حکومت قائم کر لی۔ ان پے در پے فتوحات سے ڈر کر
اور جو امداد حیدر علی نے رگھوبا کو دینے کا وعدہ کیا تھا اُس سے پریشان
ہوکر پونا کی گورنمنٹ نے اُس کے خلاف نواب نظام الملک سے اتحاد کر لیا اور دونوں کی
متحدہ فوجیں سنہ ۱۷۷۶ء میں میدان جنگ میں آئیں۔ لیکن ان فوجوں کے
سپہ سالاروں کو حیدر علی کی طرف سے ایسی بھاری رشوت پہونچی کہ یہ مہم بیکار ثابت
ہوئی اور حیدر علی کی حکومت دریائے کرشنا کے کناروں تک پھیل گئی۔
باوجودیکہ نواب محمد علی کے نامعقول اثر اور سر جان لنسے کے بے ہنگام
تحکم سے متاثر ہوکر مدراس گورنمنٹ اُسے امداد دینے سے صاف انکار
کر چکی تھی مگر وہ برابر ایسی تحریکیں کرتا رہا کہ مرہٹوں کی روز افزوں مخاصمتوں کو

باب سوم
فصل سوم
(صفحہ ۱۹۴)

توڑنیکے لیئے اُن کا ہاتھ بٹایا جائے۔ اُس نے صرف کچھ مقدار آلات حرب اور رسد کی استدعا کی تھی اور تھوڑی سی فوج مانگی تھی جسکے معاوضے میں وہ معقول رقم پیش کرتا تھا لیکن مدراس کونسل پر اب تک کرناٹک کا بہت بڑا اثر تھا اسلیئے اس نے اُسکی تمام تحریکوں کو مسترد کردیا یہاں تک کہ اُسکو اپنا دائمی دشمن بنالیا۔

فرانس کے ساتھ جنگ ۱۷۷۹ء

اُسی زمانے میں فرانس اور انگلستان میں جنگ چھڑ جانیکی خبریں موصول ہوئیں اور پانڈیچری جس کی قلعہ بندی نئے سرے سے کی جاچکی تھی دس دن کی سخت مدافعت کے بعد تسخیر ہوگیا مدراس گورنمنٹ نے اس تسخیر کی اطلاع حیدر علی کو دیتے وقت کنایتاً یہ بھی لکھا کہ انگریزوں کا ارادہ فرانسیسی نوآبادی ماہی کے خلاف ایک مہم بھیجنے کا ہے۔ یہ مقام ساحل مالابار پر ایک چھوٹا بندرگاہ ہے اور تین سال سے حیدر علی کے پاس اسی بندرگاہ کے ذریعے سے یورپ سے سامان رسد اور فوجی آدمی پہنچا کرتے تھے۔ حیدر علی نے یہ جواب دیا کہ میں اپنی پوری قوت سے فرانسیسی قلعہ بند فوج کی امداد کرونگا۔ مگر باوجود اسکے بھی انگریزوں نے ماہی پر حملہ کر ہی دیا اور اگرچہ حیدر علی کا جھنڈا بھی فرانسیسی جھنڈے کے ساتھ ہی ماہی پر لہرا رہا تھا مگر ماہی انگریزوں کے ہاتھ سے تسخیر ہوگیا۔ اس سے حیدر علی کو جو اشتعال اور صدمہ ہوا ہوگا اُسکا اندازہ اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ اُسی حالت میں پونا سے ایک سفیر اُسکے پاس یہ تجویز لیکر آیا کہ پونا گورنمنٹ اور حیدر علی کو انگریزوں کی غداری کی برابر شکایت ہے اسلیئے حیدر علی کو بھی اُس اتحاد عامہ میں شریک ہونا چاہیئے جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنیکے لیئے قائم کیا گیا ہے۔ پونا گورنمنٹ نے باہمی تنازعات کے معقول تصفیے کا بھی وعدہ کیا اور چوتھ کے دعوے سے دست برداری کی اور دریائے کرشنا تک جو علاقہ حیدر علی حاصل کرچکا تھا اُسکی بھی تصدیق کردی اس لیئے حیدر علی نے وہاں کی تجویز کو بڑے شوق سے منظور کیا۔

حیدر علی کرناٹک پر طوفان کی طرح نازل ہوتا ہے ۱۷۸۰ء

اب اُس نے نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں کیں۔ باوجودیکہ حیدر علی کی عمر اس وقت ۸۰ سال

کی تھی مگر وہ بذات خاص تمام انتظامات کی نگرانی کرنے لگا اور اختتام ماہ جون ۱۷۸۰ء تک اُس نے ایسا جرار لشکر تیار کر لیا جو شاید کبھی کسی ہندوستانی رئیس کے جھنڈے تلے جمع ہوا ہو۔ اس لشکر میں نوے ہزار سوار اور پیادے تھے اور اُسکے بڑے حصے کو یورپین ماہرین حرب نے قواعد سکھائی تھی۔ اُسکے توپ خانے میں بھی سو توپیں تھیں جن کو یورپ کے فن حرب کے مطابق قابلیت سے ترتیب دیا گیا تھا اور اُسکی رسد رسانی کا انتظام اُسکے ہندو وزیر پورنیا کے ہاتھ میں تھا جو اُس کا قابل ترین افسر تھا اور جس نے کوئی دقیقہ اپنے کام کی تکمیل میں اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ادھر تو یہ زور شور کا طوفان مدراس کی طرف بڑھ رہا تھا اور اُدھر مدراس گورنمنٹ اپنے خواب خرگوش میں مصروف تھی اور کمانڈر انچیف نے اعلان کر دیا تھا کہ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے۔ لیکن اس خواب سے بہت جلد آنکھیں کھل گئیں۔ حیدر علی نے اپنی تیاریاں ختم کرتے ہی میسور کی ہر مسجد و مندر میں جہاد کا اعلان کرا دیا اور ۲۰۔ جولائی ۱۷۸۰ء کو کرناٹک پر برق خاطف کی طرح گڑگڑا کر گرا اور اُسکی پیش قدمی کی خبریں شعلہ زن دیہات و قصبات اور قتل و غارت شدہ علاقہ جات سے ملنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس نے اُن تمام وسائل بیرحمی کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے جو اُسکی خونخوار طبیعت تجویز کر سکتی تھی۔ بدنصیب مخلوق کو زبردستی مع اپنے اہل و عیال و مواشی کے جانوروں کی طرح ہانک کر میسور بھیجا جانے لگا اور جس نے ذرا پس و پیش کیا اُس کو وہیں ٹھکانے لگا دیا جاتا تھا۔ سوائے اُن چار قلعوں کے جو انگریز لفٹنٹوں کی سپردگی میں تھے اور تمام قلعوں کو نواب کے زر پرست یا پست ہمت قلعداروں نے حوالے کر دیا۔

(صفحہ ۱۹۵)

مدراس کی فوج کی روانگی ۱۷۸۰ء

مدراس کی فوج اس وقت آٹھ ہزار نفوس سے زائد نہیں تھی اور اُس میں سے ڈھائی ہزار کرنل ہیلی کی ماتحتی میں گنتور میں مقیم تھی۔ اور جبتک سینٹ ٹامس کی پہاڑی سے جو مدراس سے نو میل کے فاصلے پر تھی دھویں کے دل بادل نہ نظر آنے لگے

اُس وقت تک مدراس گورنمنٹ نے فوج کی روانگی کا حکم نہیں دیا نہ سر ہیکٹر منرو
کنجیورم کو اس غرض سے روانہ ہوا کہ آرکٹ کا محاصرہ اُٹھانیکی کارروائی کرے
جہاں وہ سامان حرب تھا جو نواب کے قبضے میں تھا اور جس کا حیدر علی نے
محاصرہ کر رکھا تھا کرنل بیلی کو بھی حکم دیا گیا کہ سر ہیکٹر منرو کی فوج کا شریک ہو جائے
لیکن کرنل موصوف دریائے کرتیلا کے کنارے پر اس دن ٹھیرا رہگیا جس دن
وہ پایاب تھا اگلے دوسرے دن بارش کی وجہ سے اُس میں طغیانی آگئی اور
دس روز تک اُسپر ناؤ نہیں لگ سکتی تھی۔ حیدر علی نے ان دونوں
انگریزی فوجوں کو ملنے سے روکنے کیلئے بہترین حصہ فوج کے ساتھ اپنے
بیٹے ٹیپو سلطان کو روانہ کیا اور کرنل بیلی اور ٹیپو سلطان سے ۶ ستمبر ۱۷۸۰ء کو مڈبھیڑ ہوئی
جس میں ٹیپو سلطان کو ایسا آڑے ہاتھ لیا گیا کہ ادھر اس نے اپنے والد کو
یہ اطلاع بھیجی کہ بغیر کمک آئے انگریزی فوج پر اثر ہونا ممکن نظر نہیں آتا
اور اُدھر کرنل بیلی نے سر ہیکٹر کو یہ اطلاع دی کہ کرنل موصوف کا سر ہیکٹر
سے مقام کنجیورم میں آکر ملنا ناممکن ہے۔ بجائے اسکے کہ سر ہیکٹر اپنی تمام
فوج کے ساتھ خود کوچ کرتا اُس نے کرنل فلیچر کو گیارہ سپاہیوں کے
ساتھ کرنل بیلی سے مل جانیکے لیئے روانہ کر دیا۔ حیدر علی پر انگریزی فوجوں کی
اتنی دہشت غالب تھی کہ اُس نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر دونوں انگریزی
فوجیں مل جائینگی تو وہ آرکٹ کا محاصرہ اُٹھا کر وہاں سے پیچھے ہٹ جائیگا۔
کرنل فلیچر اور کرنل بیلی ۹ ستمبر ۱۷۸۰ء کی شام تک ایک دوسرے کی طرف
بڑھتے رہے اور اگر کرنل بیلی اپنی حماقت سے اپنی فوج کو رات بھر کے لیئے
آرام لینے کا حکم نہ دیتا تو دونوں فوجیں آپس میں مل جاتیں۔ حیدر علی
نے جب دیکھا کہ سر ہیکٹر نے کمک کرنل بیلی کی کوئی تیاری نہیں کی تو وہ اپنی تمام
فوج کرنل بیلی کے مقابلہ کیلئے لے آیا۔ اُس نے رات کے سناٹے میں
اپنی توپوں کو نہایت اُستادی سے نصب کر دیا اور ۱۰ ستمبر کی صبح کو
انگریزی پڑاؤ کو میسور کی تمام فوج سب طرف سے گھیر چکی تھی۔ انگریزی
فوجیں زمانہ قدیم کے سورماؤں کی طرح لڑیں اور جس وقت یورپین

باب سوم
فصل سوم

فوج کے طرف تین سو جوان باقی رہ گئے تھے اُس وقت بھی یہ جوان زخمی ہو چکے تھے مگر کرنل بیلی نے ان بہادروں کی جانیں ضائع ہونے دیں اور امن کا بیرق بلند کیا اس وقت حیدر علی کے سپاہی ان بہادروں پر جھپٹے اور اُن سب کو وہیں قتل کر ڈالتے اگر چند فرانسیسی افسر اُن کو اس سے باز نہ رکھتے۔ چھیاسی افسروں میں سے ستر قتل یا زخمی ہو گئے تھے اور تمام فوج معہ اپنی رسد، خیمہ و خرگاہ اور آلات حرب کے بالکل فنا ہو گئی تھی۔ اگر کمانڈر انچیف اُس وقت بھی پیش قدمی کر دیتا جس وقت کہ گولہ باری کی آواز اُس نے سنی تھی تو بھی دونوں طرف کے حملے کی وجہ سے حیدر علی حواس باختہ ہو کر سخت شکست کھا جاتا لیکن پست ہمت سر ہیکٹر منرو نے کنجیورم کے تالاب میں اپنی بھاری توپوں کو غرقاب کر دیا۔ اپنے سامان رسد کو تباہ کر دیا اور نہایت ابتری اور تعجیل کاری کی حالت میں مدراس کی طرف بھاگا اور دشمن کی فوجیں اسکے تعاقب میں چلیں۔

(صفحہ ۱۹۶)

اس مصیبت کی اطلاع لیکر فوراً ایک جہاز کو کلکتے روانہ کیا گیا۔ مرہٹوں کے ساتھ جنگ بازی سے تو ایک مصیبت آ ہی رہی تھی اسکے ساتھ حیدر علی کے خلاف لڑائی کے چھڑ جانے سے یہ دوسری بلا نازل ہو گئی جسکی ابتدا میں ہی انگریزی فوج کو ایسی ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا جسکی نظیر برطانوی فوجی کارناموں کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ لیکن ہیٹنگز کی قابلیت و استقلال نے کبھی دنیا کو ایسی حیرت میں نہیں ڈالا جیسا کہ اس موقع پر۔ وہ کہتا ہے۔

"برطانیہ کے نام کی عظمت قائم رکھنے کی اور کمپنی کے اغراض و مقاصد کی نگہداشت کرنیکی جتنی امیدیں میرے دلمیں تھیں ان سبکی جگہہ صرف اس ایک خیال نے لے لی کہ اس وقت برطانیہ کا نام اور کمپنی کے اغراض و مقاصد جو کرناٹک میں ہیں صرف ان کی حفاظت کی ضرورت ہے چنانچہ میں نے اپنے اس خیال کے مطابق بہترین تدبیر میں مصروف ہو جانے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائی"

ہسٹنگز نے مدراس کے قائم مقام گورنر وائٹ ہل کو معطل کر دیا جس نے گنتور سرکار کو نواب نظام الملک کو واپس دینے سے انکار کر دیا تھا اور اُسے جتنے سپاہی مل سکے ان سبکو مع پندرہ لاکھ روپے کے مدراس بھیجدیا اور یہ حکم دیدیا کہ یہ رقم صرف فوج کے مصارف کے لیئے ہے اور غیر فوجی حکام اُسپر ہاتھ نہ لگائیں۔ چنانچہ یہ تمام ہم مسلح کرکے تین ہفتے کے اندر روانہ کر دیگئی بوڑھے کار آزما سر آئر کوٹ نے جس نے فرانسیسی قوت کو بیس سال پہلے سواحل پر فنا کرکے رکھدیا تھا اس وقت اپنی خدمات اس فوج کی قیادت کرنیکے لیئے اور اپنی فتوحات کے قدیمی میدان میں جاکر کمپنی کی کھوئی ہوئی عزت کو پھر حاصل کرنیکے لیئے پیش کیں ہسٹنگز نے ایک خطرناک دلیری یہ بھی کی کہ اس وقت جو رقم کمپنی کو لندن بھیجی جاتی تھی وہ بھی اس کام میں صرف کرنیکے لیئے روک لی لیکن پھر بھی اسکے وسائل کافی نہیں ہوئے اور اپنے عہد حکومت میں اسکو پہلی مرتبہ قرض لینے کی ناگوار ضرورت پیش آئی ؛

فصل چہارم

مدراس کے معاملات سنہ ۱۷۸۰ء ۱۷۸۴ء تک

کرنل بیلی کی شکست کے آٹھ ہفتے بعد سر آئر کوٹ مدراس پہنچا لیکن اُس نے فوج کا سامان حرب ایسی لچر حالت میں اور رسد کا انتظام ایک ایسے ملک میں جہاں دشمن کی فوجوں نے سخت قتل و غارت کیا تھا اتنا دشوار پایا کہ وہ دس ہفتے سے پہلے نقل و حرکت کرنیکے قابل نہ ہوسکا لیکن اُسکی آمد نے مدراس والوں کے افسردہ دلوں کو سہارا دیا اور حیدر علی کے اُن منصوبوں کا بھی سدباب کر دیا جو وہ انگریزوں کو خشکی میں سے نکال کر سمندر میں ڈھکیل دینے کے متعلق باندھ رہا تھا کیونکہ اب اُسکا پرانا مد مقابل سامنے آگیا تھا۔ نواب کرناٹک کے غدار برہمن قلعہ دار کی سازش سے حیدر علی نے ارکاٹ پر

قبضہ کر لیا تھا اور اس وقت واندیورش کے محاصرے میں مصروف تھا جسکی مدافعت لفٹنٹ فلنٹ اس وقت اُتنی ہی جانبازی سے کر رہا تھا جیسی کلائیو نے ایک زمانے میں ارکاٹ کی حفاظت کی تھی۔ متخاصم فوجیں چار ماہ تک سکوت میں رہیں کیونکہ انگریزوں کے پاس کافی رسد کا انتظام نہیں تھا اور حیدر علی پر سر آئرکوٹ کی دہشت غالب تھی۔ بہرحال اسکے بعد سر آئرکوٹ نے حرکت کی اور چلمبرم کے قلعہ بند بندر پر حملہ کر دیا لیکن یہاں سے اُسکو پسپا ہونا پڑا۔

جنگ پورٹونووو ۱۷۸۱ء

حیدر علی کی اس فتح سے کچھ ہمت بندھی اور اُس نے بڑے پیمانے پر مقابلہ کرنیکا ارادہ کیا اور ڈھائی دن میں سو میل کوچ کر کے یکم جولائی ۱۷۸۱ء کو مقام پورٹونووو پر انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ لیکن چھ گھنٹے کے سخت کشت وخون کے بعد حیدر علی نے شکست فاش کھائی۔ اُس کی فوج کے دس ہزار آدمی ضائع ہوئے اور سر آئرکوٹ کا نقصان صرف تین سو کا ہوا۔ ادھر بنگال کے دستے کو بڑی قابلیت کے ساتھ کرنل پیرس سمندر کے کنارے کنارے لیئے چلا آیا اور راستے میں اُسے کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور وہ ماہ جولائی ۱۷۸۱ء میں مقام پلیکاٹ پہنچگیا۔ حیدر علی نے اس فوج کا راستہ روکنے کے لیئے ٹیپو کو روانہ کیا اور سر آئرکوٹ نے اس فوج سے مل جانیکے لیئے ڈیڑھ سو میل کا سفر کیے ۲۔ اگست ۱۷۸۱ء کو اُسے آخر کار جا ملا۔ حیدر علی نے ان دونوں فوجوں کا واپسی میں مقابلہ کرنیکے لیئے اپنے تمام لشکر کو جمع کر لیا اور اُس مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں ٹھیک سال بھر پہلے اُس نے کرنل بیلی کی فوج کو فنا کر کے رکھدیا تھا کیونکہ اُس کے نجومیوں نے اُسے یقین دلا دیا تھا کہ یہ جگہ اور یہ دن اُس کے لیئے نحوست و رہے۔ یہاں جو لڑائی ہوئی اُس کا نتیجہ مشتبہ سا رہا کیونکہ دونوں فریقوں نے اپنی اپنی فتح کی سلامی کی توپیں سر کیں۔

جنگ سولنگر ۱۷۸۱ء

ستمبر کے مہینے میں مقام سولنگر پر تیسری آویزش وقوع میں آئی۔ جس میں حیدر علی کو شکست کامل ہوئی۔ اُس کے پانچ ہزار سپاہی ضائع ہوئے اور انگریزوں کا نقصان صرف ایک سو ہوا۔ اسکے بعد ہی انگریزی فوجیں چھاؤنیوں میں واپس آگئیں کیونکہ مدراس کا موسم فوجی

(صفحہ ۱۹۸)

باب سوم
فصل چہارم

کارروائی کے لیئے نامناسب ہوگیا تھا - اور ابھی ایک ایسی فوج کشتی تکمیل کو پہنچ چکی تھی جس سے ایک طرف تو حیدر علی کے فاتحانہ منصوبوں کو سر آئر کوٹ کی مہارت حرب نے خاک میں ملا دیا تھا اور دوسری طرف انگریزی فوجوں کی نقل و حرکت بھی سامان رسد اور آلات حرب کی کوتاہی سے ناممکن ہوگئی تھی

سات سال کے قلیل عرصے میں مدراس کے دو گورنر مجلس انتظامیہ کے حکم سے برخاست ہو چکے تھے - ایک کو ہسٹینگز نے معطل کر دیا تھا اور ایک کو خود اُسیکی کونسل نے معزول کر دیا تھا - گورنمنٹ مذکورہ نواب کرناٹک کے ساتھ معاملات کرنیکی وجہ سے نہایت زبون اخلاقی حالت کو پہنچ چکی تھی اور مجلس انتظامیہ نے یہ تجویز کی کہ زمام حکومت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دیجائے جسکو مقامی تعلقات سے کوئی واسطہ نہو اور جسپر عام زبونی اخلاق کا کوئی اثر نہ پڑ سکے - چنانچہ انھوں نے لارڈ میکارٹنے کا انتخاب کیا جو بڑا تجربہ کار مدبر اور نہایت آبرودار آئرش جاگیردار تھا - لارڈ میکارٹنے جون ۱۷۸۱ء میں مدراس آیا اور اسکے ساتھ انگلینڈ اور ہالینڈ میں جنگ برپا ہونیکی خبر بھی ہندوستان آئی - حیدر علی نے اہل ہالینڈ سے اتحاد پیدا کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی کیونکہ دونوں کی غرض مشترک انگریزوں کے خلاف اجتماع عمل کرنا تھا - اہل ہالینڈ کی خاص نو آبادی ساحل کورومنڈل پر نگاپٹم تھی جس میں ساڑھے چھ ہزار فوج ابھی رہتی تھی اور یہ مقام جانب جنوب مدراس سے ایکسو ساٹھ میل پر واقع تھا

تسخیر نگاپٹم ۱۷۸۱ء

سر آئر کوٹ کی نصیحت کے خلاف لارڈ میکارٹنے نے تنجور اور مدراس سے ایک مہم ترتیب دی - سر ہیکٹر منرو کو اسکی قیادت سپرد کی گئی اور جہازیوں اور ملاحوں کی بھرتی سے اس مہم کو نہایت زبردست بنایا گیا - اور نگاپٹم کو اس مہم کے ذریعے سے نومبر ۱۷۸۱ء میں تسخیر کر لیا گیا - اہیں سامان حرب کی بہت بڑی مقدار اور دو قیمتی تمغے انگریزوں کے ہاتھ آئے - اسکے دو ہی ماہ بعد ہالینڈ والوں کا سب سے شاندار سیلون کا بندرگاہ ٹرنکومالی بھی فتح کر لیا گیا - لیکن باوصف ان فتوحات کے جنگ کا اثر مدراس کے مالیات پر بہت زیادہ پڑنے لگا - کرناٹک کی تمام آمدنی جو اسکی حفاظت کے لیئے

باب سوم
فصل چہارم

محفوظ رہنی چاہیئے تھی بر خرچ نواب اور اسکے زبردست قرضخواہوں نے لے لی اور گورنمنٹ کو آخر کار مجبور ہو کر تمام صوبۂ کرناٹک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا اور نواب کو تمام آمدنی کا صرف چھٹا حصہ دینا منظور کیا گیا۔

کرنل برتھویٹ ۱۷۸۲ء

کرنل برتھویٹ کو دو ہزار سپاہ کے ساتھ ٹیپو کے حملوں سے تنجور کی حفاظت کرنیکے لیئے مدراس سے روانہ کیا گیا تھا مگر رہنماؤں نے دھوکہ کر کے اُسے ایسے موقع پر پہنچا دیا جہاں اس کا سامنا ٹیپو سلطان کے بیس ہزار سوار بیس ہزار پیدل اور بیس توپوں سے ہو گیا۔ اٹھائیس گھنٹے تک برتھویٹ کی فوج جان جھوک کر اس بے جوڑ مقابلے پر اڑی رہی لیکن آخر کار اُسے مغلوب ہونا پڑا۔ فلسفی مورخ مل کہتا ہے کہ دنیا کے تمام فوجی کارنامے اس چھوٹی سی فوج کی ثابت قدمی اور پامردی کی نظیر مشکل سے پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اس شکست کی تلافی اُس فاتحانہ خروج سے ہو گئی جو دوسرے ساحل پر میجر انبگڈن نے قلعہ ٹیلچری سے کیا تھا جہاں وہ اٹھارہ ماہ سے محصور تھا مگر اپنے خروج میں اُس نے بارہ سو قیدی اور ساٹھ توپیں حاصل کیں۔

(صفحہ ۱۹۹)

حیدر علی کی مایوسی ۱۷۸۲ء

اب حیدر علی شکستہ دل ہوتا چلا۔ اسکے فرانسیسی مددگار اب تک نمودار نہیں ہوئے تھے ہسٹنگز اتحاد عام میں سے سندھیا نواب نظام الملک اور بھونسلا کو متحد کر لینے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پیشوا اب انگریزوں کے ساتھ شریک ہو جانیکی دھمکی دے رہا تھا اور حیدر علی سے وہ تمام علاقہ چھین لینے پر آمادہ تھا جو اُس نے دریائے کرشنا اور تومبھدرا کے درمیان حاصل کیا تھا۔ اُس نے اپنے وفادار وزیر سے اپنی اس حماقت پر افسوس ظاہر کیا کہ اُس نے کمپنی سے کیوں لڑائی مول لی۔ اُس نے خوب کہا

> بہت سے بیلیوں اور برتھویٹوں کی شکستیں انگریزوں کو فنا نہیں کر سکتیں۔ میں اونکے تمام وسائل کو خشکی پر برباد کر سکتا ہوں مگر میں سمندر کو کیسے خشک کر سکتا ہوں اور میں ایسی جنگ سے خدا واسطے ہی تھک جاؤنگا جس میں مجھے لڑائی میں فتح نہیں نصیب ہوتی۔

سواحل مغرب کو وہ اپنی مملکت کا غیر محفوظ ترین حصہ سمجھتا تھا اور اُس نے

باب سوم
فصل چہارم

اپنے تمام وسائل کا اجتماع اسی حصے میں کر دینے کا عزم بالجزم کر لیا۔ اُس نے یہ احکام جاری کر دیئے تھے کہ ارکاٹ کے قلعے کو بالکل منہدم کر دیا جائے اور کرناٹک کو بالکل ویران کر دیا جائے اور انسانی آبادی کا کوئی نشان بھی قائم نہ رکھا جائے مگر یہ سیہ کاریاں اس وجہ سے معرض التوا میں پڑ گئیں کہ فرانسیسی بیڑا اسکی امداد کو آپہنچا تھا۔

بحری آویزشیں ۱۷۸۲ء

فرانسیسی بیڑے کی کمان سفرن کے ہاتھ میں تھی جو فرانس کے بہترین امیر البحروں میں سے تھا۔ اُس کا مقابلہ امیر البحر ہیوز کے اُس بیڑے سے ہوا جو ٹرنکومالی کو تسخیر کر کے واپس آرہا تھا اور اس آویزش کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا۔ اسکے بعد سفرن پورٹو نووو پہنچا اور وہاں اُس نے دو ہزار فرانسیسی سپاہی اور ایک ہزار قواعد داں افریقی اُتارے۔ ماہ جون ۱۷۸۲ء میں سرآئر کوٹ نے آرنی کو تسخیر کرنے کی کوشش کی جو حیدر علی کا سب سے بڑا مخزن ملک جنوب میں تھا لیکن اس قلعے کی فصیلوں کے تلے ایک غیر فیصلہ کن آویزش کے بعد حیدر علی اپنے خزانے اور سامان رسد کے بچا لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اسکے بعد دو بحری مڈبھیڑیں بغیر کسی معقول نتیجے کے ہوئیں اور سفرن اپنے جہازوں کو پھر کیل کانٹے سے درست کر کے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔ لارڈ میکارٹنے کو یہ خبر پہنچی کہ ایک دوسری فرانسیسی فوج گالی تک پہنچ چکی ہے اس لیئے اسکو ٹرنکومالی اور نگاپٹم کی حفاظت کی طرف سے سخت تشویش پیدا ہو گئی اور لارڈ میکارٹنے نے امیر البحر ہیوز پر سختی سے تقاضہ کیا کہ ٹرنکومالی کی حفاظت کے لیئے دوڑے مگر امیر البحر مذکور کو یہ مداخلت ناگوار گذری اور اُس نے اپنی نقل و حرکت میں سستی کی اور جس وقت وہ بندرگاہ مذکور میں داخل ہوا تو اُسے معلوم ہوا کہ وہاں کا قلعہ تو چار دن ہوئے فتح ہو چکا ہے۔ اسکے بعد ہی پھر انگریزی اور فرانسیسی بیڑوں میں تصادم ہوا مگر پھر کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ یہ اس سال کی چوتھی بحری آویزش تھی جو سب کی سب ہمیشہ بیڑوں کی سرگرمی اور محارب فوجوں کی ناقابلیت کی وجہ سے قابل امتیاز تھیں امیر البحر ہیوز نے مدراس کو واپس آکر اپنے جہازوں کو چار سخت

(صفحہ ۲۰۰)

ڈبھیڑوں کے بعد درست کرنیکے لئے بمبئی جانیکا ارادہ ظاہر کیا۔ گورنر نے اس
سے یہ ظاہر کیا کہ اسکی روانگی سے کمپنی کے معاملات کس نازک حالت کو
پہنچ جائینگے کیونکہ حیدر علی تمام کرناٹک کا مالک بن چکا تھا۔ جنرل بسی کے ہر لحظہ
امدادی فوج کے ساتھ آدھمکنے کا خدشہ لگا ہوا تھا اور فرانسیسی تمام سمندر کے
مالک بنے ہوئے تھے اور اس رسد وغیرہ کی ناکہ بندی کئے ہوئے تھے جسپر
مدراس کی گزر بسر منحصر تھی۔ لیکن امیر البحر مذکور نے ایک فہمائش کی بھی سماعت
نہیں کی اور ۱۵۔ اکتوبر ۱۷۸۲ء کو لنگر اٹھا دیا۔ اسی رات کو سخت طوفان
بادوباراں آیا۔ میلوں تک ساحل پر شکستہ تختے نظر آتے تھے۔ بڑے سے
بڑے جہاز اپنی لنگرگاہوں پر غرق ہو گئے اور سیکڑوں کنارے پر کھڑی ہوئی
کشتیاں چاولوں سے لدی ہوئی ایسی ڈوبیں کہ پھر ابھر ہی نہ سکیں۔ چار دن
بعد امیر البحر بکرٹن انگلستان سے ایک زبردست بیڑے کے ساتھ بندرگاہ پر
پہنچا اور چار ہزار فوج مدراس پر اتار کر باوجود مدراس گورنمنٹ کی حفاظت
ساحل کے لئے ٹھیرنیکے اصرار کے اپنے سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہونیکے لئے
لنگر اٹھا دیا۔ اب مدراس پر قحط کی بلا ہر طرف سے نازل ہو گئی۔ حیدر علی کی
قتل وغارت نے گرد وپیش کی بدنصیب مخلوق کو پناہ و امن کی تلاش میں
مدراس تک پہنچا دیا تھا اور کچھ عرصے تک ہفتے وار اوسط اموات ڈیڑھ ہزار
تک ہوتا رہا۔ سر آئر کوٹ کی صحت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ اسے بنگال جانے پر
مجبور ہونا پڑا اور طوفان کی وجہ سے فوجی کارروائیاں بالکل رکی پڑی تھیں۔

حیدر علی کی وفات ۱۷۸۲ء

ماہ فروری میں میسور کی فوج کے مقام ٹیلچری پر
شکست کھانیکے بعد ہی کرنل ہمبرسٹن جو کمانڈرانچیف
ہو گیا تھا اپنی فوجوں کو بڑھاتا ہوا قلب میسور تک پہنچ گیا اور حیدر علی کے
سب سے مستحکم قلعۂ پال گھاٹ کا محاصرہ کر لیا مگر بمبئی گورنمنٹ نے اسے
فوری پسپائی کے احکام بھیجدئیے۔ ادھر حیدر علی نے بھی اس محاصرے کی
خبر پاتے ہی اپنے بیٹے ٹیپو سلطان کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ اس فوج کی
پیشقدمی روکنے کے لیے بھیجدیا تھا جو دارالحکومت میں گھسی چلی آرہی تھی۔

باب سوم
فصل چہارم

اس واپس ہونیوالی انگریزی فوج کے مقابلے میں مقام پیانی پنڈیلا کی فوجیں آگئیں اور چار صفوں میں اُسپر سختی سے حملہ کیا لیکن ٹیپو کی فوجوں کو سخت نقصان اٹھاکر پیچھے ہٹنا پڑا۔ ٹیپو نے اس حملے کو ملتوی کرکے سب طرف سے انگریزی فوج کا گھیرا ڈال لیا اور اپنی بھاری توپوں کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن ۲۲- دسمبر ۱۷۸۲ء کو اسکی فوجوں نے یکایک اپنا خیمہ و خرگاہ اٹھایا اور وہاں سے چلتی پھرتی نظر آئی۔ ایک سانڈنی سوار شام کے وقت بصیغۂ ضروری ایک مراسلہ لیکر آیا تھا جس میں خبر تھی کہ حیدر علی کی منظفر و منصور روح جانب فردوس پرواز کر گئی ہے۔ متواتر جنگبازی کی تکان سے شکستہ ہوکر اور عرصے تک پیٹھ کے سرطان میں مبتلا رہکر ۷- دسمبر ۱۷۸۲ء کو اسّی سال کی عمر میں حیدر علی نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا اور صفحات تاریخ پر اپنا روشن نام بہ حیثیت نہایت قابل مدبر۔ نہایت اولوالعزم جنگجو اور نہایت کامیاب حکمراں کے چھوڑ گیا تھا۔

(صفحہ ۲۰۱)

ایشیائی فوج جب اپنے سردار سے محروم ہوجاتی ہے تو ہمیشہ بدنظمی و سازشوں کی آماجگاہ بنجاتی ہے۔ اس موقع پر یہ خدشہ اس وجہ سے اور زیادہ تھا کہ حیدر علی کا جانشین دارالحکومت سے چار سو میل دور تھا۔ لیکن حیدر علی کے قابل ترین وزیر کی تدبیر سے اس خطرے کا تمام و کمال تدارک ہوگیا تھا۔ حیدر علی کی موت کو نہایت احتیاط سے خفیہ رکھا گیا۔ اسکی نعش کو خوشبودار ادویہ سے معطر کرکے اس طرح سر لگا یٹم بھیجدیا گیا جس طرح کہ کسی قیمتی مال غنیمت کا صندوقچہ بھیجا جاتا ہے۔ تمام احکام اوسی کے نام سے جاری ہوتے رہے اور اُسکی بند نفس معمولی جلوس کے ساتھ معمولی اوقات پر گشت کرنے اسکے خیمے کے پردے کے پیچھے سے نکلا کرتی تھی۔ ٹیپو نے دارالحکومت میں پہنچکر فوجوں کو بیش قرار انعامات تقسیم کرکے خوش کیا اور ایسی سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہوا جس میں اس وقت تین کرور کا خزانہ۔ اور بے اندازہ قیمت کے جوہرات اور ایک لاکھ کی نہایت مکمل سپاہ تھی۔

جو بلا پندرہ سال سے مدراس پریزیڈنسی پر نازل ہو رہی تھی وہ حیدر علی کی وفات کے بعد بھی احاطۂ مذکور کے پیچھے لگی رہی۔ سر آئر کوٹ کی روانگی سے

باب سوم
فصل چہارم

فوج کی قیادت جنرل اسٹوارٹ کے سپرد کردی گئی جو نالائق ہونیکے علاوہ نہ کسی کی
بات مانتا تھا نہ اپنی ضد سے پیچھے ہٹتا تھا۔ لارڈ میکارٹنے نے اُسپر تاکید کی
کہ حیدر علی کی فوجوں میں جو پریشانی حیدر علی کی وفات سے پھیلی ہوئی تھی اُس
سے فائدہ اٹھائے مگر جنرل موصوف نے اس خبر پر یقین کرنے سے انکار کردیا
اور یہ سنہری موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ باوجودیکہ جنرل اسٹوارٹ کے پاس بمقابلہ سر آئر کوٹ
کے زیادہ جرار لشکر تھا اور بہتر وسائل رسد تھے مگر اُس نے بے ہاتھ پاؤں ہلائے
سولہ دن یوں ہی گذر جانے دیئے۔ جنرل اسٹوارٹ کے اس نکمے پن سے
جو پریشانی اس وقت گورنمنٹ کو ہو رہی تھی حسن اتفاق سے وہ اس طرح
رفع ہوگئی کہ ٹیپو سلطان یکایک دوسرے ساحل کی طرف کوچ کر گیا۔ برطانوی فوج کی
اُس حصے میں پیشقدمی کی جو ڈراونی خبریں اُسے پہنچیں انکی وجہ سے وہ
فوراً اُس سمت کو متوجہ ہو گیا اور درانحالیکہ ہر گھڑی جنرل بسی کی آمد کا انتظار
تھا مگر اُس نے بھی راہ نہیں دیکھی اور اپنا ٹانڈا لدوا کر اس زبردست خطرے کے
تدارک کے لیئے چل کھڑا ہوا۔

بسی اور اسٹوارٹ

۱۰- اپریل سنہ ۱۷۸۳ء کو بسی مقام کڈالور پر اُترا اور یہاں آتے ہی
اُس نے دو ہزار تین سو فرانسیسی اور پانچ ہزار ہندوستانی لشکر کی
قیادت سنبھالی لیکن اُسکو یہ معلوم کرکے بڑا صدمہ ہوا کہ خود ٹیپو سلطان اسکی شرکت کے لیئے
صرف ساڑھے تین ہزار فوج ہی چھوڑ گیا تھا۔ اب چونکہ جنرل اسٹوارٹ کے پاس
دیر لگانیکے لیئے کوئی عذر نہیں رہا تھا اسلیئے اُس نے بھی کڈالور کی طرف کوچ کیا۔
اسکے ساتھ اس وقت اعلیٰ درجے کا توپخانہ اور ساڑھے چودہ ہزار کا لشکر تھا
جس میں سے تین ہزار یورپین تھے۔ اُسکی فوج اتنی زبردست تھی کہ کبھی اسوقت تک
احاطۂ مدراس نے ایسی فوج نہیں ترتیب دی۔ اور اُسمیں کسی بات کی کمی نہیں تھی
البتہ ایک قابل سپہ سالار کی کسر تھی۔ یہ فوج کیسی تمناؤں کے ساتھ اپنے بوڑھے
نبرد آزما سردار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر طرف دیکھتی تھی جو اُنھیں سیدھا منزل
نصرت تک لے پہنچتا لیکن سر آئر کوٹ جسے ہیسٹنگز نے سمجھا بجھا کر بنگال سے
پھر مدراس بھیجدیا تھا مدراس پہنچنے کے تیسرے دن عدم آباد کو کوچ کر چکا تھا۔

(صفحہ ۲۰۲)

انگریزی مہم کڈالور کی طرف تین میل روزانہ کی رفتار سے چلی اور خاص کڈالور کا محاصرہ ۷ - جون سنہ ۱۷۸۳ء کو کرلیا گیا - ۱۳ - جون سنہ ۱۷۸۳ء کو بسی نے خروج کیا اور معقول آویزش کی نوبت آئی جسمیں بسی کو شکست ہوئی اور اسکی تیرہ توپیں بھی چھن گئیں مگر یہ فتح انگریزوں کو بہت مہنگی پڑی کیونکہ انکی طرف سے اڑسٹھ افسر اور نوسو بیس یورپین سپاہی کام آئے - اُسی دن سفرن بھی ساحل سے دو نمودار ہوا اور فرانسیسی اور انگریزی بیڑوں میں پھر مڈبھیڑ ہو گئی مگر پہلے کی طرح پھر کوئی نتیجہ نہیں نکلا - اسکے بعد امیرالبحر ہیوز تو اپنے جہازوں کو درست کرنیکے لیئے مدراس کی طرف چلا گیا اور سفرن نے بسی کی امداد کے لیئے دو ہزار چار سو جہازی اور سپاہی اُتارے - ۲۵ - جون سنہ ۱۷۸۳ء کو بسی نے پھر خروج کیا مگر پھر سخت نقصان اٹھاکر قلعہ بند ہونا پڑا - لیکن جنرل اسٹوارٹ تین ہفتے تک کڈالور کے اردگرد وقت ضائع کرتا رہا اور محاصرے میں کوئی کامیابی کی صورت نہیں پیدا کرسکا اور اسکا لشکر روز بروز بیماریوں تکانوں اور زخموں سے ضائع ہونے لگا - بسی یہ انتظار کر رہا تھا کہ انگریزی جنرل کی حماقتیں اپنی حد پر پہنچ جائیں تو ایک کاری ضرب لگائے جسکا یقینی اور لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ انگریزی فوج کو پسپائی اور ذلت نصیب ہوتی اور غالباً خود مدراس کے محاصرے بلکہ تسخیر کی بھی نوبت آجاتی - مگر حسن اتفاق سے اس مصیبت سے کمپنی کو اس طرح نجات ملگئی کہ ہندوستان میں یہ خبر آگئی کہ انگلستان اور فرانس میں صلح ہوگئی ہے - فریقین نے فوراً اپنی اپنی شمشیر مخاصمت کو نیام میں کرلیا اور ٹیپو سلطان کو فرانسیسی فوجوں کی امداد سے بالکل محروم ہو جانا پڑا - یہ جنرل اسٹوارٹ جب مدراس پہنچا تو اُسے لارڈ میکارٹنے نے قید کردیا اور انگلستان کو روانہ کردیا - یہ جنرل اسٹوارٹ وہ شخص تھا جس نے لارڈ پائیگوٹ کو قید کیا تھا اور نواب کرناٹک کا یہ ظریفانہ فقرہ ضرور قابل تحریر ہے کہ جنرل اسٹوارٹ نے ایک لاٹ صاحب کو قید کیا اور ایک لاٹ صاحب نے جنرل اسٹوارٹ کو قید کیا ؟

مہم بمبئی ٹیپو سلطان کی اچانک وانگی سواحل مغرب کی طرف اس انگریزی مہم کی کامیابیوں کی وجہ سے وقوع میں آئی تھی جو بمبئی گورنمنٹ نے مقبوضات

باب سوم: فصل چہارم

میسور کے خلاف اُن سواحل پر بھیجی تھی۔ حیدر علی کی موت کی خبر پاتے ہی جنرل میتھیوز کو اپنی مرضی اور عقل کے خلاف بیدنور پر قبضہ کرنیکے لئے کوچ کرنیکا حکم دیا گیا۔ یہ مقام میسور کے مرتفع علاقے میں واقع ہے۔ اس کوہستان کی چڑھائی جسکے ہر ہر قدم پر معقول استحکامات بھی تھے انگریزی فوج کی پیشقدمی میں بڑی سختی سے رکاوٹیں پیدا کرتی تھیں مگر بیالیسویں ہائیلنڈرس پلٹن کی ہمت مردانہ نے ان تمام مصیبت کی گھاٹیوں کو طے کرلیا۔ لیکن جس وقت انگریزی فوج قلعے کے سامنے پہنچی تو وہ قلعہ خلاف امید اور بغیر کسی شرائط کے تسخیر ہوگیا۔ میسور کا ایک سپہ سالار جو حیدر علی کو بہت عزیز تھا اسکے بیٹے ٹیپو سلطان کو اس سے سخت عناد تھا۔ اس سپہ سالار کو اتفاقیہ ایک خط ٹیپو سلطان کا بیدنور کے ایک فوجی افسر کے نام کا مل گیا جس میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ سپہ سالار مذکور کو اسکے عہدے سے معزول کردیا جائے اور اگر ممکن ہو تو قتل کرڈالا جائے۔ اس جلن میں اس سپہ سالار نے وہ قلعہ ہی انگریزی جنرل کے حوالے کردیا۔ لیکن اس قلعے پر قبضہ پاکر انگریزی سپہ سالار نے اپنی نگہداشت میں کمی کردی اور اپنے سپاہیوں کو مال غنیمت کی تلاش میں مضافات میں پھیل جانے کی اجازت دیدی ٹیپو سلطان فوراً اس قلعے کو واگذاشت کرانے کیلئے دوڑا اور اسکو پھر اُس وقت تسخیر کرسکا جبکہ تمام شہر بالکل ایک کھنڈروں سے بھرا ویرانہ ہوگیا تھا۔ اسکے بعد ٹیپو سلطان نے منگلور کا محاصرہ کیا جو اس جنگ کی سب سے شاندار یادگار رہے۔ قلعہ بند فوج بیالیسویں ہالینڈر پلٹن تھی جسکی قیادت کرنل کیمبل جیسے دلیر سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی۔ اس فوج میں سات سو گورے اور دو ہزار کالے سپاہی تھے برخلاف اسکے محاصرہ کرنیوالی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی اور اسکے پاس سو توپیں تھیں۔ اس قلعہ بند چھوٹی سی فوج نے جو جو مصیبتیں فاقہ کشی کی برداشت کی ہیں اُن سے زائد شاید ہی کسی فوج پر نازل ہوئی ہوں۔ اس فوج نے نو مہینے تک بے نظیر دلیری کے ساتھ مدافعت کی اور صرف اس وقت قلعے کو سپرد کیا جبکہ ساری فوج میں سے صرف ساڑھے آٹھ سو ڈھانچے باقی رہگئے تھے۔

(صفحہ ۲۰۳)

باب سوم
فصل چہارم

کرنل فلرٹن کی کامیابی ۱۷۸۳ء

ادھر تو ٹیپو سلطان اپنی قوت و شہرت کو اس محاصرے پر ضائع کر رہا تھا جس میں اُسے اپنی آدھی فوج بھینٹ چڑھانی پڑی اُدھر مدراس گورنمنٹ نے ساڑھے تیرہ ہزار کی ایک فوج جزیرہ نمائے دکن کو عبور کر کے قلب میسور میں روانہ کی اور اس فوج کی قیادت کرنل فلرٹن کو سپرد کی گئی جو کمپنی کے مردان کار میں ایک بہترین سپاہی تھا اور یہ سپہ سالار اس جنگ کو بہت جلد کامیابی کے ساتھ ختم کر دیتا مگر مدراس کے حکام کی حماقتوں نے اسکی پیش نہ جانے دی۔ کرنل فلرٹن نے پال گہاٹ کا مشہور قلعہ تسخیر کر لیا تھا اور نہایت اہم شہر کمبتور پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور وہ خاص دار الحکومت میسور کی طرف پیش قدمی کرنیوالا تھا جہاں اُسے یقینی کامیابی حاصل ہوتی کیونکہ ٹیپو سلطان کی فوج منگلور کے محاصرے میں مصروف تھی مگر یکایک اسکے پاس مدراس گورنمنٹ کے احکام پہنچے کہ تمام فوجی کارروائیاں ملتوی کر دے اور مقبوضہ مقامات کو خالی کر دے۔ ہسٹینگز کے مخصوص احکام کی مخالفت کر کے لارڈ میکارٹنی نے ٹیپو سلطان کے ساتھ عین اسوقت پر نامہ و پیام شروع کر دیا تھا جبکہ پیشوا معاہدہ سالبائی کی شرائط کے مطابق ٹیپو سلطان کو یہ دھمکی دے رہا تھا کہ وہ انگریزوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لے ورنہ مرہٹہ فوجوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائے۔ گورنر مدراس نے بہ اختیار خود التوائے جنگ کرنیکی بھی اطلاع تا تصفیۂ نامہ و پیام ٹیپو سلطان کو دیدی تھی اسلئے کرنل فلرٹن کی پیشقدمی کو بھی ایکدم روک دیا گیا تھا۔ لارڈ میکارٹنی ہندوستانی رئیسوں کی اس طینت سے واقف نہیں تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ صلح کے نامہ و پیام بجائے کامیاب ہونیکے اکثر بے نتیجہ رہتے ہیں۔ (صفحہ ۲۰۴)

ٹیپو سلطان نے حقارت آمیز خموشی کے ساتھ تین ماہ تک اس تجویز کا کوئی جواب ہی نہیں دیا اسکے بعد اُسنے اپنے ایک نہایت چالاک افسر کو حکام مدراس کو احمق بنانیکے لئے بھیجا چنانچہ مدراس گورنمنٹ اسپر راضی ہو گئی کہ اپنی طرف سے دو سفیر ٹیپو سلطان کے لشکر میں منگلور بھیجے اس طرح ٹیپو سلطان کو یہ موقع مل گیا کہ ہر ہندوستانی رئیس تک فخریہ یہ بات پہنچائے کہ انگریزی گورنمنٹ نے بڑے رتبے والے

باب سوم
فصل چہارم

سفیر استدعائے صلح کے لئے اسکے دربار میں بھیجے ہیں۔ ٹیپو سلطان کے سفیروں میں اور
مدراس کے وکیلوں میں بعض تنازعات مبادیات صلح میں ایسے پیش آگئے
کہ معاملے کو پھر مدراس رجوع کرنا پڑا۔ مدراس کونسل نے اپنی تمام حالت پر
ایک نظر ڈالکر بجائے اسکے کہ کرنل فلرٹن کو یہ حکم دیتی کہ سرنگاپٹم تک پیشقدمی کرتا
چلا جائے اور لڑائی کو کامیابی کے ساتھ ختم کردے اُسے یہ حکم دیا کہ اپنی تمام
فتوحات سے دست بردار ہوکر اپنی فوج کو واپس لے آئے۔ ہیسٹنگز کو چونکہ ہندوستانی
طبیعت سے بڑی حد تک واقفیت تھی اسلیئے ان وکیلوں کے ذریعے سے نامہ وپیام
کی تدبیر کو ناپسند کیا تھا اور اسکی یہ رائے تھی کہ اگر نامہ وپیام بھی کرنا تھا تو خاص
دارالحکومت کی دیواروں کے تلے کرنل فلرٹن کے ذریعے سے کیا جاتا بہتر ہوتا
مگر اب ہیسٹنگز کچھ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ مجلس انتظامیہ نے اسکی کارروائیوں پر
اظہار ملامت کرنا ازسرنو شروع کردیا تھا اور اسکی اپنی کونسل کے ممبر بھی اُسکا
ساتھ دینے سے پہلوتہی کرنے لگے تھے۔ چنانچہ صلح کے نامہ وپیام اور ترتیب شرائط کا
کام مدراس گورنمنٹ ہی کے ہاتھ میں رہا جس نے اپنی قدیم دستاویزی [illegible] کا
ثبوت اس موقع پر بھی دیا۔

صلحنامۂ منگلور ۱۷۸۴ء

انگریزی وکیلوں کو بہت آہستہ آہستہ ملک میں گشت کرایا گیا
انکو جگہ جگہ روکا جاتا تھا اور ہر ہر موقع پر انکو ذلت کا
سامنا کرایا جاتا تھا۔ منگلور کے تسخیر ہوجانے پر انکو منگلور کے لشکر میں لیجایا گیا
اور وہاں عین انکے خیموں کے سامنے سولیاں کھڑی کرکے انکی توہین کی گئی
آخرکار اُس صلحنامے پر دستخط کیئے گئے جسکی رو سے فریقین نے اپنی اپنی فتوحات
سے دست برداری داخل کردی۔ اس صلحنامے کے متعلق صرف یہی کہا جاسکتا ہے
کہ یہ اتنا ذلت آمیز نہیں تھا جتنے وہ تمام معاہدے اور صلحنامے تھے جو مدراس
گورنمنٹ پندرہ سال سے کرتی چلی آرہی تھی۔ یہ صلحنامہ کمپنی کی نیکنامی پر جس قدر
داغ لگانیوالا تھا اُسی قدر قیام امن کے اغراض کے بھی منافی تھا اور اسکی وجہ
سے ایک اور ایسی سخت جنگ کی ضرورت پڑگئی تھی جس [illegible] ٹیپو سلطان کا وہ
خناس نکل سکے جو اس صلح کی وجہ سے اسکے دماغ میں سما گیا تھا اور جسکا اظہار

باب سوم
فصل چہارم

اسکے اس اظہار مباہات سے ہوتا ہے۔

"انگریزی وکیل صلحنامے کے کاغذات کو ہاتھ میں لیئے اپنے سر بحضور جھکائے دو گھنٹے تک کھڑے ہر طرح کی خوشامدوں اور التجاؤں کے ساتھ خواستگار رحم ہوتے رہے۔ پونا اور حیدر آباد کے وکلا نے بھی نہایت عاجزانہ التجائیں انکی سفارش میں کیں چنانچہ حضرت سلطان ظل سبحانی کو آخر کار انکے حال زار پر رحم آگیا اور انکی عرضداشت منظور فرمائی"۔

فصل پنجم

عدالت عالیہ چیت سنگھ بیگمات اودھ۔ عہد ہسٹنگز کا اختتام انگلستانی معاملات

عدالت عالیہ ۱۷۷۴ء

اب ہم پھر بنگال کے واقعات کو لیتے ہیں۔ بنگال میں جو عدالت عالیہ ۱۷۷۴ء میں قائم کی گئی تھی اسکی غرض یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو انگریزوں کے پنجے سے نجات دلائے اور انگریزوں کو انکے اپنے قانون کی برکتوں سے مستفیض کرے۔ جو جج مقرر کیئے گئے تھے وہ انگریزی قانون کے ہر شعبے کو استعمال کرنیکے مجاز کیئے گئے تھے۔ اور ان کو شاہی عدالت کے پورے اختیارات عطا کیئے گئے تھے اس طرح جان بوجھکر یا لاعلمی سے پارلیمنٹ نے اس نئی مملکت میں دو مجاز حکومتیں قائم کردی تھیں اور انکے اختیارات کے حدود نہیں قائم کیئے تھے چنانچہ اُن میں تصادم ہونا ناگزیر تھا جو ہو کر رہا۔ پہلی ضرب اس دوعملی کی زمینداروں پر پڑی۔ زمینداروں کا یہ دستور تھا کہ اپنی رعیت سے اپنے مطالبات لگان سختی کرکے وصول کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ بغیر سختی کے بیباقی کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ عدالت عالیہ نے اپنے اجلاس شروع کرتے ہی ایسے زمینداروں کے خلاف گرفتاری کے حکمنامے جاری کرنے شروع کردیئے جن پر مختاروں اور وکیلوں کی ترغیب سے رعیت نے نالشیں عدالت موصوفہ میں دائر کردی تھیں۔ یہ زمیندار زبردستی کلکتہ کی عدالت میں گھسیٹ کر لائے جاتے تھے

اور اگر وہ ضمانت نہیں دیتے یا نہیں دے سکتے تو انکو حوالات کر دیا جاتا تھا
اگر انکی وہ گرفتاری ناجائز ثابت ہو جاتی تو بھی انکو اپنی اس ذلت اور
زیر باری کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔

اس سے تمام ملک میں ایک مصیبت کی ایسی لہر دوڑ گئی جیسی کہ
تیس سال سے مرہٹوں کے جتھوں کے زمانے کے بعد سے نہیں دیکھی گئی
تھی۔ زمینداروں کی گرفتاریوں اور ذلتوں نے ادھر تو زمینداروں
کے رعب وداب میں اور انکی ساکھ میں فرق ڈالدیا اور ادھر رعیت
کو سرکش بنا دیا کہ وہ لگان دینے میں بیباک ہو کر لیت ولعل کرتے تھے
اور اگر بعض نادہندوں کو قید کر دیا جاتا تھا تو اُن کے مختار اُنھیں
مشورے دیتے تھے کہ وہ عدالت عالیہ سے حکمنامۂ چالان جاری کرنیکی
استدعا کریں چنانچہ جب وہ کلکتہ پہنچ جاتے تھے تو انکو رہا کر دیا جاتا تھا۔
ان تمام کارروائیوں کو عذر ٹھہرا کر زمیندار لوگ اپنی طرف کے مطالبات
گورنمنٹ کے خزانے میں داخل کرنے سے لیت ولعل کرنے لگے اور چونکہ
اس زمانے میں گورنمنٹ کی آمدنی کا بڑا انحصار لگان اراضی ہی پر تھا
اسلیئے گورنمنٹ کے خزانے کو سخت خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔

صوبے کا محکمہ گیرائی جس سے متعلق ایک کروڑ تیس لاکھ رعایا کے
جان ومال کی نگہداشت تھی۔ نواب مرشد آباد اور اُس سے گیرائی (صفحہ ۲۰۶)
وفوجداری حکام کی سپردگی میں دیا ہوا تھا۔ لیکن عدالت عالیہ کے جج یہ کہتے تھے
کہ نواب محض ایک کابوس ہے۔ ایک کٹھ پتلی ہے۔ جسکو کسی
قسم کے اختیارات عمل میں لانیکا کوئی حق نہیں ہے بلکہ ایک موقع پر تو انہوں
نے نواب کے خلاف اپنی حقارت آمیز رائے کو شائع بھی
کرا دیا۔ عدالت عالیہ کا یہ دعوے تھا کہ صوبہ جات کی جو عدالتیں کمپنی کی
گورنمنٹ نے قائم کی تھیں انکے احکام کٹھ پتلیوں کے بادشاہ کے حکموں سے
بہتر کوئی اصلیت نہیں رکھتے تھے۔ انکی نظر میں خود ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی
ہندوستان میں کوئی اختیارات حاصل نہیں تھے سوائے اسکے کہ وہ ایک تجارتی

باب سوم
فصل چہارم

جماعت تھی بلکہ وہ کہتے تھے کہ خود گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل بھی اُن کے فیصلوں کے موافق عمل کرنیکا پابند ہے اور اگر گورنر جنرل یا کوئی دوسرے ملکی حکام عدالت عالیہ کے حکم نامہ جات کی نافرمانی کریں تو وہ سب قابل مواخذہ ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ جج جو کچھ کرتے اور کہتے تھے اپنے ایمان سے کہتے اور کرتے تھے مگر مصیبت تو یہ تھی کہ یہاں حکومت کی بنیاد ہی متزلزل ہوئی جارہی تھی اور تمام ملک پر ایک طوائف الملوکی کا دور طاری ہو جانیکا خطرہ لگا ہوا تھا۔

عدالت عالیہ کی دراز دستی کیجیرا کے مقدمے میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ ایک ہندوستانی نے ایک راجہ پر ایک مقدمہ دائر کیا جو کلکتہ سے فاصلے پر رہتا تھا اور عدالت عالیہ کے حدود اختیار سے باہر تھا۔ لیکن دو پولس کے افسر اسٹی پولیس مسلح سپاہیوں کے ساتھ راجہ پر حکمنامہ گرفتاری کی تعمیل کرنیکو عدالت عالیہ کی طرف سے بھیجے گئے تاکہ راجہ کو کشاں کشاں کلکتہ میں لائیں۔ یہ جمعیت راجہ کے زنان خانے میں گھس گئی اور گھر کے بتوں پر بھی قبضہ کر لیا مگر خود راجہ کسیطرح بچکر نکل گیا اس وقت ہسٹنگز کو خیال ہوا کہ گورنمنٹ کا وقار قائم رکھنے اور اس کی رعایا کی حفاظت کرنیکا موقع ہے چنانچہ اُس نے یہ حکم دیا کہ اس ظلم جماعت کو راستے میں سے روک لیا جائے اور محبوسین کو کلکتہ پہنچنے پر خلاصی دیدی جائے۔ آئندہ کے لئے ایسی آفتیں نازل ہونیکا سد باب کرنیکے لئے اُسنے ایک اعلان عام شائع کرا دیا کہ ہر طبقے کے جاگیر دار عدالت کے حدود اختیار سے اپنے تئیں باہر سمجھیں سوائے ان خاص جاگیر داروں کے جو اپنی ذات کو اپنی خوشی سے اتباع احکام عدالت کا پابند کر دیں۔ اسپر عدالت نے خود گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے خلاف ایک فیصلہ صادر فرمایا مگر آخر الذکر نے اس فیصلے کو حقارت آمیز خموشی سے دیکھ لیا اور بس۔

انگلستان کے ایوان عام میں یورپین اور ہندوستانی دونوں جماعتوں کی طرف سے شکایات کا تدارک فرمانیکے لئے درخواستیں بھیجی گئیں لیکن تین سال سے پہلے اسکا کوئی انتظام نہو سکا۔ تاہم اس

باب سوم
فصل پنجم

اثنا میں ہسٹنگز نے ایک اور علاج بہت اچھا یہ کر دیا اُس نے کمپنی کے آخری مرافعے
کی عدالت یعنے صدر عدالت میں چیف جج کی جگہ عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کو
سات ہزار روپے مشاہرے پر پیش کی۔ چیف جسٹس موصوف نے اس عہدے کو
قبول کر لیا مگر مشاہرہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس انتظام کے ہوتے ہی شاہی
عدالت کی تمام دراز دستیاں فوراً رک گئیں۔ اس تقرر پر لیڈن ہال اسٹریٹ
اور ایوان عام میں سخت نکتہ چینی کی گئی اور چیف جسٹس سر الیجا کو فوراً
انگلستان بلا لیا گیا۔ یہ انتظام ملک کے اغراض کے لئے حد درجہ مفید
ثابت ہوا۔ ہسٹنگز نے تمام جوڈیشل صیغے کو از سر نو ترتیب دے لیا تھا
اور اگرچہ اُس نے کمپنی کے ملکی ملازموں میں سے بہترین حکام منتخب کر کے
عدالتوں کے حاکم بنائے تھے مگر وہ سب قانونی کام کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے
تھے چیف جسٹس سر الیجا نے جو بڑی قابلیت اور تجربے کا مقنن تھا ان تمام
نو آموز افسروں کے کام کو ضابطے ورقاعدے کے سانچے میں ڈھال دیا تھا
اس غرض کے لئے چیف جسٹس مذکور نے قوانین کا ایک ضابطہ تیار کیا
جو نہایت واضح تھا طوالت سے خالی تھا اور ہندوستانی طبیعت کی سادگی
کے لئے نہایت موزوں تھا اور بعد کو جتنے قوانین بنے ہیں اُن سب کا
سنگ بنیاد یہی ضابطہ ہوا ہے۔

(صفحہ ۲۰۷)

جیت سنگھ

اس زمانے کی مالی مشکلات بمقابلہ گزشتہ سال کے بہت
بڑھی ہوئی تھیں۔ حیدر علی کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی جو تمام
کرناٹک کو روندے ڈال رہا تھا۔ مرہٹوں کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی اور
فرانسیسیوں اور ولندیزیوں کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی۔ تمام فوجی
کارروائی کے مصارف کی کفالت صرف بنگال پر آ پڑی تھی کیونکہ
یہی ایک صوبہ ایسا تھا جہاں آمدنی ہوتی تھی۔ گراں بار قرضے لئے جا چکے
تھے اور حکومت کی ساکھ میں فرق آنے لگا تھا اور ہسٹنگز اب ایسے سامان
ڈھونڈنے لگا جس کو خدا پیدا کر دیتا ہے۔ ہندوستان کے سیاسی آئین کے مطابق ایک
باجگذار رئیس ہمیشہ اسکا ذمہ دار تھا کہ جب کبھی اسکے مالک کو ضرورت

باب سوم فصل ...

پڑے تو وہ غیر معمولی امداد کے مطالبے کی تعمیل کرے۔ جیت سنگھ راجہ
بنارس کے دادا نے اپنے زمانے کی طوائف الملوکی میں اپنے لئے ایک
چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی جو وہ نواب وزیر اودھ کے جاگیردار
کے طور پر اپنے قبضے میں رکھتا تھا۔ مسٹر فرانسس نے نواب وزیر کو مجبور
کر کے یہ جاگیر کمپنی کیطرف منتقل کرائی تھی اور ایک سند اسکے متعلق دیدی تھی
جسکی رو سے جاگیردار کو پچیس لاکھ روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ اس وقت
ہسٹنگز نے جیت سنگھ سے پانچ لاکھ نقد اور بہار کی حفاظت کے لیئے دو ہزار سوار کا
مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ نہایت آئینی تھا اور راجہ نے کچھ عرصے تک اسکی تعمیل بھی
کی لیکن بعد کو اس نے افلاس کا عذر کر کے اسکی ادائیگی سے پہلو تہی کرنی چاہی۔
ہسٹنگز کو یہ یقین دلایا گیا کہ راجہ کے پاس ڈیڑھ کرور روپیہ جمع ہے اور یہ
خبر ایک حد تک صحیح بھی تھی۔ چنانچہ ہسٹنگز نے جیت سنگھ کے لیت و لعل کو
جرم سے تعبیر کیا اور بقول خود یہ عزم کر لیا کہ اس سے اسکی معافی کا معاوضہ
وصول کریگا اور اسکے قصور ادائیگی قرض کا سخت انتقام لیگا اور اسکے اس
جرم سے کمپنی کو فائدہ پہنچانیکا ایک ذریعہ نکالیگا۔ غرض یہ ہسٹنگز کو ۱۷۸۱ء
میں خود بنارس جانیکی نوبت آئی اور راجہ نے اسکی ناراضگی کو رفع کرنیکے لیئے
راستے ہی میں اس سے آ کر ملاقات کر لی اور اسکی خدمت میں پچیس لاکھ پیش
کرنا چاہا۔ لیکن ہسٹنگز نے اپنا مطالبہ بڑھا کر پچاس لاکھ کر دیا تھا۔ بنارس پہنچکر ہسٹنگز
نے راجہ کے ذمے جتنے الزام تھے انکی ایک تحریری تفصیل اسکے حوالے کی اور راجہ کو
حراست میں لے لیا اور اسکے محل پر پہرہ بٹھانے کی غرض سے جو دو کمپنیاں
دیسی سپاہ کی لایا تھا وہ متعین کر دیں۔ اسپر تمام آبادی مشتعل ہو کر ان سپاہیوں
پر ٹوٹ پڑی اور چونکہ وہ اپنے ساتھ کوئی مخزن نہیں لائے تھے اسلیئے جوش
اشتعال میں رعیت نے ان سب کو مع انکے تمام افسروں کے ٹکڑے ٹکڑے
کر ڈالا۔ ایسے طوفان بے تمیزی میں راجہ بھی دریا پار کر کے فرار ہو گیا اور
گورنر جنرل کی حالت نہایت مخدوش ہو گئی۔ اس وقت وہ ایسے شہر میں تھا
جو اپنی شورش پسندی کے واسطے مشہور رہا تھا اور ایک شعلہ خو مخلوق اسے

باب سوم
فصل پنجم

سب طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ اور خود اسکے اور اسکے تیس ہمراہیوں کے پاس سوائے اپنی تلواروں کے اور کوئی بچاؤ کا ذریعہ نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے وہ گروہ بجائے بے پناہ گورنر جنرل پر حملہ کرنیکے اپنے راجہ کے شریک ہونیکے لئے دریا پار چلا گیا۔ باوجودیکہ اس تمام صوبے میں آتش بغاوت پھیل گئی تھی مگر ہسٹنگز نے اپنے فطری استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور اسی نازک وقت میں اس نے سندھیا کے ساتھ گفتگوئے صلح کی ابتدا کی اور اسکی تکمیل بھی کر کے صلحنامۂ سالبائی مرتب کر لیا اور یہ تمام کارروائی ایسے اطمینان اور دلجمعی سے کر لی جیسے وہ اپنے کلکتے کی کوٹھی میں بیٹھا ہوا کر رہا ہو۔ اسکے ساتھ یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ سندھیا کو کمپنی کے مستقبل پر کتنا اعتماد تھا کہ باوجودیکہ اسکو تمام صورت حالات کا علم تھا مگر اس نے کمپنی کے پیش کردہ شرائط نامے پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔ تھوڑے سے عرصے میں ہر طرف سے امدادی فوجیں پہنچنی شروع ہو گئیں لیکن ہسٹنگز اپنی اس حالت کو قابل اطمینان نہ پا کر رات کے وقت ایک کھڑکی میں سے اپنی جان بچا کر نکلا اور خود ایک کشتی کو کھیتا ہوا چنار گڈھ پہنچ گیا۔

چیت سنگھ کی شکست ۱۷۸۱ء

راجہ نے بیس ہزار فوج جمع کر لی تھی مگر اس فوج کو متواتر شکست ہوئی اور اسکا آخری قلعہ بجیگڈھ جس میں اس کا سارا مال متاع تھا اسکی رانیوں نے حوالے کر دیا۔ انگریزی فوج کے کمانڈر میجر پوپہم نے ہسٹنگز کے ایک خط کے کسی بے احتیاطی کے جملے سے غلط فہمی میں پڑ کر راجہ کا چالیس لاکھ کا خزانہ فوج کے سپاہیوں اور افسروں میں تقسیم کر دیا جس سے ہسٹنگز کو سخت صدمہ ہوا کیونکہ وہ اس روپے سے کمپنی کی مالی مشکلات کے رفع کرنے میں کام لینا چاہتا تھا۔ ہسٹنگز کی تمام ملازمت میں یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسکے لئے کوئی معقول عذر پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ سلطنت کی ایک شدید ضرورت کے وقت ہسٹنگز کا اپنے ولی نعمت کی امداد کیلئے مجبور کرنا [illegible] تھی مگر پچاس لاکھ کا جرمانہ صرف پانچ لاکھ کی ادائیگی میں تساہل کرنے پر

باب سوم
فصل پنجم
(صفحہ ۲۰۹)

کردینا بالکل انتقامی کارروائی تھی اور اسکو اسکے عہد حکومت پر ایک بدنما دھبہ سمجھا گیا ہے۔ راجہ کے خزانے کا اس طرح ضائع ہوجانا ہسٹنگز کے لیئے نہایت پریشانی کا باعث ہوا۔ اس وقت میدان میں ساٹھ ہزار فوج تھی اور خزانہ بالکل خالی تھا۔ نواب وزیر اودہ کے ذمے کمپنی کا بقایا ڈیڑھ کروڑ روپیہ تھا اور ہسٹنگز نے اس وسیلۂ آمدنی کی طرف نظر اٹھائی مگر قبل اسکے کہ اسمیں وہ کوئی کارروائی کرے نواب وزیر خود اسکی خدمت میں چنارگڑھ حاضر ہوا اور اسسے یہ اطلاع دی کہ اودہ کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا ہے اسلیئے علاقۂ اودہ کی حفاظت کے لیئے جو انگریزی فوج رکھی گئی ہے اب اسکی کفالت ممکن نہیں۔ اسکے بعد وزیر اودہ نے بیگمات کے خزانے کا اشارتاً تذکرہ کیا اور ترکیب سے یہ بھی کہہ گیا کہ اگر اس خزانے کی ضبطی کی اجازت مل جائے تو کمپنی کے مطالبات ادا ہوسکتے ہیں۔ اسکے ساتھ یہ بھی اطلاع ہسٹنگز کو دیگئی مگر اسکا لانیوالا کرنل ہے کاسا غیر معتبر راوی تھا کہ بیگمات اودہ نے چیت سنگھ کی اس بغاوت کو امداد دی ہے اور اسکی فوج اور روپے سے مدد کی ہے۔ چنانچہ سراسیمگی کے عالم میں اسوقت ہسٹنگز کے دل میں یہی آیا کہ ان بیگمات نے کمپنی سے جنگ کی ہے اور اس نے نواب وزیر کے اصرار پر عمل کرکے اسے یہ اجازت دیدی کہ بیگمات پر ہاتھ صاف کرلے۔ چنانچہ ۱۷۸۲ء میں ان بیگمات کے ٹھہ خانوں سے بہتر لاکھ روپیہ زبردستی نکالا گیا اور کلکتے بھیجا گیا مگر یہ روپیہ اسوقت تک نہیں نکل سکا جبتک انکے دو خواجہ سراؤں کو انتہا سے زیادہ اذیتیں نہ پہنچائی گئیں۔ اس تشدد کی حرکت کا ہسٹنگز کو ہرگز اسوقت تک ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا جبتک کہ اس تمام معاملے کو اول سے آخر تک اسکی ذاتی بے انصافی سے نہ تعبیر کیا جائے۔ مگر قابل غور یہ ہے کہ اس خزانے پر بیگمات کا کوئی جائز حق نہیں تھا۔ یہ ریاست کی ملکیت تھی اور ریاست کے ذمے جو مطالبات تھے اسکی ادائیگی کے لیئے کام میں لایا جانا چاہیئے تھا مگر اسپر بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس وقت سے چھ سال پہلے اس خزانے پر

باب دوم
فصل ہفتم

بیگمات کا حق کلکتہ گورنمنٹ کی مہر کے ذریعے سے تسلیم کیا جا چکا تھا اور اس مہر کا احترام واجب تھا۔ ہسٹنگز کو خود اس کارروائی سے اسکے متعلقین کا اتنا کم خیال تھا کہ اسے یہ گمان بھی نہیں گزرا کہ اسکے پاکباز مخالفین اسکا تنکہ بنا کر کھڑا کر دینگے لیکن بعد کی نسلوں نے اخلاق انسانی کی حمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے اور آداب ملازمت کی اچھی طرح چھان بین کرلی ہے اور باوجودیکہ ہسٹنگز کے اس لین دین میں کوئی ذاتی غرض نہیں تھی اور اسکی اس حرکت کی محرک کمپنی کے اغراض کے ساتھ وابستگی ہوئی تھی پھر بھی اس پر عام لعنت ملامت کیجا چکی ہے۔

ہسٹنگز کا اختتام عہد حکومت سنہ ۱۷۸۳ء

غرض یہ کہ مجلس انتظامیہ نے ان تمام کارروائیوں کو سختی سے ناجائز قرار دیا اور اسکی کونسل کے ممبر بھی اس وقت اسکی مخالفت کرنے میں متفق ہوگئے چنانچہ اُس نے نہایت بیجا یہ شکایت کی تھی کہ تمام ہندوستان کی حفاظت کا ذمہ دار تو اسے اکیلے کو بنا دیا گیا تھا یعنی سب کے سب اپنے ڈھنگوں سے اسکی سلامتی کو خطرے میں ڈالتے جا رہے تھے اور اب جبکہ اسکی ذلت کے اسباب کو ہندوستان کے ہر دربار میں مشتہر کیا جا رہا ہے تو تمام کونسل میں اسکی طرفداری میں صرف ایک رائے رہگئی ہے۔ ۲۰۔ مارچ سنہ ۱۷۸۳ء کو جو مراسلہ اُس نے مجلس انتظامیہ کے ملاحظے کے لئے ارسال کیا تھا اُس میں اُس نے اول تو اُس صبر و استقلال کا تذکرہ کیا جسکے ساتھ اُس نے ان تمام ذلتوں کو گوارا کر لیا تھا جو اوپر تلے اُسے اس طویل دور ملازمت میں پہنچائی گئی تھیں اور پھر صاف الفاظ میں گورنمنٹ کی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرنیکا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ مجلس انتظامیہ کے احکام کی تعمیل میں وہ سنہ ۱۷۸۴ء میں خود لکھنؤ گیا اور وہ جاگیریں بیگمات کے لئے بحال کیں جو اُن سے ضبط کر لی گئی تھیں۔ نواب وزیر اودھ کے ساتھ کمپنی کا تمام حساب وکتاب طے کیا اور انگریزی ریزیڈنٹ کو وہاں سے ہٹا لیا۔ کلکتے پہنچکر اُس نے تمام ہندوستانی رئیسوں کو الوداعی خطوط لکھے کیونکہ یہ سب کے سب اسکی نہایت عزت کرتے تھے اور فروری سنہ ۱۷۸۵ء میں انگلستان

(صفحہ ۲۱۰)

ہیسٹنگز پر الزامات

جانیوالے جہاز پر سوار ہو گیا تو بادشاہ اور ملکہ نے اُسے مراحم خسروانہ کے ساتھ شرف باریابی بخشا اور مجلس انتظامیہ نے بھی نہایت شاندار الفاظ میں اسکا خیر مقدم کیا۔ اور سوائے ایک مستثنےٰ کے عام طور پر وزارت نے اسکے ساتھ دوستانہ سلوک روا رکھا اور خود مسٹر ڈانڈاس نے جس نے ایوان عام میں خاص طور سے کیسے الفاظ میں اسپر اظہار لعنت و ملامت کیا تھا اس وقت اس کو شہنشاہ ہند کے لقب سے یاد فرمایا۔ لیکن وزیر اعظم مسٹر پٹ نہایت سختی سے اسکے خلاف تھا۔ اُس نے اگرچہ اسکی قابلیت اور کامیابی کی داد دی مگر بادشاہ کو یہ صلاح دینے سے انکار کیا کہ اسے کسی قسم کا اعزاز یا منصب عطا فرمایا جائے۔ ایڈمنڈ برک جس نے سیاسیات ہند کا مطالعہ کرنا عرصے سے اپنا خاص مشغلہ بنا رکھا تھا ہیسٹنگز کا اس درجے مخالف ہو گیا تھا کہ اسکی مخالفت عناد تک پہنچ گئی تھی۔ پھر اب مسٹر فرانسس کو پارلیمنٹ کی ممبری مل چکی تھی اور اُس نے برک کے کان ہیسٹنگز کے خلاف اپنے ذاتی بغض و عناد کی وجہ سے اس درجے بھر دیئے تھے کہ برک نے اسکی تمام کارروائیوں کو ایوان عام میں مجرمانہ ثابت کرنا چاہا۔

چنانچہ ۱۷۸۶ء میں ایوان عام کو یہ ترغیب دے لی گئی کہ بائیس الزامات کی وجہ سے ہیسٹنگز کو ایوان خاص کے سامنے ضابطے کی جوابدہی کے لئے ملزم بنا کر کھڑا کیا جائے۔ ان میں سے تین الزام خاص طور سے سنگین تھے یعنے روہیلوں کے ساتھ جنگ کرنا۔ چیت سنگھ کے ساتھ بدسلوکی کرنا اور بیگمات کے خزانے پر ہاتھ صاف کرنا۔ باقی کے الزامات تو مسٹر فرانسس کے بغض و عناد کے کرشمے تھے۔ یہ مقدمہ ۱۳۔ فروری ۱۷۸۸ء کو شروع ہوا اور اس سے سو برس پہلے جو پادریوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا اسکے بعد سے انگلستان بھر میں اس سے زیادہ دلبستگی کا اظہار انگلستان میں اور کسی مقدمے کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ ملکۂ معظمہ۔ شہزادیاں۔ ولیعہد سلطنت اور دوسرے شہزادے اور تمام امرائے دولت اپنے لباس فاخرہ زیب تن کئے شاہانہ وضع کے ساتھ مقدمے کی افتتاحی کارروائی ملاحظہ کرنیکے لئے ویسٹ منسٹر ہال کو

باب سوم
فصل پنجم

گئے۔ لیکن اس تمام تماشے میں سب سے زیادہ قابل یادگار وہ منظر تھا جسکو نجوم خرد کی کہکشاں سے تعبیر کرنا چاہیئے یعنی منتظمین ایوان کی نشستیں جنکو فاکس برک۔ شیریڈان اور گرے اور وندہم جیسے قابل لوگ زینت دیئے ہوئے تھے جنکے نام انگلستان کی تاریخ میں بقائے دوام کی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ اس عظمت و شان کی مجلس کے سامنے وہ وارن ہسٹنگز جو کبھی اقلیم ہند کے راعی و رعایا کو فرامین ہدایات نافذ کیا کرتا تھا اس وقت اپنی ملزمیت کا فرمان سننے کے لیئے کھڑا کیا گیا تھا۔ مقدمے کی پیروکاری جمہوریت پسند فرقے کے سپرد تھی جس نے ایسی قابلیت کے ساتھ اس (Whige) خدمت کو انجام دیا جس سے بہتر آجتک دیکھنے میں نہیں آئی مگر ایسی مخاصمانہ پیروی کی کہ اسکی بھی آجتک نظیر نہیں ملتی ہے۔ پیروکاران سرکار نے ہسٹنگز کے واسطے سارق۔ ظالم۔ غارتگر۔ فریبی۔ جعلساز۔ ٹھگ۔ بے ایمانوں کا سردار اور دوزخ کے بچھو کے القاب سے یاد کیا اور پھر بھی انھیں یہ افسوس رہا کہ اسکے جرائم کی پوری تشریح کرنیوالی صحیح اصطلاحات انگریزی کی زبان میں نہیں ملتیں۔ یہ مقدمہ سات سال تک گھسٹا اور اسکا اختتام ہسٹنگز کی کامل اور باعزت بریت پر ہوا لیکن اسمیں اسکے دس لاکھ روپے خرچ ہو گئے اور وہ بالکل قلاش ہو کر رہگیا۔

(صفحہ ۲۱۱)

ہسٹنگز کی شخصیت

ہسٹنگز کے عہد حکومت کا سب سے بڑا عیب جو لینے فلسفی مورخ مل بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ بلا شک و شبہ ان قابل ترین عمال میں سے تھا جنکو کبھی کمپنی نے اپنی ملازمت میں رکھا تھا بلکہ ان تمام قابل لوگوں میں ایک بھی سوائے اسکے ایسا نہ تھا جو ان دشواریوں سے حواس باختہ نہ ہو جاتا جنکا اسکو سامنا کرنا پڑا تھا۔

اسمیں شک نہیں کہ اسکی بعض حرکات ضرور قابل گرفت تھیں لیکن بعض مورخ اسکے عہد ملازمت کی شان و شوکت کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اُسکے تمام قصوروں کی پردہ پوشی کر سکے اور اُسی کے زمانے کے نہایت قابل مدبر کی اسکے متعلق یہ رائے تھی کہ اگرچہ اسکا عہد حکومت عیوب سے

بالکل پاک نہیں ہے مگر وہ اس لائق ہے کہ اگر اسکے سر میں کوئی جگہ بھی بالوں سے
خالی ہو تو اسکو پھولوں کے سہروں سے ڈھانپ دینا چاہئیے۔ ایسے وقت میں
جبکہ انگلستان کا بادشاہ اور اسکے وزرا ملک مغرب میں ایک سلطنت
ہاتھ سے کھو رہے تھے [illegible] ہیسٹنگز مشرق میں ایک نئی سلطنت قائم کر رہا تھا جب اُس نے
زمام حکومت ہاتھ میں لی ہے تو کمپنی کی حکومت صرف وادی گنگا تک محدود تھی۔
وہ الحاق ممالک کا مخالف تھا اور در اصل اُس نے کسی علاقے کا الحاق کیا بھی
نہیں لیکن اسکے حوصلے کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ کمپنی کے اثر و اقتدار کو ہندوستان
کے ہر دربار تک پہنچا کر اسکو اقلیم ہند کی مقتدر ترین دولت بنا دے اور
یہ مقصد وہ باوجود ہر قسم کی مشکلات کے حاصل کر کے رہا۔ جس وقت وہ ملازمت
سے سبکدوش ہوا ہے تو کمپنی کو ہندوستان بھر میں سب سے مقتدر اور
سب سے زبردست قوت تسلیم کر لیا گیا تھا جسکی ایک نظر مہر کے متلاشی
جسکے انداز قوت سے ڈرنیوالے ٹیپو سلطان نواب نظام الملک اور پانچوں مرہٹے رئیس تھے
[illegible] ایسا کسی برطانوی حکمران نے اس درجہ عظمت اور سچی محبت
رعایا کے دل میں اپنی طرف سے نہیں پیدا کی جتنی اس نے کی اور اب سو برس
بعد بھی ہسٹنگز صاحب کا نام بڑی عزت کے ساتھ زبانوں پر آتا رہتا ہے۔

کمیٹیوں کی رپورٹیں

۱۷۸۱ء میں کلکتہ کے باشندوں کی عرضیاں عدالت عالیہ
کی زیادتیوں کے خلاف ایوان عام میں پیش ہو کر ایک
ایسی کمیٹی کے سپرد کر دیگئی تھیں جسکی روح رواں مسٹر برک تھا اور اس کمیٹی نے
بارہ قابلانہ رپورٹیں پیش کر دی تھیں۔ حیدر علی کی کرناٹک کی یورشوں کی
اطلاع وصول ہونے پر ایک خفیہ کمیٹی مقرر کیگئی تھی جسکا صدر مسٹر ڈنڈاس
مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں ہسٹنگز اور گورنر بمبئی و مدراس پر
الزام لگایا تھا اور یہ تجویز کی تھی کہ ہسٹنگز کو بنگال سے اور مسٹر ہارنبی کو
بمبئی سے واپس بلا لیا جائے کیونکہ انھوں نے وہ طرز عمل اختیار کیا تھا جو
قوم کی عزت اور اصول عمل پر دھبہ لگانیوالا تھا اور جسکی وجہ سے ہندوستان
مصیبتوں کا اور کمپنی پر غیر ضروری اخراجات کا بار پڑ گیا تھا۔ ایوان عام نے

(صفحہ ۲۱۲)

باب سوم
فصل پنجم

کثرت رائے سے ہسٹنگز کو بلا لینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور مجلس انتظامیہ نے اس فیصلے کو منظور کر لیا تھا مگر حسن اتفاق سے اسوقت مجلس مالکان میں اپنی اعلیٰ مجلس کے مقابلے میں زیادہ قابل اور معاملہ فہم ارکان تھے اور اس مجلس نے ہسٹنگز کی اعلیٰ خدمات کے لیئے اسکے شکریے کی تجویز منظور کی۔ ہندوستان میں جو گراں قیمت لڑائیاں ہوئیں انکی وجہ سے جن مالی مشکلات میں کمپنی کو مجبور ہوکر ایوان عام سے ایک کرور قرضے کی استدعا کرنی پڑی۔ جو منظور فرمائی گئی مگر اس امنظوری سے کمپنی کی حیثیت اور کمزور ہوگئی جو پہلے ہی سے ان کمیٹیوں کی مخالف رپورٹوں سے کمزور ہوتی چلی تھی چنانچہ ہندوستان کی گورنمنٹ کو از سرِ نو ترتیب دینے کے لیئے ایک عام تحریک پیدا ہوگئی تو

فاکس کا انڈیا بل ۱۷۸۳ء

اس وقت مسٹر فاکس نے بحیثیت وزارت اتحادکے سرپنج کے اپنا انڈیا بل پیش کیا جسکا مسودہ اسکے ہمعصر مسٹر برک نے تیار کیا تھا۔ اس تجویز کا منشا یہ تھا کہ گورنمنٹ کے تمام اختیارات چار سال کے لیئے کمپنی سے ایک جماعت (Board of Control) نگران کار کی طرف منتقل کر دیئے جائیں جس میں ایسے سات ارکان ہوں جو اول ایوان عام کی طرف سے اور پھر خاص بادشاہ کی طرف سے نامزد کیئے جائیں اور تجارت کا انتظام نو مددگار منتظموں کے ذریعے سے کیا جائے۔ اس وقت اس رقم کا اندازہ کیا گیا جو انڈیا ہاؤس کے ذریعے سے کمپنی کے ملازموں پر خرچ کی جاتی تھی تو یہ معلوم ہوا کہ اس سرپرستی میں سالانہ دو کرور روپیہ خرچ ہوتا تھا اس لیئے یہ طے کر لیا گیا کہ اگر ان اختیارات کو بھی وزارت اپنی طرف منتقل کریگی تو اس سے کمپنی کا تمام نظام ہی درہم برہم ہو جائیگا۔ مجلس انتظامیہ کو اس بل سے اپنے بالکل فنا ہو جانیکا خدشہ پیدا ہو گیا اور اس نے تمام لندن میں یہ شکایت پھیلا دی کہ کمپنی کے دستاویزی حقوق کو اس بل کے ذریعہ سے پامال کیا جا رہا ہے اور عام مخلوق کے جذبات کو ایک سوانگ نکال کر اور مشتعل کر دیا جس میں مسٹر فاکس کو اس روپ میں دکھایا گیا تھا کہ گویا کارلوخان[1] اس کا نام ہے اور اپنے ہاتھی پر بیٹھا ہوا انڈیا ہاؤس پر حملہ

[1] ظرافت سے مسٹر فاکس کا نام کارلوخان بنالیا ہے۔

باب سوم
فصل پنجم

کر رہا ہے۔ لیکن ایوان عام نے اس بل کو ایک کے مقابلے میں دو کی کثرت
رائے سے منظور کر لیا۔ اسکے بعد یہ چال چلی گئی کہ بادشاہ کو یہ یقین دلایا گیا
کہ اس تجویز کے یہ معنے ہیں کہ بادشاہ اپنا تاج اپنے فرق مبارک سے اُتار کر
مسٹر فاکس کے سر پر رکھدیگا چنانچہ بادشاہ نے ایک غیر آئینی اثر استعمال کر کے
ایوان خاص کو اپنے موافق کر کے اس بل کو نامنظور کرا دیا اور بادشاہ نے
اُسی شب اس وزارت کو توڑ دیا ٭

مسٹر پٹ کا انڈیا بل سنہ ۱۷۸۴ع

اسکے بعد مسٹر پٹ جسکی عمر چوبیس سال کی تھی وزیر بنایا
گیا اور انصرام حکومت انگلستان اسکے ہاتھ میں

(صفحہ ۲۱۳)

دیا گیا۔ اُس نے اپنی طرف سے ایک انڈیا بل پیش کیا جس کا منشا یہ تھا کہ ایک
جماعت نگران کار بادشاہ کی طرف سے مقرر فرمائی جائے جسکو یہ اختیارات ہوں
کہ ہندوستان کے مالیہ کی اور ملکی اور فوجی نظام حکومت کے متعلق تمام
کارروائیوں کی معاملات کی اور دیگر متعلقات کی جانچ پڑتال اور نگرانی کرے
اور مناسب ہدایات صادر کرے۔ اسکے ساتھ ہی ایک خفیہ کمیٹی جس میں
مجلس انتظامیہ کا ایک صدر۔ ایک نائب صدر اور ایک اعلیٰ ممبر رکھا
گیا تھا اس غرض سے قائم کی جائے کہ وہ جماعت نگران کار کے زیر ہدایات
کام کرے اور جتنے مراسلات کوئی اہمیت رکھنے والے ہوں انکی درآمد برآمد
کی ذمہ دار ہو۔ اس طرح مجلس انتظامیہ کے باقی اکیس ممبروں کو ہندوستان
کے نظام حکومت سے بالکل بیدخل و بے اثر کر دیا گیا تھا۔ مسٹر فاکس کی
تجویز نے کمپنی کو بالکل ہی فنا کر دیا تھا مگر مسٹر پٹ کی تجویز کے مطابق کمپنی کے
پاس اپنی مالی سرپرستی باقی رہگئی تھی اور اپنی معاشرتی حیثیت سلامت
رہگئی تھی اور اپنے جاہ و منصب کی آرائش موجود رہگئی تھی مگر جو حقیقی اختیارات
تھے وہ سب سلطنت کی طرف منتقل ہوگئے تھے۔ وہ مالکان کمپنی جنھوں
نے حال ہی میں ایوان عام کے ہیسٹنگز کی معزولی کے فیصلے کو ایک طرف
اوٹھا کر رکھدیا تھا اب جماعت نگران کار کے فیصلوں میں کسی قسم کی
مداخلت کرنیکے بھی قابل نہیں رکھے گئے تھے۔ اگرچہ بحث مباحثے کا

نے نتیجہ حق اب بھی انھیں حاصل تھا لیکن سیاسی حیثیت سے انکا عدم وجود برابر کر دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اسکے یہ بھی ایک علٰحدہ تجویز منظور کی گئی تھی کہ فتوحات کے منصوبوں پر عملدرآمد کرنا یا الحاق علاقہ جات کی کارروائی کرنا برطانوی قوم کی مرضی، اصول عمل اور عزت کے خلاف ہے۔ لیکن ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی توسیع کو روکنے کی اس کوشش نے بھی صرف یہ ثابت کیا کہ آدمی کے ارادے خدا کے ارادوں کے سامنے کس قدر ہیچ ہیں ؎

نواب ارکاٹ کے قرضے ۱۷۸۵ء

مسٹر ڈنڈاس کو اس جماعت نگران کار کا صدر مقرر کیا گیا اور پہلا سوال جو اسکے سامنے پیش کیا گیا وہ نواب ارکاٹ کے قرضوں کے متعلق تھا۔ کئی سال سے اس نواب کا گزارہ ایسے قرضوں پر چل رہا تھا جو بھاری شرح سود پر دیئے جاتے تھے اور جنہیں وہ کرناٹک کے اضلاع بطور مکفول کرتا چلا جاتا تھا۔ جب اس نواب کے دربار کو ارکاٹ سے مدراس میں منتقل کر دیا گیا تو مدراس بھی سازشوں اور جعلسازیوں کا آماجگاہ بن گیا۔ ہر طبقے کے لوگ کمپنی کے ملازم اور غیر ملازم حتٰی کہ ممبران کونسل تک اس لین دین کے کاروبار میں مصروف و مشغول ہو گئے کیونکہ یہ روپیہ کمانیکا نہایت آسان ذریعہ نکل آیا تھا۔ ہر شخص کو یہ شوق تھا کہ اس سونیکے درخت تک پہنچ جائے جو بقول ان لوگوں کے اس وقت پوری بہار پر تھا۔ جس وقت میکارٹنی نے حیدر علی کے ساتھ جنگ ہوتے وقت کرناٹک کی آمدنی کو جنگی مصارف کی کفالت کے لئے اپنے ہاتھ میں لیا تو اس نے کرناٹک کے وسائل پر سے اس بارگراں سنگ کو ہٹانیکی خاطر ان قرضوں کا معاملہ بھی سرسری طور پر طے کرنا چاہا۔ اور یہ تجویز کی کہ سود میں سے کچھ کٹوتی وضع کرکے ایک خاص میعاد تک سود اس پر لگا کر کل مقدار قرضہ معین کر دی جائے اور یہ مقدار بالاقساط ادا کر دی جائے۔ لیکن قرضخواہ کسی ایسی تجویز پر رضامند ہونیکو تیار نہیں تھے جس سے یہ انکا سونیکا درخت ہی

(۲۴۳)

باب سوم
فصل پنجم

جبر سے منڈھا جاتا ہو
مسٹر ڈنڈاس کی غیر معمولی کارروائیاں [illegible]

مسٹر پٹ کے انڈیا بل میں اسکی منظوری دیگئی تھی کہ ادائیگی سے پہلے ان تمام مطالبات کی تحقیقات کی جائے اور مجلس انتظامیہ نے اس تحقیقات کو بڑی سرگرمی سے شروع کیا۔ لیکن مسٹر ڈنڈاس نے اس معاملے کو مجلس انتظامیہ کے ہاتھ سے نکال لیا اور تمام مطالبات کو بلا تحقیقات ادا کر دینے کا عزم کیا۔ ہندوستانی رئیسوں کو اس راز کی خبر ہو چکی تھی کہ ہندوستانی گورنمنٹ کی مخالفت کرنیکا سب سے بہتر طریقہ انگلستان اور ہندوستان میں یہ ہے کہ بہت سی پارلیمنٹ کی ممبریاں خرید لی جائیں۔ نواب ارکاٹ نے اس تجویز کو بڑے شاندار پیمانے پر استعمال کرنا شروع کیا۔ پال بین فیلڈ کو بہت بڑا سرمایہ دیکر لندن بھیج دیا۔ اسنے یہ ممبریاں خریدنے کیلئے اپنا دفتر ویسٹ منسٹر میں قائم کیا اور ۱۷۸۳ء کے انتخاب عام میں آٹھ ممبر ایسے منتخب کرائے جنکی رائیں پارلیمنٹ میں وزارت کے اشارے پر چل سکتی تھیں اور مسٹر ڈنڈاس کے بلا تحقیقات ادائگی مطالبات کے فیصلے کو اسی قسم کے اثرات سے منسوب کیا جا سکتا تھا جو ایسے ممبروں کے ذریعے سے پارلیمنٹ پر ڈالا گیا تھا جو پال بین فیلڈ کے روپیہ کے ذریعے سے بنائے گئے تھے۔ اس لین دین میں پال بین فیلڈ کو مفت میں ساٹھ لاکھ روپیہ مل گیا۔ مسٹر ڈنڈاس کے اس فیصلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انتہائی مطالبات قائم ہو کر کل قرضہ اصل سوا دو کروڑ کا نکلتا تھا مگر کمپنی کو مع سود کے اسکی ادائگی میں پانچ کروڑ روپیہ دینے پڑے۔

نئے مصنوعی قرضے

مسٹر فاکس کے انڈیا بل میں ایک فقرہ یہ تھا کہ کمپنی کا کوئی ملازم ملکی یا فوجی اگر روپیہ پیسے کا لین دین آئندہ کسی دیسی رئیس کے ساتھ کریگا تو وہ قانوناً مجرم قرار دیا جائیگا لیکن مسٹر پٹ کے بل میں کوئی ایسا فقرہ نہ تھا اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ابھی پرانے قرضوں کی ادائگی کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ نواب اور اسکے دوستوں نے

تازہ بتازہ قرضے لینے شروع کر دیئے اور جس وقت پرانے قرضوں کی آخری قسط ادا ہوئی ہے اس وقت نئے دعوے تیس کروڑ کی مالیت کے پیش کیئے گئے۔ اب پارلیمنٹ نے یہ ارادہ کیا کہ ان تمام دعووں کی سختی سے جانچ کیجائے اور مدراس میں ایک جماعت انکی تحقیقات کیلیئے مقرر کی گئی اور دوسری جماعت لندن میں مدراس والی جماعت کے فیصلوں کی اپیل سننے کے لیئے ترتیب دیگئی۔ ان دونوں جماعتوں کو پچاس سال تک کام کرنا پڑا جسپر ہندوستانی گورنمنٹ کا ایک کروڑ روپیہ صرف ہوا مگر وہ مطالبات تیس کروڑ سے ڈھائی کروڑ پر آکر ٹھیرے۔

کرناٹک کی آمدنی ۱۷۸۵ء

کرناٹک کی آمدنی کے متعلق بھی مسٹر ڈنڈاس کی کارروائیاں نہایت بے معقول تھیں۔ نواب کو اُس وقت مختلف ابواب سے بہت زیادہ آمدنی وصول ہونے لگی تھی جبکہ وہ کمپنی کے زیر انتظام تھے بمقابلہ اس آمدنی کے جو اسکو اپنے افسروں کے ذریعے سے انتظام کرنے میں وصول ہوتی تھی۔ مگر کمپنی کے زیر انتظام چلے جانے سے نواب کے ملازموں اور قرضخواہوں کو اب لوٹ مار کا موقع نہیں ملتا تھا اس لیئے ان لوگوں نے اُسے یہ ترغیب دی کہ انتظام مملکت کی بحالی پر اصرار کرے۔ مجلس انتظامیہ کے مشورے کے خلاف مسٹر ڈنڈاس نے یہ احکام صادر کر دیئے کہ تمام اضلاع نواب کو واپس کر دیئے جائیں۔ جسکے معنے یہ تھے کہ قرضخواہوں کے ہاتھ میں دیدیئے جائیں۔ ان قرضخواہوں کی پھر پانچوں گھی میں تھیں اور خود مدراس گورنمنٹ کی حالت اس وقت یہ تھی کہ کرناٹک کی حفاظت کے لیئے جو فوج رکھی گئی تھی اسکو سات ماہ کی تنخواہ بھی نہیں ملی تھی اسلیئے گورنمنٹ مذکور کا دیوالہ نکلنے والا تھا۔

(صفحہ ۲۱۵)

باب چہارم

فصل اول

لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت - جنگ میسور

مسٹر میکفرسن قائم مقام گورنر جنرل سنہ ۱۷۸۵ء

ہسٹینگز کی روانگی کے بعد مسٹر میکفرسن کونسل کے ممبر اعلیٰ نے عارضی طور پر گورنمنٹ کا انصرام ہاتھ میں لیا۔ یہ شخص ہندوستان میں کمپنی کے ایک جہاز کا خزانچی بنکر گیا تھا لیکن ہندوستان پہنچکر اسنے نواب کرناٹک کی ملازمت اختیار کرلی اور اسکا ایک وکیل بنکر انگلستان کو گیا تھا۔ یہاں ڈیوک آف گرفٹن اسکی قابلیتوں کا بڑا قدردان تھا اور اسکے اثر سے یہ مدراس کے ملکی حکام کے زمرے میں ملازم ہوکر پھر ہندوستان آیا اور مدراس سے آخرکار ترقی پاکر بنگال کونسل کی ممبری پہ سرفراز کیا گیا۔ اُسکے بائیس ماہ کے مختصر عہد حکومت کا قابل ستائش کارنامہ یہ ہے کہ اُسنے ایسی اقتصادی اصلاحات کا عملدرآمد کیا جن سے سالانہ اخراجات میں ڈیڑھ کرور روپے کی تخفیف ہوگئی۔

لارڈ کارنوالس گورنر جنرل سنہ ۱۷۸۶ء

جنگ پلاسی کے بعد سے ایسا عملدرآمد رہا تھا کہ کمپنی کے مقبوضات کی حکومت ایسے شخص کے سپرد کردی جاتی تھی جو کہ کمپنی کے ہندوستانی عملۂ ملازمین سے تعلق رکھتا تھا لیکن بعد کو یہ ثابت ہوا کہ اگرچہ ایسا آدمی اپنے مقامی معلومات سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن مقامی دیرینہ تعلقات کی پابندیاں اسکے واسطے مضر ثابت ہوتی ہیں اور وہ اُن لوگوں کو مشکل سے قابو میں رکھ سکتا ہے جو ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے

اسکے برابر والے تھے۔ چنانچہ وزارت نے یہ طے کیا کہ ہندوستان کی
گورنر جنرلی کے واسطے ایک نہایت معقول شخصیت کا خاندانی آدمی
منتخب کیا جائے جسکو پابند کرنیوالی ہندوستانی تعلقات یا رشتہ داری
کی کوئی زنجیریں نہ موجود ہوں۔ اول لارڈ میکارٹنے گورنر مدراس کو
اس عہدے کے لیئے تجویز کیا گیا لیکن چونکہ لارڈ موصوف نے وزارت
کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کرکے مسٹر ڈنڈاس کو اپنی طرف سے
بدظن کر رکھا تھا اسلیئے لارڈ کارنوالس بجائے اُسکے نامزد کیا گیا۔ لارڈ
کارنوالس نے اپنے عہدے کا انصرام ۱۷۸۶ء میں لیا۔ کارکنان قضا و قدر
کی یہ ستم ظریفی دیکھنے کے قابل ہے کہ وہ شخص تو ہندوستان کی حکومت
کے لیئے انتخب کیا گیا جس نے مقام پارک ٹاؤن پر برطانوی فوج سے
جنرل واشنگٹن کے سامنے ہتھیار رکھوا دیئے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ
انگلستان کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ آدمی جس نے انتہا سے زیادہ نازک
موقعوں پر ہندوستان کو انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جانیسے بچا لیا تھا
ہولناک جرائم و بدکرداریوں کا الزام لگا کر اُسپر مقدمے چلائے گئے۔

(صفحہ ۲۱۶)

لارڈ کارنوالس کی حیثیت

لارڈ کارنوالس کی حکومت نہایت سازگار اسباب
کے ساتھ شروع ہوئی ہسٹنگز کا عہد حکومت بالکل
بیدست پائی کا نمونہ اسلیئے بنا ہوا تھا کہ انڈیا ہاؤس اور ڈاؤننگ
سٹریٹ دونوں جگہوں پر اُسکے قدیم مخالفین انگلستان میں موجود تھے
یعنے نہ وزارت میں کوئی اُسکا موافق تھا نہ مجلس انتظامیہ میں۔ برخلاف
اسکے لارڈ کارنوالس کو مسٹر پٹ کا کامل اعتماد نصیب تھا اور وہ جماعت
نگراں کار بھی اسپر بھروسہ رکھتی تھی جسکی ماتحتی میں کمپنی کی مجلس انتظامیہ
تھی اور جسکا صدر مسٹر ڈنڈاس تھا۔ اسی زمانے میں گورنر جنرل کے عہدے
کے ساتھ کمانڈر انچیف کا عہدہ بھی شامل کر دیا گیا اور لارڈ کارنوالس کو
تمام فوجی انتظامات و اخراجات کو بھی اپنے قابو میں رکھنے کا بہت اچھا
موقع مل گیا۔ ہسٹنگز کی کونسل بھر میں صرف اپنی واحد رائے اپنی طرفدار تھی

باب چہارم
فصل اول

برخلاف اسکے لارڈ کارنوالس کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جب کبھی وہ
ضرورت محسوس کرے تو اپنے تمام معمر ممبروں کی راے کو منسوخ
کر کے اپنی راے سے کارروائی کرے ہسٹنگز کے زمانے سے
پہلے سے یہ رواج سا ہو رہا تھا کہ مجلس انتظامیہ کے ارکان اپنے
دوستوں اور رشتہ داروں کو سب سے بہتر تنخواہوں کی ہندوستانی
اسامیوں پر نامزد کر دیتے تھے اور چونکہ ایسے لوگوں کا بلا واسطہ مجلس انتظامیہ
سے تعلق ہوتا تھا اسلیئے ان تعلقات کے اثر سے گورنمنٹ کے ہاتھ
انکے خلاف بہت کچھ بندھے رہتے تھے اور یہ لوگ طرح طرح کی بدکرداریوں
اور ذلیل کاریوں کے مرتکب ہوتے رہتے تھے ہسٹنگز نے اس
طرز عمل کے خلاف احتجاج کیا تھا مگر اسکی اعانت کے لیئے ضابطے کی اتنی قوت
انگلستان میں نہیں تھی کہ اسے کامیابی ہوتی برخلاف اسکے لارڈ کارنوالس
کو پٹ اور مسٹر ڈنڈاس کی امداد کا گھمنڈ تھا اور اس نے اس
طرز عمل کے یکقلم بند کر دیئے جانے پر یہ حکم زور دیا کہ اگر اس کو جاری
رکھا جائیگا تو میں استعفیٰ دیدونگا اسلیئے یہ کوئی تعجب خیز بات
نہیں ہے کہ لارڈ کارنوالس کے آتے ہی تفرقہ پردازیوں اور بدعنوانیوں
کی روح ایکدم فنا ہو گئی اور گورنمنٹ کا آہنگ ہی دوبالا ہو گیا۔

لارڈ کارنوالس کی اقتصادی
اصلاحات سنہ ۱۷۸۶-۸۹ء

لارڈ کارنوالس کے عہد حکومت کے پہلے تین سال
بدکرداریوں کی اصلاح میں صرف ہوئے
ان تمام بدکرداریوں کی وجہ موجبہ یہ معلوم ہوئی کہ
مجلس انتظامیہ نے زمانۂ قدیم سے یہ سفیہانہ اصول عمل اختیار کر رکھا تھا
کہ کمپنی کے ملازموں کو تنخواہیں کم دی جاتی تھیں اور انکو بالائی رقوم
زیادہ دلا دی جاتی تھیں۔ یہ تنخواہیں تو کمپنی کے خاص خزانے سے
دی جاتی تھیں اور بالائی رقمیں رعایا کی جیبوں سے نکلتی تھیں۔ چنانچہ
بقول لارڈ کارنوالس کے حقیقت حال یہ تھی کہ جو شخص ہندوستان سے
انگلستان کو دولتمند بنکر جاتا تھا وہ بددیانت سمجھا جاتا تھا اور جو مفلسی

باب چہارم
فصل اول
(صفحہ ۲۱۷)

کی حالت میں جاتا تھا وہ احمق سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے تغلب و خیانت کو نہایت عام پایا۔ خزانچی سرکاری روپے کو نجی کے طور پر بارہ روپے سیکڑہ پر چلا رہا تھا۔ کمانڈر انچیف نے اپنے دو عزیزوں کو دو رجمنٹیں بھرتی کرنیکا بڑا کام سپرد کر رکھا تھا اور ثابت یہ ہوا کہ یہ دونوں عزیز اُن رنگروٹوں کی تنخواہیں تو برابر وصول کرتے تھے لیکن کسی ایک نفر کا وجود بھی سوائے کاغذ کے اور کہیں نہیں تھا۔ لگان اراضی کے کلکٹر جنکے ہاتھ میں فوجداری اختیارات کے حربے بھی ہوتے تھے مصنوعی ناموں سے تمام ضلع کی تجارت کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے تھے اور دھڑا دھڑ روپیہ کما رہے تھے راجہ بنارس کے دربار کے رزیڈنٹ کے عہدہ کو چار لاکھ سالانہ کی آسامی سمجھا جاتا تھا درآں حالیکہ اس عہدے کی ضابطے کی تنخواہ ہزار روپے ماہانہ سے زائد نہیں تھی۔

لارڈ کارنوالس کی انتہائی پابندی ضابطہ ۸۹-۱۷۸۶ء

لارڈ کارنوالس نے ان بدکرداریوں کی اصلاح کی طرف نہایت سخت پابندی ضابطہ کے ساتھ توجہ کی۔ اُس نے کھوج لگا لگا کر جعلسازیوں کو ہر کونے سے نکالا۔ اور تمام کام دلانیوالی ایجنسیوں اور بے انتہا منافعہ اُٹھانیوالے ٹھیکوں اور اجاروں کو یکقلم بند کردیا۔ اُس نے انگلستان کے بارسوخ و مقتدر گروہ کو اس حرکت سے بالکل روکدیا کہ وہ کبھی اپنے دوستوں یا عزیزوں کو اور کبھی اُن لوگونکو جو انکی قماربازی کے تختۂ مشق ہوجاتے تھے ہندوستان کی ملازمت کے واسطے بھیج سکیں حتی کہ اُس نے اس اخلاقی جرات سے کام لیا کہ ایک شخص کے متعلق شہزادۂ ولیعہد کی سفارش ماننے سے بھی انکار کردیا اور صاف لکھدیا کہ شہزادے صاحب ہمیشہ کسی نہ کسی مہمل یا رکیک خدمت کی مجھے تکلیف دیتے رہتے ہیں۔ مگر سرکاری ملازمت کی تمام گندگی اُس وقت تک بالکل صاف نہیں ہوسکی جب تک اُس نے بھی مجلس انتظامیہ کو اُسی بات کا یقین نہیں دلادیا جسکے لیئے کلائیو اور ہیسٹنگز کہتے کہتے

باب چہارم
فصل اوّل

ہار گئے تھے اور وہ یہ غلط اصول کفایت شعاری تھا کہ آدمیوں کو بڑی بڑی ذمہ داری اور اعتماد کے عہدوں پر مقرر کیا جائے جہاں وہ اگر چاہیں تو ناجائز طور سے کچھ ہی مہینوں میں بڑی دولت کما لیں اور انکو معقول تنخواہیں اُن ذمہ داریوں کے قابل نہ دی جائیں - اس غلطی کے محسوس ہونے کے بعد سے سرکاری ملازمت برابر معقولیت اور عمدگی اختیار کرتی چلی جارہی ہے اور اب باوجودیکہ سلطنت کی وسعت بھی نہایت درجہ بڑھ گئی ہے مگر سرکاری ملکی ملازموں کی ذلت بحیثیت مجموعی اپنی دیانتداری اور نیکوکاری کا وہ نمونہ پیش کر سکتی ہے جسکی نظیر دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت میں نہیں ملسکتی ہے

معاملات اودھ سنہ ۱۷۸۶ء

لارڈ کارنوالس سے بھی نواب وزیر اودھ نے وہی استدعا کرنی شروع کی جو وہ کئی سال پہلے سے برابر کرتا چلا آرہا تھا یعنے یہ کہ اسکے علاقے کے لئے جو کمپنی کی فوجیں اُسکی مملکت میں مقیم تھیں انکو وہاں سے واپس طلب کر لیا جائے - لیکن ہندوستان پر سندھیا کی سریع السیر دستبرد نے اور سکھوں کی بڑھتی ہوئی قوت نے لارڈ کارنوالس کو یہ سمجھا دیا کہ اس وقت فوجوں کا ہٹا لینا سخت خطرے سے خالی نہیں ہوگا پھر بھی اُس نے اس زر معاوضہ میں ایک ثلث کی کمی کر دی جو اس فوج کے مصارف کے لئے خزانہ اودھ کو ادا کرنا پڑتا تھا - اسکے ساتھ ہی نواب وزیر اودھ کو اُن مردار خواروں کے پنجے سے بھی نجات دلا دی گئی جو زاغ و زغن کی طرح برطانوی اقتدار کے پردے میں اسکی بوٹیاں نوچے کھاتے تھے - انھی میں ایک کرنل ہنسے تھا جس نے چند سال ہی کے عرصے میں تیس لاکھ کی پونجی کمائی تھی - علاوہ بر اں لارڈ کارنوالس نے ایک گراں بہا احسان نواب وزیر پر یہ بھی کیا کہ اُس نے تمام دعووں کے تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا جو نواب وزیر کے نج کے یورپین یا ہندوستانی قرضخواہوں نے پیش کیے تھے اور اسطرح نواب وزیر اودھ کا وہ حشر نہیں ہوا

(صفحہ ۲۱۲)

باب چہارم فصل اول

جو نواب ارکاٹ کا ہوا تھا۔ مگر لارڈ کارنوالس نے اودھ کی بدنظمی پر اُس کے حکمراں کے کان ضرور کھول دیئے خواہ اسکا کچھ نتیجہ نہ نکلا ہو۔ نواب وزیر کو صرف اس سے بحث تھی کہ کسی طرح کچھ ہاتھ آئے۔ اور بس۔ اسی کا سبب یہ تھا کہ زمینداروں کو رعیت پر چیرہ دستیاں کرنے دی جاتی تھیں۔ پھر عمال ریاست ان زمینداروں سے اُگلواتے تھے اور سب کے بعد شاہ سلامت عمال ریاست اور وزرا کی اس لوٹ میں سے حصہ بٹاتے تھے اور یہ تمام روپیہ سیہ مستی و عیش پرستی میں صرف کیا جاتا تھا۔

گنتور سرکار ۱۷۸۸ء

نواب نظام الملک کے ساتھ جو معاہدہ ہوچکا تھا اسکی رو سے اُن کے بھائی بسالت جنگ کی وفات کے بعد اضلاع گنتور سرکار کمپنی کو مل جانے چاہیئے تھے۔ بسالت جنگ کا انتقال ۱۷۸۲ء میں ہوگیا مگر نواب نظام الملک ان اضلاع کے حوالے کرنے میں پس و پیش کرتے رہے۔ لارڈ کارنوالس کو رخصت کرتے وقت مجلس انتظامیہ نے بتاکید یہ ہدایت کردی تھی کہ ان اضلاع کی حوالگی کا مطالبہ ضرور کیا جائے چنانچہ ۱۷۸۸ء میں لارڈ کارنوالس نے کچھ فوج سرحد پر ڈال دی اور رزیڈنٹ حیدرآباد کو ہدایت کی کہ معاہدے کی پوری تکمیل کا تقاضہ کرے۔ نواب نظام الملک نے رزیڈنٹ کی خواہشات منظور کرلیں لیکن اس کے ساتھ ہی انگریزی گورنمنٹ کی نسبت یہ اعتماد ظاہر کیا کہ وہ بھی مستعدی کے ساتھ معاہدے کی دوسری شرائط پر عمل کرے گی۔ وہ شرائط یہ تھیں کہ ایک تو جب کبھی نواب نظام الملک کو ضرورت پڑے انگریزوں کی طرف سے اُن کو دو پلٹنوں اور چھ توپوں کی امداد دی جائے دوسرے انگریز کرناٹک اور بالاگھاٹ کو تسخیر کرکے نواب نظام الملک کے حوالے کردیں جن پر اس وقت حیدر علی نائک نے زبردستی قبضہ کر رکھا تھا۔ ادھر انگریزوں کو نواب نظام الملک نے یہ لکھا اُدھر انھوں نے اپنا سفیر ٹیپو سلطان کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ باہمی اتحاد کے ذریعے سے انگریزوں کا ہندوستان

باب چہارم فصل اول

سے استیصال کردیا جائے۔ ٹیپو سلطان نے فوراً اس اتحاد کو منظور
کیا اور حیدرآباد کی ایک شہزادی سے عقد کرنا چاہا لیکن
فرزند چین قلیچ خاں کا شریف خون ایک نائک کے ساتھ
ایسا رشتہ پیدا کرنے پر جوش کھانے لگا اور یہ معاملہ آگے نہ بڑھا۔

لارڈ کارنوالس کی کوتہ اندیشی ۱۷۸۹ء

لارڈ کارنوالس اس معاملے سے سخت
بدحواس ہوا۔ ۱۷۶۸ء کے معاہدے کے
بعد کمپنی کی گورنمنٹ دوم مرتبہ حیدرعلی
اور ٹیپو سلطان کو اس صوبے کا جائز حکمران تسلیم کرچکی تھی اور اب
دو پلٹنوں سے حیدرآباد کی امداد کرنا خطرناک پیچیدگیوں کا
باعث بنا جاتا تھا۔ ساتھ اسکے یہ بھی کمپنی کے اغراض کے لئے
بہت ضروری تھا کہ نواب نظام الملک کسی طرح ٹیپو سلطان کے
شکنجے میں نہ آجائیں۔ ان مشکلات سے عہدہ برآ ہونیکے لئے
لارڈ کارنوالس نے ایک ضابطے کا خریطہ نواب نظام الملک کو
بھیجا جس میں یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر صوبۂ زیربحث کمپنی کے قبضے میں
حیدرآباد کی فوجوں کی امداد سے آگیا تو وہ بیشک نواب نظام الملک
کے حوالے کردیا جائیگا۔ دوسرے یہ کہ کمپنی کی فوجیں نواب نظام الملک
کی امداد کے لیئے اس شرط پر بھیجی جاسکینگی کہ اُنکو کمپنی کے کسی حلیف یا
اتحادی کے خلاف نہ استعمال کیا جائیگا۔ ان اتحادیوں کی ایک فہرست بھی
لارڈ کارنوالس نے بھیجدی تھی جس میں ٹیپو سلطان کا نام نہیں تھا
ٹیپو سلطان کو یہ معلوم کرکے قدرتاً اشتعال پیدا ہوا کہ
گورنر جنرل کا منشاء سلطنت میسور کے حصے بخرے کرنیکا ہے
اور گورنر جنرل انگریزی فوج کو نواب نظام الملک کے حوالے
اسی غرض سے کریگا کہ وہ سلطنت میسور کے خلاف کام میں لائی
جائے۔ اس میں شک نہیں کہ لارڈ کارنوالس کا یہ مراسلہ نہایت
کوتہ اندیشی پر مبنی تھا لیکن ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگ اس سے

(صفحہ ۲۱۹)

باب [illegible]

چھ ماہ بعد چھیڑی اسکو اس مراسلے کے اثر کے ساتھ منسوب کرنا اصل واقعہ
سے ایسا ہی خلاف ہے جیسا کہ اس مہم کی تیاریوں کو اس مراسلے سے
منسوب کرنا جنہیں راجہ ٹراونکور کے خلاف ٹیپو سلطان اس مراسلے سے چھ ماہ پہلے
مصروف تھا۔

ٹراونکور اور گورنمنٹ مدراس

ٹراونکور سواحل ملابار کے جنوبی حد پر ایک
چھوٹی سی ریاست ہے۔ یہ چھوٹی سی ریاست
صلحنامہ منگلور کی رو سے برطانوی حمایت میں آگئی تھی ٹیپو سلطان مدت سے
اس ریاست پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا تھا اور اسپر حملہ کرنے کیلئے
فوج تیار کر رہا تھا اور راجہ نے بھی اپنے وسائل مدافعت کو زیادہ مستحکم
کرنے کیلئے اہل ہالینڈ کے جوار میں دو شہر خرید کر لیے تھے ٹیپو سلطان نے ان
شہروں کی حوالگی کا اس بنا پر مطالبہ کیا کہ یہ دونوں شہر راجہ کوچین کے
ہیں جو سلطنت میسور کا باجگذار ہے۔ راجہ نے لارڈ کارنوالس کی طرف
رجوع کیا اور لارڈ موصوف نے مدراس کے حکام کو یہ ہدایت کردی کہ
ٹیپو کو اطلاع دیدیں اور راجہ کو بھی اسکی نقل بھیجدیں کہ اگر یہ دونوں
شہر خود اہل ہالینڈ کے بلا واسطہ اور خود مختارانہ قبضے میں ہوتے تب
بھی انکو راجہ کے پاس رہنے دینے میں کمپنی کی گورنمنٹ راجہ کی امداد
کرتی۔ مگر مدراس کے گورنر مسٹر ہالینڈ نے جو اپنے تمام پیشرووں کے
مقابلے میں نہایت مطلق العنان تھا اس مراسلے کو ٹیپو تک نہیں پہنچایا بلکہ
طرہ یہ کہ راجہ سے ایک لاکھ پکوڈا (سکہ طلائی) کا مطالبہ خاص اپنی
ذات کے لیے کیا تاکہ راجہ کو امداد دینے کی کارروائی کی جائے اس
گورنر کے زمانے میں سواحل کی حفاظت کے لیے جو فوج رکھی گئی تھی وہ بھی
نہایت ناکمل طریقے پر تیار رکھی جاتی تھی اور انکی تنخواہیں عرصے تک چڑھنے
دی جاتی تھیں اور پھر سب سے بڑی حرکت یہ ہوتی تھی کہ باوجود لارڈ کارنوالس
کی مخصوص ہدایات کے علاقے کی آمدنی نواب کرناٹک کے قرضخواہوں
کے مطالبوں میں دی جاتی تھی جنہیں سے ایک گورنر مدراس بھی تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ٹیپو نے ۱۷۸۹ء میں سرحد ٹراونکور پر اس دیوار پر
حملہ کر دیا جو راجہ نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے تیار کی تھی مگر اس
حملے میں اُسے دو ہزار آدمی کھو کر پسپا ہونا پڑا۔ اس سے مشتعل ہو کر
اُس نے سرنگاپٹم سے اپنا قلعہ شکن توپ خانہ طلب کیا اور اطراف
وجوانب سے کمک منگائی تھی۔ اس طرح کمپنی کے ایک حمایتی پر بلا وجہ
حملہ کیا جانا صریح طور پر کمپنی کے خلاف اعلان جنگ کرنا تھا مگر مسٹر
ہالینڈ گورنر مدراس نے ٹیپو سے یہ تجویز کی کہ اس مابہ النزاع کا باہمی تصفیہ
کر لیا جائے اور اسکے فوراً بعد اپنے عہدہ کو چھوڑ کر انگلستان چلا گیا۔

اتحاد ثلاثہ ۱۷۹۰ء

لارڈ کارنوالس نے برطانوی عزت و اقتدار کے لحاظ سے
یہ ضروری سمجھا کہ ایک حمایتی کی امداد کیجائے اور اُس
اعلان جنگ کو منظور کر لیا جائے جو ٹیپو نے پیش کر دیا ہے۔ اس وقت
ایسا موقع نہیں تھا کہ پارلیمنٹ کے احکام کے انتظار بالتصریح میں وقت
ضائع کیا جائے اس لیئے لارڈ کارنوالس فوراً مدافعانہ و محاربانہ اتحاد کی
شرائط دکن کی دونوں زبردست طاقتوں یعنی نواب نظام الملک اور پیشوا کے سامنے
پیش کیں۔ اور ان دونوں کو ٹیپو سے اس قدر نفرت تھی اور اسکا اس
قدر خطرہ لگا ہوا تھا کہ انھوں نے بڑی مستعدی کے ساتھ یہ شرائط منظور کر لیں
چنانچہ ایک اتحاد ثلاثہ قائم ہوا جسکی شرائط یہ تھیں کہ مرہٹے اور نواب نظام الملک ایک ہی
وقت فی الحال دس ہزار سوار سے انگریزوں کے شریک ہو کر ٹیپو سلطان کی سلطنت پر
حملہ کریں اور اگر ضرورت ہو تو مزید فوج سے بھی امداد میں دریغ نہ کریں
متحدہ افواج کے ہاتھوں سے جتنے قلعے اور جسقدر علاقہ سلطنت میسور کا
فتح کیا جائیگا وہ سب برابر برابر تینوں اتحادیوں میں تقسیم کر لیا جائیگا۔

جنرل میڈوز کی ناکام فوجکشی ۱۷۹۰ء

جنرل میڈوز جو مسلمہ جنرلی قابلیت کا حاکم
تھا اسوقت گورنر اور کمانڈر انچیف ہو کر
مدراس پہنچ چکا تھا اور لارڈ کارنوالس نے اس فوجکشی کا اہتمام جنرل
موصوف کے سپرد کیا۔ مسٹر ہالینڈ گورنر سابق کی نامعقول تغافل شعاری کا

سے رسد رسانی کے انتظام میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں انکی وجہ سے
فوج کی روانگی کئی ماہ تک ملتوی رہی مگر جنرل میڈوز آخر کار ۲۶ مئی ۱۷۹۰ء
کو ترچناپلی سے پندرہ ہزار فوج ساتھ لیکر کوچ کر گیا۔ کوئمبتور جولائی ۱۷۹۰ء
میں تسخیر کرلیا گیا اور پال گھاٹ اور ڈنڈیگل جو ناقابل تسخیر قلعے سمجھے
جاتے تھے ستمبر ۱۷۹۰ء میں قبضے میں آگئے۔ مگر بے احتیاطی سے انگریزی
لشکر کے دو حصے کر دیئے گئے تھے اور ٹیپو سلطان نے ایک ماہرانہ نقل و حرکت
سے اپنی فوجیں دونوں کے درمیان میخ کی طرح ٹھونک دیں جس سے
انگریزوں کے ایک حصہ فوج کو توپوں اور جانوں کا سخت نقصان برداشت
کرنا پڑا۔ جب لارڈ کارنوالس نے دیکھ لیا کہ ان مختصر فوجکشیوں سے
کام نہیں چل سکتا اور جنگ سر پر آ ہی گئی تو اس نے بھی اپنے پیشرو ہسٹنگز
کی دلیرانہ تجویز پر عمل کر کے ایک زبردست امدادی فوج سمندر کے
کنارے کنارے اس علاقے میں ہو کر بنگال سے مدراس بھیجی جس میں کوئی
دوست انگریزوں کا نہیں تھا۔ اور باوجودیکہ ٹیپو سلطان نے نہایت قابلانہ
نقل و حرکت سے اس فوج کو مدراس والی فوج کے اتصال سے روکنا
چاہا مگر بغیر کسی مڈبھیڑ کے دونوں انگریزی فوجیں آپس میں مل گئیں۔ اسکے
بعد ٹیپو سلطان جانب جنوب کوچ کر گیا اور جنرل میڈوز اسکے عقب میں روانہ ہوا
مگر ان بے نتیجہ پیشقدمیوں اور پسپائیوں نے فوجوں پر نہایت درجہ
تکان طاری کر دی اور انکا اعتماد اپنے سپہ سالار کی قابلیت پر کم ہوگیا۔
غرض یہ کہ فوجکشی ناکام ثابت ہوئی اور لارڈ کارنوالس نے زمام قیادت
اپنے ہاتھ میں لینے کا عزم کر لیا۔

دوسری فوجکشی ۱۷۹۱-۱۷۹۰ء

لارڈ کارنوالس ۱۲- دسمبر ۱۷۹۰ء کو مدراس پہنچا
اور میدان میں جاتے ہی نہایت زور شور سے
زبردست تیاریاں شروع کیں۔ اس اثنا میں ٹیپو سلطان نے شمال کی جانب
کوچ کیا اور تمام کرناٹک کو پامال کر کے جنوب کی طرف واپس ہوا اور
پانڈیچری پہنچا اور ایک وفد لوئس شانزدہم شاہ فرانس کی خدمت میں

باب چہارم
فصل اول

یہ استدعا لیکر بھیجا کہ سلطنت میسور کی امداد چھ ہزار یورپین فوج سے
کی جائے جسکا معقول معاوضہ دیا جائیگا۔ مگر فرانس کا بد قسمت بادشاہ
اس وقت ورطۂ انقلاب میں پھنسا ہوا تھا۔ اور اوس نے صرف یہ
جواب دیا۔

(صفحہ ۲۲۱)

یہ بھی بالکل امریکہ کا سا معاملہ ہے جسکا خیال مجھے کبھی بغیر افسوس وندامت
کے نہیں آتا۔ اس وقت میری جوانی کی خام کاری سے فائدہ اٹھالیا
گیا اور اب فرانس کو اسکا خمیازہ اٹھانا پڑ رہا ہے۔ مگر یہ سبق ایسا
سخت مل رہا ہے کہ اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

۱۱۔ فروری ۱۷۹۱ء کو تمام انگریزی فوج مقام ویلور پر جمع ہوگئی اور بغیر کسی
مدافعت کے بنگلور تک کوچ کرتی چلی گئی جو ۲۱۔ فروری ۱۷۹۱ء کو تسخیر ہوگیا
مگر اس سے پہلے ٹیپو سلطان وواسیہ کوچ کر کے اپنے خزانے اور حرم سرا کو یہاں سے
نکال لے گیا تھا۔ نواب نظام الملک کی دس ہزار کی امدادی فوج سال گزشتہ سے حیدرآباد
میں جمع تھی مگر انھوں نے ٹیپو سلطان کے علاقے میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا
جب تک انکو یہ اطمینان نہ ہوگیا کہ ٹیپو سلطان جنوب کی طرف سرک گیا ہے
اور اب کسی مڈبھیڑ کا دھڑکا نہیں ہے ۱۷۹۱ء میں نواب نظام الملک کی فوج نے
انگریزی لشکر کے شریک ہونے میں اُسی وقت سے تعجیل شروع کردی
جس وقت انکو یہ معلوم ہوگیا کہ بنگلور تسخیر ہوگیا۔ لیکن اس فوج کی صفوف
میں نہ کوئی پابندی قواعد تھی نہ کوئی دلیری تھی اور ادھر اُدھر اترانے
پھرنے والے فوجی افسر اپنے رسد جمع کرنیوالے دستوں کو بھی اپنے
قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے یہاں تک کہ ان دستوں نے انگریزی
چوکیوں سے آگے بڑھنے کی قسم کھالی؛

جنگ اری کھیڑا ۱۷۹۱ء

لارڈ کارنوالس نے اب براہ راست سرنگاپٹم
دارالحکومت میسور پر کوچ کردیا اور ٹیپو سلطان بھی دو دو
ہاتھ لڑنے کو تیار ہو بیٹھا۔ یہ لڑائی ہری کھیڑا پر ہوئی اور ٹیپو کو اسمیں سخت
شکست ہوئی۔ جس پہاڑی پر سے آخری گولہ چلایا گیا ہے اسکی چوٹی پر سے

فاتحین کو دارالحکومت کا مشرقی حصہ نظر آنے لگا تھا لیکن اتنے ہی
نوبت یہ پہنچی تھی کہ افسوس کے ساتھ لڑائی کا خاتمہ دیکھنا پڑا کیونکہ ہفتے
سے فوج کو رسد کی قلت کی وجہ سے سخت تکلیف تھی۔ ذخائر جو پہلے ہی
کوچ کے وقت کم تھے اب بالکل ختم ہو چکے تھے اور ٹیپو سلطان کے سیکڑوں رسالوں
نے تمام رسد کو روک کر لشکر کے گرد ایک بے آب و دانہ چٹیل میدان
پیدا کر دیا تھا۔ ۲۰ مئی ۱۷۹۱ء کو توپ خانے کے افسروں نے یہ رپورٹ
کی کہ بیلوں کی حالت ایسی زار ہو گئی ہے کہ اب وہ کسی طرح بھاری توپوں کو
نہیں کھینچ سکتے اور لارڈ کارنوالس کو یہ یقین ہو گیا کہ اب سلامتی اسی میں
ہے کہ فوج کی پسپائی عمل میں آئے۔ جنرل ابیر کرومبی جو بمبئی سے امدادی
فوج لیکر لارڈ کارنوالس کی شرکت کے لیئے ساحل مغرب کی طرف سے
بھیجا گیا تھا سرنگاپٹم سے چالیس میل کے فاصلے تک بڑھ گیا تھا اسکو بھی
فوری احکام بھیجے گئے کہ اپنی قلعہ شکن توپوں کے کچھ حصے کو ضائع کر دے
اور بقیہ کو دفن کر کے ساحل کی طرف پیچھے ہٹ جائے۔ دوسرے دن
خود لارڈ کارنوالس نے بھی اپنے قلعہ شکن توپ خانے کو برباد کر دیا اور
مدراس کی طرف اپنی منحوس پسپائی شروع کر دی۔

مرہٹہ فوج

اتحاد ثلاثہ کے جس معاہدے پر یکم جون ۱۷۹۰ء کو دستخط کیئے گئے تھے
اسکی رو سے گورنمنٹ پونا نے اپنے تیئں دس ہزار فوج ٹیپو سلطان کے
مقابلے کے لیئے دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن نانا فرنویس وزیر نے ٹیپو سلطان کے
وکیلوں کو اپنے دربار میں رہنے دیا اور اسکی غرض جو خود اُس نے ظاہر
کی یہ تھی کہ آخری وقت تک بھی ٹیپو سلطان اگر چاہتا تو مرہٹوں کو انگریزوں کی
جانبداری سے باز رکھ سکتا تھا بشرطیکہ وہ کچھ علاقہ مرہٹوں کے نذر کر دیتا۔ (صفحہ ۲۲۲)
جب یہ امید ٹوٹ گئی اور مرہٹہ فوجیں میدان میں آگئیں اس وقت بھی
یہی ثابت ہوا کہ نانا فرنویس کی اصلی غرض یہ تھی کہ برطانوی توپ خانے
سے ان قلعوں کی تسخیر کا کام لے جو ٹیپو سلطان نے مرہٹوں سے چھین لیئے تھے
چنانچہ دھارواڑ کے محاصرے میں چھ مہینے صرف کیئے گئے تھے۔ یہی

وجہ ہوئی کہ ۱۷۹۰ء کی پہلی فوج کشی میں پیشوا کی فوج نے کوئی بھی مدد نہیں
دی تھی۔ ۱۷۹۱ء کی دوسری فوجکشی میں مرہٹہ فوج آکر لارڈ کارنوالس
کے لشکر میں متذکرہ صدر پسپائی کے پہلے ہی دن شامل ہوگئی۔ اگر لارڈ کارنوالس کو اس کمک کی
آمد کی خبر پہنچ جاتی تو اس فوج کشی کا نتیجہ کچھ اور ہی نکلتا لیکن ایک تو لارڈ کارنوالس کا محکمہ خبر رسانی
ہی نہایت ردی تھا دوسرے ٹیپو سلطان کے قابل تعریف محکمہ جاسوسی نے تمام خبر رسانی کو راستے ہی میں روک
لیا تھا۔ مرہٹہ لشکر کا بارونق بازار جو تمام ہندوستان کے مال غنیمت سے
مالا مال تھا انگریزی لشکر کے بدرونق اور مفلس بازار کی بالکل ضد تھا
اور جو ذخائر مرہٹے اپنے ساتھ لائے تھے وہ اگرچہ نہایت ہی گراں
قیمتوں پر ملتے تھے پھر بھی فاقے کے مارے انگریزی سپاہیوں کے لیے
نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھے۔ مرہٹہ سردار جو میدان میں آنے کے وقت
سے اب تک برابر غارتگری کرتے چلے آرہے تھے اس وقت اپنی بے زری کا
عذر لیکر آئے اور لارڈ کارنوالس سے چودہ لاکھ کا مطالبہ فوجی اخراجات
کے لیے کیا اور لارڈ موصوف کو یہ مطالبہ اس ڈر سے منظور کرنا پڑا کہ کہیں
یہ زر آشنا جا کر ٹیپو سلطان کے شریک نہ ہو جائیں۔ اس موقع پر لارڈ کارنوالس
نے بھی ہسٹنگز کے طرز عمل کا تتبع کیا اور جو روپیہ کمپنی کو بھیجنے کے لیے جہازوں
پر بار کرا دیا گیا تھا وہ بھی واپس منگا لیا۔

۱۷۹۱ء تیسری فوجکشی کی تیاریاں

مدراس واپس آکر لارڈ کارنوالس نے
اپنی فوج کو بارہ محل اور اُن دوسرے
قلعوں کی تسخیر میں مصروف کیا جن سے سارا صوبہ بھرا پڑا تھا۔ جس آسانی
اور سرعت کے ساتھ کرشناگری نندی درگ۔ ساون درگ اور
دوسرے ایسے قلعے فتح ہوگئے جو ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے اُس سے
زیادہ کسی چیز نے انگریزوں کی اعلیٰ فوجی مہارت اور بہادری کا رعب
واقتدار دیسی رئیسوں پر نہیں قائم کیا ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر کسی معمولی
قلعے کی تسخیر میں چھ مہینے لگ جاتے تھے تو اہل قلعہ اپنے تئیں خاص طور
سے خوش نصیب سمجھتے تھے۔ ابتدائے جنوری ۱۷۹۲ء میں لارڈ کارنوالس

باب چہارم
فصل اول

نے پھر میدان سنبھالا اور اس مرتبہ اسکی ہمرکابی میں اتنا زبردست بیڑہ تھا جو اس سے پہلے ہندوستان میں نظر نہیں آیا تھا۔ ٹیپو سلطان بھی اس وقت کی تیاریوں کو دیکھکر بیساختہ پکار اُٹھا۔

میں جو وسائل انگریزوں کے دیکھتا ہوں اسنے مجھے ذرا خطرہ نہیں ہے بلکہ مجھے ڈر اُنکا ہے جو وسائل میں اُن کے ساتھ اس وقت نہیں دیکھتا ہوں۔

اس لشکر میں بائیس ہزار فوج تھی اور چھیاسی میدانی اور قلعہ شکن توپیں تھیں تعداد کے اعتبار سے البتہ نواب نظام الملک کی آٹھ ہزار فوج نے طاقت میں اضافہ کردیا تھا مگر یہ فوج زیادہ کام کی نہ تھی اسکے علاوہ کچھ مرہٹہ فوج بھی آکر شامل ہوگئی تھی۔ ۵۔ فروری سنہ ۱۷۹۲ء کو یہ تمام فوج ایسے موقع پر پہنچی جہاں سے سرنگاپٹم صاف نظر آتا تھا۔ یہ شہر دریائے کاوری کے ایک جزیرے پر بسا ہوا تھا۔ اسکے گرد تین خطوط مدافعت تھے اور ہر خط پر سَو سَو توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور ان تمام خطوط کے گرد کانٹے دار درختوں کی ایسی جھاڑی تھی جسمیں سے آدمی یا جانور کسی طرح نہیں گزر سکتا تھا۔ دریائے کاوری کے شمالی کنارے پر ٹیپو سلطان کا لشکر پڑا ہوا تھا اور یہ مقام نہایت مستحکم تھا۔ لارڈ کارنوالس نے ۶۔ فروری سنہ ۱۷۹۲ء کو جاسوسی جماعت کے ساتھ جاکر اس مورچے کو لینا چاہا اور اسی رات کو اسپر دھاوا کرنیکا عزم کرلیا۔ مرہٹوں اور نواب نظام الملک کے سپہ سالاروں کو یہ معلوم کرکے سخت حیرت ہوئی کہ انگریزی کمانڈر اندھیری رات میں معمولی کپتان کی طرح بغیر توپیں ساتھ لیئے خطوط مدافعت پر شبخون مارنیکو نکلا ہے۔ یہ آویزش جو رات بھر جاری رہی اسی وقت ختم ہوئی جب ٹیپو سلطان کے تمام مورچوں پر قبضہ کرلیا گیا تھا اور برطانوی فوج نے خاص جزیرے میں قدم جما لیئے تھے۔ اسکے بعد ہی لارڈ کارنوالس کی کمک پر جنرل ایبرکرومبی چھ ہزار فوج سے آپہنچا اور فوجی کارروائیاں ایسے زور شور سے جاری تھی

(صفحہ ۲۴۳)

باب چہارم
فصل اول

گئیں کہ ٹیپو سلطان کو اُسکے خاص سرداروں نے یہ یقین دلا دیا کہ اب میسور کی فوجوں
پر بھروسہ کرنا فضول ہے اور اب سوائے اطاعت کے چارہ کار ہی نہیں
ہے ٹیپو سلطان کو بھی اس وقت اپنے ہاتھ سے اپنی سلطنت نکل جانیکا پورا پورا
خطرہ ہو گیا اور اُس نے وہ تمام سخت شرائط منظور کر لیں جو لارڈ کارنوالس
نے عائد کیں یعنے وہ اپنی نصف مملکت فاتحین کے حوالے کر دے تین کروڑ
روپے تاوان جنگ داخل کرے اور اپنے دو بیٹوں کو بطور یرغمال
کے سپرد کرے۔ پیشوا اور نواب نظام الملک کے سپہ سالاروں نے بھی اس معاملے کو
کو یکقلم انگریزی مختار کے سپرد کر دیا لیکن جب گفتگوئے صلح اختتام کو پہنچ گئی تو
مرہٹہ سپہ سالار نے اپنے اور نواب نظام الملک کے لئے ساٹھ لاکھ روپیہ
صلح کی گفتگو میں شرکت کے معاوضے کا طلب کیا لیکن آخر کار اس کی
آدھی رقم پر معاملہ طے ہو گیا۔ چھ سال بعد جب سرنگا پٹم کو پھر انگریزوں نے
فتح کیا تو وہاں ایسے نوشتے دستیاب ہوئے کہ انگریزوں کے اتحادیوں
کے سپہ سالار اس نامہ و پیام کے دوران میں برابر ٹیپو سلطان کے ساتھ خفیہ
نامہ و پیام کرتے رہے تھے مگر انکی غدارانہ غایت خوش قسمتی سے اسلئے
نہیں حاصل ہو سکی کہ لارڈ کارنوالس نے اپنی شرائط فوری صیغے میں پیش
کی تھیں اور صلحنامے کی تکمیل بھی نہایت تعجیل کے ساتھ ہو گئی۔ معاہدہ اتحاد
سنہ ۱۷۹۰ء کا منشاء یہ تھا کہ تمام علاقے اور قلعے جو متحدہ افواج کی فوجی
کارروائیوں سے قبضے میں آئیں ہر سہ متعاقدین میں برابر برابر تقسیم
کئے جائیں مرہٹوں نے جنگ میں کوئی امداد نہیں دی تھی۔ در اصل اُن کی
بڑی فوج آکر انگریزی لشکر میں اسوقت شریک ہوئی ہے جبکہ اس صلحنامے پر
دستخط ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے۔ نواب نظام الملک کی
فوج کو کچھ کام نہیں کرنا پڑا تھا۔ لیکن لارڈ کارنوالس نے
نہایت ایمانداری و احتیاط سے اصلی معاہدے کی
پابندی کا ارادہ کیا اور تاوان جنگ کا ایک ثلث اور مفتوحات کا
ایک ثلث اپنے ہر ایک اتحادی کے حوالے کر دیا اور کمپنی کی محروسات میں صرف

(صفحہ ۲۲۴)

ایک تہائی علاقہ چالیس لاکھ سالانہ کی آمدنی کا الحاق کیا ؛

توسیع سلطنت کا قضیہ

پارلیمنٹ سے توسیع مملکت کی ممانعت کا فرمان صادر ہو جانیکے بعد یہ پہلا علاقہ تھا جو کمپنی کی مملکت کے ساتھ ملحق کیا گیا۔ جس وقت مسٹر پٹ نے ۱۷۸۴ء میں اپنا انڈیا بل پیش کیا ہے تو اُسنے یہ کہا تھا کہ میری غرض اس بل کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ میں گورنر بنگال کو زیادہ حوصلہ مند اور فتوحات کا شائق بننے سے روکوں۔ باوجودیکہ توسیع مملکت کو سب خطرناک سمجھتے تھے اور اس کا خوف جبتک کہ انگریزوں نے کل ہندوستان فتح کیا برابر انڈیا ہاؤس اور ڈاؤننگ اسٹریٹ میں قائم رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہند میں انگریزی حکمت عملی کا میلان بیس برس سے یہی چلا آتا تھا کہ مملکت میں توسیع نہ کیجائے۔ کلائیو نے اودھ کی اس مملکت کو ۱۷۶۵ء میں واپس کر دیا تھا جو بطور ثمرات جنگ کے قبضے میں آئی تھی اور وہ ان تمام منصوبوں کا مخالف تھا جو انگریزی مملکت کو کرمناسہ سے آگے بڑھانیکے لئے باندھے جائیں۔ ہیسٹنگز ایک زمانے میں شمالی اضلاع سرکار سے بیدخل ہو جانے پر تیار ہو گیا تھا لارڈ کارنوالس نے انصرام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی سواحل ملابار سے قبضہ اٹھا لیتے کا اور بمبئی کو محض ایک کارخانے کی حیثیت سے قائم رہنے دینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اور ۱۷۸۲ء میں جب لارڈ شیلبرن وزارت سے سرفراز ہوا تو اُسنے مدراس کو بھی چھوڑ کر صرف بمبئی اور بنگال پر قبضہ رکھنے کی تجویز کی تھی۔ اگر اس زمانے کے سرکاری حکام کی خواہشات و اصول عمل کے مطابق کمپنی کی محروسات کا طول و عرض رکھا جاتا تو وہ گھٹ گھٹا کر نہایت ہی محدود رہ جاتیں ؛

اسباب توسیع

کمپنی کی مملکت کی توسیع جسکو مجلس انتظامیہ ایوان حکومت اور وزارت نے برابر بُرا سمجھا اور بُرا کہا ایسے واقعات کی وجہ سے عمل میں آگئی جو ان حکام کے قبضۂ قدرت کے باہر تھے۔

باب چہارم
فصل اول

زمانۂ قدیم سے تمام ہندوستانی ریاستوں کا اصول حیات "قدم عشق پیشہ بہتر" رہا ہے۔ آج سے پچیس صدی پہلے سب سے پہلے ہندو مقنن نے اوصاف شاہی میں فتوحات کو سب سے بڑا درجہ دیا ہے۔ منوجی نے کہا ہے۔

جو کچھ بادشاہ کے پاس موجود نہیں ہے وہ اُسکو فوجی طاقت سے حاصل کرنا چاہیئے۔

اور یہ ایسی نصیحت تھی جسکو کبھی فراموش نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں نے بھی اس قدیمی اصول عمل کو اختیار کیا اور اسکا عمل صرف غیر مذہب کی ریاستوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہم مذہبوں کے مقابلے میں بھی کیا۔ ہر نیا خاندان حکومت اپنے ہمسایوں کے علاقوں پر حملہ کرنا اور انکو اپنی مملکت میں ملحق کر لینا شروع کر دیتا تھا۔ اٹھارھویں صدی میں ہندوستان کی سیاست میں معمول سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اُبال آتا رہا۔ اس زمانے کی چاروں زبردست قوتیں یعنے ٹیپو سلطان، نواب نظام الملک، پیشوا اور سندھیا جو گزشتہ ساٹھ سال کے عرصے میں معرض وجود میں آگئی تھیں صرف اپنی پیشقدمی کے اصول عمل کی وجہ سے قائم اور مستحکم رہیں۔ مشکل ہی سے کوئی سال ایسا گزرتا تھا کہ ہندوستان یا دکن کے کسی رئیس کے حقوق پر کوئی حملہ نہ کیا جاتا ہو۔ یہ صورت حالات تھی کہ کمپنی بھی منصۂ شہود پر آئی اور اُسنے اپنے کارخانوں کی حفاظت کے لیئے تلوار اٹھائی اور اپنی فوجوں کی اعلیٰ قواعد دانی اور بہادری کی وجہ سے ہندوستان کی اول درجے کی جنگی قوتوں میں اُسکا شمار ہونے لگا اور آخرکار ہندوستان کے رئیسوں کی مخدوش و بدگمان نظریں اس پر پڑنے لگیں۔ یہ دیسی رئیسوں کی آتش مزاجیاں اور چیرہ دستیاں تھیں جن سے اکثر اس جنگبازی کی نوبت آئی جس میں انگریزوں کو حصہ لینا پڑا اور اس حالیکہ انگریزی حکام کی حوصلہ مندی یا حرص کو اُن میں کوئی دخل نہیں تھا۔ کسی طرف سے اگر ذرا سی علامت کمزوری کی بلکہ کوئی نشان اعتدال پسندی کی نظر آجاتی تھی تو وہ مخاصمت پیدا کرنیکا حیلہ ہوتا تھا اور جب کبھی

(صفحہ ۲۲)

کمزوروں کے خلاف کسی درازدستی کو کچل دیا جاتا تھا تو بالغ نظری اور دور اندیشی
کا مقتضا یہ سمجھ میں آتا تھا کہ زیادتی کرنیوالے کے وسائل کو قطع کرنیکے
لیئے اسکو اسکے علاقے کے کسی خاص حصے سے محروم کیا جائے تا کہ وہ اُن
درازدستیوں کا اعادہ نہ کرسکے۔ اسطرح برطانوی سلطنت ہندوستان
میں ایک ایسی ضرورت کے اتباع میں وسعت پاتی رہی ہے جسکے
اسباب کی کوئی تشریح یا توجیہ نہیں کی جاسکتی ہے۔ مگر وہ اسباب ایسے
متواتر اور خودبخود وارد ہوتے رہے ہیں کہ انہوں نے صرف انڈیا ہاوس
اور وزارت کی مخالفت کو اور انگریزی قوم کے اظہار بیزاری ہی کو مغلوب
نہیں کرلیا بلکہ ایوان حکومت کی زبردست قوت پر بھی غالب آگئے۔
ایوان حکومت نے لارڈ کارنوالس کی تمام کارروائیوں کی جو انکی توثیق
کردی حتی کہ الحاق مملکت پر بھی ناجوازی کا کوئی فتوی نہیں صادر کیا اور
اور بادشاہ نے اسکو مارکوئیس کا شاندار خطاب و منصب عطا فرمایا۔
اس نظیر کی اسکے بعد سے برابر تقلید کی گئی ہے اور جس گورنر جنرل نے
ہندوستان میں برطانوی سلطنت کو وسعت دی ہے اسی کو ایوان
حکومت کے شکریے اور خاص بادشاہ سلامت کی طرف کے اعزاز کا افتخار
حاصل ہوا ہے۔

فصل دوم

لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت۔ مالی وفوجداری اصلاحات سندھیا کی ترقی

مالی اصلاحات

اگرچہ جنگ میسور کی شاندار کامیابی نے لارڈ کارنوالس کو بے
انتہا قابل ستائش ٹھرایا۔ مگر اسکے عہد حکومت کی دوامی
شہرت کا انحصار اسکی مالی و فوجداری اصلاحات پر ہے۔ اب تک کمپنی کے

تیس سالہ دوران حکومت میں جو تبدیلیاں مالی انتظامات میں کی گئی
تھیں وہ راعی و رعایا کی اغراض کے لیئے برابر کی مضرت رساں
ثابت ہوئی تھیں اور لارڈ کارنوالس نے اپنی آمد کے بعد ہی فوراً
اسکو محسوس کر لیا کہ زراعت اور اندرونی تجارت دونوں تیزی سے
تنزل پذیر ہو رہی تھیں اور رعایا کا کوئی طبقہ سوائے ساہوکاروں کے
خوشحال نہیں نظر آتا تھا۔ مجلس انتظامیہ کو بھی یہ ضرورت محسوس کرائی گئی
کہ کوئی قطعی اصول عمل ایسا اختیار کرے جس سے تباہی کی تیز رفتاری
رک جائے چنانچہ مجلس موصوفہ نے ۱۲- اپریل ۱۷۸۶ء کا قابل یادگار
مراسلہ بھیجا جسکا منشاء خاص یہ تھا کہ قدیم زمینداروں کے ساتھ بندوبست
کا فیصلہ کیا جائے اور محض کاشتکاروں یا عارضی لگان دینے والوں
کے ساتھ نہ کیا جائے۔ یہ بندوبست دہ سالہ ہو اور اسکو ایسا نہ سمجھا جائے
کہ یہ کوئی سرکاری حق ہے بلکہ ایسا سمجھا جائے کہ ریاست اور زمیندار دونوں کا
فائدہ اسی میں ہے یعنے فریقین کے مصالح کو مدنظر رکھا جائے اور اگر تجربے
سے یہ بندوبست اچھی طرح کارآمد ثابت ہو تو اسکو ہمیشہ کے لیئے قائم کر دیا
جائے۔ لارڈ کارنوالس نے تین سال اس کوشش میں صرف کیئے کہ اس موضوع پر
معلومات بہم پہنچائے کہ بندوبست کا بنیادی اصول کونسا مستحسن ہوگا۔ ملکیت
اراضی اب تک برابر سلطنت کی سمجھی جاتی تھی مگر مجلس انتظامیہ نے یہ عاقلانہ
اور فیاضانہ اصول اختیار کیا کہ آئندہ سے یہ ملکیت زمیندار کی سمجھی جائے
اور اسطرح زمینداروں کو اپنی اراضی کے ساتھ ایک حقیقی اور دوامی دلبستگی
پیدا ہو گئی۔ اراضی بھی اس اصول کے مطابق ایک حقیقی جائداد ہو گئی اور
زمینداروں کی زبردست اور خوشحال جماعت پیدا ہو گئی۔ زمیندار اور
رعیت کے تعلقات کا سوال بڑا اہم تھا اور اسمیں نہایت پیچیدگیاں پیدا
ہوتی تھیں اور حقیقت حال یہ ہے کہ یہ سوال اب تک معقول طریقے سے
حل نہیں ہو سکا ہے۔ زمیندار ہمیشہ رعیت سے کوڑی کوڑی جو اسکے پاس
ہوتی تھی اُگلوا لیتے تھے اور بیچارے کاشتکار کے پاس سوائے ایک

(صفحہ ۲۲۶)

باب چہارم
فصل دوم

جھونپڑے اور ایک گدڑے کے اور کچھ باقی نہیں رہتا تھا۔ مسٹر شور جو
ہندوستان کا قابل ترین افسر مال تھا اور جسکی نگرانی میں بندوبست کیا جا رہا تھا
یہ رائے رکھتا تھا کہ کوئی جامع اور مانع شرط ایسی ہونی چاہیئے جسکی منشاء
کے مطابق زمینداروں کے مطالبات کا معقول اور منصفانہ طور پر
تصفیہ کیا جا سکے لیکن سوء اتفاق سے رعیت کے حقوق کی استحصال الجبر
سے حفاظت کرنیکے لیئے جو ضابطہ منظور کیا گیا تھا وہ مبہم اور سقیم تھا۔ اسمیں
شک نہیں کہ کاشتکار کو قانونی چارہ جوئی کرنیکا حق حاصل تھا لیکن ایک غریب
کاشتکار سے یہ امید رکھنا حماقت تھی کہ وہ ایک دولتمند اور زبردست
زمیندار کے مقابلے میں اپیل کر کے کامیابی حاصل کر سکیگا۔ یہ ایک سقم اس بندوبست
کے دامن پر بڑا سا ایک دھبہ تھا ورنہ اور ہر طرح سے اگر یہ بندوبست
برکت نہ تھا تو نعمت ضرور تھا؛

دوامی بندوبست سنہ ۱۷۹۳ء

جس وقت بندوبست ختم ہو چکا تو یہ سوال پیش ہوا کہ
یہ دہ سالہ ہونا چاہیئے یا دوامی - لارڈ کارنوالس
کی رائے یہ تھی کہ ایک مشخص و مستقل بندوبست ہی اُس بیماری کا حقیقی علاج ہے
جسمیں اس وقت تمام ملک مبتلا تھا بلکہ آیندہ جو تباہی کے ڈرانیوالے آثار
چھائے ہوئے تھے ان سبکا بھی علاج اسی سے ہو جائیگا اور اس نوازش
سے زمینداروں کو اپنی زمینوں کو آباد رکھنے کا اور اپنی رعیت کو خوشحال
رکھنے کی بہت بڑی وجہ ترغیب و تحریص پیدا ہو جائیگی۔ برخلاف اسکے
مسٹر شور نے اپنی بہتر واقفیت کی بنا پر گورنر جنرل کی اس رائے سے نہایت
اصرار کے ساتھ اختلاف کیا کہ بندوبست کو مستقل یا ناقابل ترمیم بنایا جائے
(ضمیمہ نمبر ۳۳۷)
اُسنے یہ استدلال کیا کہ گورنمنٹ نے اب تک زمین کی قابلیت اور پیداوار
کا نہایت ہی اوپری اندازہ کیا ہے اور لگان اراضی ریاست کے وسائل
کے رگ پٹھے کی مانند ہوتا ہے اور اس وقت جبکہ تہائی بنگال ایک
جنگل کی حیثیت رکھتا ہے اور جاگیروں کی حد بست بھی نہیں کی گئی ہے
لگان اراضی کو ہمیشہ کے لیئے مستقل طور پر قایم کر دینا دوراندیشی سے

باب چہارم
فصل دوم

بعید ہے۔ اوسنے یہ کہا کہ یہ جو ادّعا کیا جاتا ہے کہ بندوبست سے زمینداروں
میں ایک مالکانہ روح پیدا ہوجائیگی جو انکے لئے محرک عمل ہوگی یہ خیال بھی
صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر تمام زمینداری صیغے کو دیکھا جائے تو اسکا خلاصہ
صرف دو لفظوں میں کیا جاسکتا ہے یعنے زمینداروں کی طرفسے وصول
کرنے کی کوشش اور رعیت کی طرف سے جان بچانے کی خواہش۔ ایسی صورت
میں کوئی بہتری کی امید رکھنی فضول ہے۔ یہ مسئلہ لیڈن ہال اسٹریٹ سے
رجوع کیا گیا اور بعض ارکان مجلس انتظامیہ نے اپنے ذاتی ہندوستانی
تجربات کی بنا پر اور بعض نے مسٹر شور کے اثر سے یہ فیصلہ کیا کہ بندوبست
دہ سالہ ہونا چاہئے۔ اسکے بعد یہ مسئلہ جماعت انتظامیہ کے سامنے پیش کیا گیا
مسٹر پٹ نے ہندوستانی معاملات کا اس قدر گہرا مطالعہ کیا تھا کہ اتنا
کسی پہلے وزیر نے نہیں کیا تھا۔ مسٹر ڈنڈاس اور مسٹر چارلس گرانٹ کی امداد
سے ایک ہفتے تک اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض اور آخرکار
یہ فیصلہ کیا گیا کہ بندوبست دوامی ہونا چاہئے چنانچہ ۲۲۔ مارچ ۱۷۹۳ء
کو یہ فیصلہ کلکتہ میں شائع کردیا گیا۔ کمپنی نے اب تک جتنی انتظامی
کارروائیاں اختیار کی تھیں اُن سب میں یہ کارروائی سب سے
زیادہ اولوالعزمانہ اور دلیرانہ تھی۔ اسکے تحت میں زراعت کی برابر
توسیع ہوتی رہی ہے اور صوبے کی دولتمندی برابر ترقی کرتی رہی ہے
زمیندار اور انکے ماتحت جن جن لوگونکو اراضی کے معاملات سے دلبستگی
رہی ہے سب کے سب دولتمند ہوگئے ہیں اور کاشتکاروں کی آسائش
کے سامان بھی زیادہ فراہم ہوگئے ہیں لیکن اب اسکا بالعموم اعتراف
کیا جارہا ہے کہ بندوبست کو دوامی شکل میں قائم کرنا ایک فاش
غلطی تھی اور اگر کم میعاد رکھنے میں کچھ ہرج تھا تو پچاس سالہ میعاد
رکھنے سے بھی یہی غرض حاصل ہوسکتی تھی جو اب ہوگئی۔ ملک کی حفاظت
کے لئے جو غیر معمولی مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں اور نظام معاشرت
کے ترقی کرنیسے جو زیادتی ہر اخراجات عملۂ ملازمان میں ناگزیر ہوتی رہتی ہے

اس سبکا کوئی لحاظ اس بندوبست میں نہیں رکھا گیا ہے نہ کوئی اس قسم کی شرط رکھی گئی ہے - بہرحال گورنمنٹ اس وقت سے اس وقت تک اس بندوبست کے پیمان کو نہایت دیانت کے ساتھ لفظ بلفظ نباہتی چلی آرہی ہے اور اُسنے وہ مثال ایفائے عہد کی پیش کی ہے جسکی نظیر ہندوستانکی سابقہ تاریخ میں نہیں ملسکتی ہے؛

دیوانی و فوجداری عدالتیں

لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت اپنی مالی اور دیوانی فوجداری معقول تبدیلیوں کی وجہ سے بھی ممتاز ہے۔ تمام تحصیلات کی نگرانی ایک جماعت اعلیٰ کے سپرد کی گئی جو کلکتہ میں قائم کیگئی تھی ہر ضلع میں اور خاص خاص شہروں میں ایک ایک دیوانی عدالت قائم کی گئی جسکی افسری کمپنی کے اُن ملازمین کو دیگئی جو اپنے حلفیہ اقرار نامے داخل کر چکے تھے - چار عدالتہائے اپیل کلکتہ ڈھاکہ - مرشدآباد اور پٹنے میں قائم کی گئیں جنکے فیصلوں کے خلاف عدالت صدر میں مرافعہ کیا جاسکتا تھا (صفحہ ۲۲۸) جسکا نام چیف کورٹ تھا اور جسکے افسر ممبران کونسل مع گورنر جنرل تھے - چاروں اپیل کی عدالتوں کے حاکم سال میں دو مرتبہ دورے پر جایا کرتے تھے تاکہ فوجداری معاملات جو دورہ سپرد ہوں اُنکی تحقیقات کریں - مقامی ججوں کو فوجداری اختیارات ایسے دیئے گئے تھے کہ معمولی مقدمات میں فیصلے کر دیا کریں اور سنگین معاملات کو حاکمان عدالتہائے عالیہ کے دورہ سپرد کر دیا کریں بیس بیس میل کے حلقے میں ایک ایک ہندوستانی افسر داروغہ کے نام سے مقرر کیا گیا تھا جو ملزموں کو حکمنامۂ گرفتاری پر یا بلا حکمنامہ گرفتار کرتا تھا اور ملزم اور گواہوں کی حاضری عدالت کے مچلکے یا ضمانتیں لے لیا کرتا تھا؛

ضابطہ

دس سال سے تمام عدالتوں کا دستور العمل وہ مجموعۂ قوانین تھا جو سر الیجیا امپی نے اغراض انصاف کے لیئے مرتب کر دیا تھا - لارڈ کارنوالس نے یہ ارادہ کیا کہ رعایا کے جان - مال اور حقوق کے متعلق تمام قوانین کو ایک ضابطے کی صورت میں مدون کر لیا جائے اور اسکے ترجمے فارسی اور بنگالی میں تیار کرا لیئے جائیں - مسٹر بارلو

باب چہارم
فصل دوم

جو ایک قابل ملکی افسر تھا مگر قانونی تعلیم اُسے باقاعدہ نہیں دی گئی تھی اِس نئے ضابطے کے مدون کرنیکے لیئے منتخب کیا گیا اور اُسنے سرالیجیا امپی کے قواعد وضوابط کو بہت کچھ بڑھا کر ضابطے کی ایک ضخیم کتاب بنادی لیکن متن میں کوئی ترمیم یا اصلاح نہیں کی۔ یہ قانون کی کتاب اگرچہ برطانوی ہمدردئ انسانی کی ایک یادگار کے طور پر محفوظ رکھنے کے قابل ہے مگر یہ اُس مخلوق کی عادت وضروریات کے مطابق نہیں تھی جو سیدھے سادے اور سُرعت انصاف کے عادی تھے۔ عدالت کی کارروائی کا طریقہ بے انتہا ضابطوں سے لدا ہوا تھا اور اُس میں قانون کے اصطلاحی الجھنیں بھی ڈھیروں شامل تھیں اسلیئے جو غایت اسکی تدوین کی تھی وہ حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ ہر مقدمہ شطرنج کی بازی بن جاتا تھا اور بقول ہندوستانیوں کے دیر لگنے سے تمام انصاف کا منہ اکرا ہوجاتا تھا اور قانونی کارروائیوں سے تمام عدل خاک میں مل کر رہ جاتا تھا۔ اور ان سب شکایتوں پر طرہ یہ تھا کہ دفتر کی تمام کارروائی فارسی زبان میں ہوا کرتی تھی جسکو نہ جج جانتے تھے نہ فریقان مقدمہ نہ گواہ ؏

ہندوستانیوں کی ملازمت سے محرومی

لارڈ کارنوالس نے مختلف صیغوں کے انتظام میں جس کاردانی وقابلیت کا اظہار کیا ہے اسکو ہر طبقے میں تعریف کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے لیکن اسکی تمام کارپردازیوں پر ایک خاص سقم کی وجہ سے بڑا بدنما دھبہ لگ جاتا ہے۔ اکبر کے زمانے سے ہندوستان کے فوجی اور ملکی عہدے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کے بھی سوائے اتفاقی مستثنیات کے ہندوستانیوں کے واسطے ہمیشہ کھلے رہتے تھے اور ہسٹنگز کے زمانے میں بھی ہندوستانی لیاقت واثر سے بعض نہایت اہم عہدوں اور منصبوں کو مستفید ہونے دیا گیا تھا۔ لارڈ کارنوالس نے ہندوستانیوں کو بالکل ناقابل اعتماد قرار دیا اور یہ عمل درآمد کیا کہ ہر صیغہ کا انصرام ہمیشہ کمپنی کے ان ملازموں کے سپرد

(صفحہ ۲۲۹)

کیا جائے جنسے حلفیہ اقرارنامہ لے لیا گیا تھا۔ ایسے ملازمین کل تین سو تھے
اور تمام اعلیٰ عہدے انھی کے سپرد تھے اور ہندوستانیوں کو ہر عہدے
سے بالکل محروم کردیا گیا تھا البتہ دو مستثنیات تھے ایک پچیس روپیہ ماہوار کا
داروغہ اور ایک ادنیٰ درجے کے دیوانی معاملات کی سماعت کرنیوالا
منصف جو اپنی تنخواہ انھی مقدمات کی رسوم سے پاتا تھا اور گویا مقدمہ بازی کا
شوق دلانیوالا تھا۔ اسطرح باعزت حوصلہ مندی کے تمام دروازے ہندوستانیوں
پر بند کردیئے گئے تھے اور اس بیدخلی کے مہلک نتائج بہت جلد ہی تمام
نظام حکومت کی نا قابلیت کی صورت میں نظر آنے لگ گئے۔

تسخیر پانڈیچری ۱۷۹۳ء

سنہ ۱۷۹۳ء میں قابل تذکرہ صرف ایک اور واقعہ تسخیر
پانڈیچری کا اس وقت ہوا جبکہ انقلاب فرانس کی ابتدا
میں فرانس اور انگلستان میں اعلان جنگ ہو گیا تھا۔ اسی سال میں لارڈ
کارنوالس ماہ اکتوبر میں سات سال کی قابل یادگار حکومت کے بعد
انگلستان روانہ ہو گیا اور اس عرصے میں اُسنے اس سلطنت کی روانی
وپاکیزگی میں بہت کچھ اضافہ کردیا تھا جو اول کلائیو کی ہمت مردانہ نے قائم
کی تھی اور ہسٹنگز کی قابلیت نے اسکو استحکام دیا تھا۔ لارڈ کارنوالس
کی علوئے شخصیت اور اُسکی پامردی و استقلال نے اسکی اعتدال پسندی
اور بردباری کے ساتھ مل کر ہندوستانی رئیسوں کو اُس سے مرعوب مگر
اُسکا گرویدہ بنا دیا تھا اور اُسکے یورپین ملازم بھی بہ طیب خاطر اُسکی
اطاعت پر آمادہ رہتے تھے۔

سندھیا کی ترقیاں

پیشوا کی طرف سے انگریزوں کے ساتھ جو سنہ ۱۷۸۲ء کے معاہدۂ
سالبائی کو سندھیا نے طے کیا تھا اوسکی وجہ سے
سندھیا کی حیثیت مرہٹہ برادری میں بہت بڑھ گئی تھی۔ اب وہ پونا کا فقط
ایک باجگذار نہیں رہا تھا بلکہ خودمختار رئیس بنگیا تھا اور انگریزوں کا اتحادی
مانا جاتا تھا اور اُسنے بھی اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان
میں اپنی فتوحات کی وسعت دینے کا عزم کیا کیونکہ ایسے [illegible]

باب چہارم
فصل دوم

اس وقت نہایت اچھا موقعہ تھا۔ مگر شہنشاہ دہلی اپنے وزیر افراسیاب خاں کے ہاتھوں میں اسوقت بالکل کٹھ پتلی بنا ہوا تھا جسنے اپنے آقا کے نام سے سندھیا کو اسلیئے طلب کیا کہ اپنے ہمچشم محمد بیگ کی قوت کو توڑنے میں اس سے امداد لے۔ چنانچہ سندھیا آگرہ آیا جہاں اُسے بادشاہ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ چند ہی روز بعد افراسیاب کو خفیہ طور سے قتل کر ڈالا گیا اور سندھیا کا وار چلگیا اور وہ شہنشاہ کا با اختیار وزیر مقرر کر دیا گیا اور شاہی افواج کا سپہ سالار بھی ہو گیا۔ ان فوجوں کی اخراجات کی کفالت کے لیئے دہلی اور آگرہ کے اضلاع کاٹ دیئے گئے اس طرح سندھیا گنگا و جمنا کے دوآبہ اور اسکے تمام وسائل کا مالک ہو گیا۔ اس کامیابی سے سرشار ہو کر اسنے بنگال سے چوتھ کا مطالبہ کیا جو حقارت کے ساتھ مسٹر میکفرسن قائم مقام گورنر جنرل نے مسترد فرما دیا۔ اسکے بعد اُسنے بقیہ خراج کا مطالبہ کرنیکے لیئے کوچ کیا۔ جو اُسکے قول کے مطابق ساٹھ لاکھ بذمہ ریاستہائے راجپوتانہ باقی تھا اور جے پور کے دروازوں کے سامنے پڑاؤ ڈالدیا۔ اس رقم کا بہت سا حصہ ادا کر دیا گیا مگر بقایا کا بھی مطالبہ کرنے پر تمام راجپوت اسکے خلاف متفق ہو گئے۔ نوبت بہ جنگ پہنچی اور سنہ ۱۷۸۷ء کی پہلی ہی لڑائی میں محمد بیگ اور تمام شاہی فوج نے سندھیا کا ساتھ چھوڑ دیا اور انکی توپوں کے ساتھ دشمن سے جا ملے۔ سندھیا گھبرا کر میدان سے بھاگ کھڑا ہوا اور انتہائے اضطراب کی حالت میں نانا فرنویس سے التجا کی کہ مرہٹہ حکومت کے ہندوستان میں قائم کرنیکے لیئے امداد کرے۔ نانا فرنویس اگرچہ سندھیا کی بڑھتی طاقت کو خود بدگمانی کی نظر سے دیکھتا تھا مگر اُسنے ہلکر کی سرکردگی میں کچھ فوج بھیجدی جسکی غرض سندھیا کو امداد دینے کی کم مگر اسکے حرکات سکنات پر نگاہ رکھنے کی زیادہ تھی۔ محمد بیگ اس لڑائی میں مارا جا چکا تھا مگر اُسکی جگہ اُسکے بھتیجے اسمعیل بیگ نے لی تھی جسنے راجپوتوں کی طرف سے بڑھکر آگرہ کا محاصرہ کر لیا اور یہاں اُسکا شریک روہیلکھنڈ کا ایک جاگیر دار

(صفحہ ۲۳)

پر سندھیا غلام قادر مع اپنے غارتگر سواروں کے ہو گیا۔ ہلکر کی فوج آجانے پر سندھیا آگرے کا محاصرہ اُٹھانے کے لیئے آگے بڑھا لیکن ۲۴۔ اپریل ۱۷۸۸ء کو اُسے پھر سخت شکست اُٹھانی پڑی۔ اسی زمانے میں سکھوں کے حملے سے اپنی جاگیر کی محافظت کرنیکے لیئے غلام قادر کو اسمعیل بیگ کی شرکت چھوڑ کر جانا پڑا اور سندھیا نے اسکی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھاکر پھر اسمعیل بیگ پر حملہ کر دیا اور اُسے شکست دیدی اور اسمعیل بیگ اپنے سریع السیر گھوڑے کے قدموں کے طفیل اپنی جان بچا کر میدان سے نکل گیا۔

یہاں سے وہ جاکر سیدھا غلام قادر کے پاس پہنچا اور پھر متحدہ فوجوں نے دہلی پر کوچ کیا اور اُسپر قبضہ کر لیا۔ غلام قادر نے اپنے بے لگام سواروں کو اس شاہی شہر پر آزاد چھوڑ دیا اور دو ماہ تک ایسے تشدد۔ خونریزی اور غارتگری کے مناظر اس شہر میں پیش آتے رہے کہ بقول ایشیائی مؤرخ کے چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ حرم سرا کی خاتونوں کو بے پردہ اور بے عصمت کیا گیا اور بعض اُن میں سے فاقہ کشی سے تنگ آکر مر گئیں۔ بدقسمت بادشاہ کو خوب لوٹا گیا تخت سے اُتار دیا گیا اور اُسکو اس عفریت سیرت غلام قادر نے آنکھوں سے محروم کر دیا۔ اسمعیل نے ان خونی مناظر سے نفرت کے ساتھ منہ پھیر لیا اور جاکر سندھیا کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس وقت سندھیا نے پھر دہلی پر حملہ کیا اور بادشاہ کو جاکر تخت نشین کیا اور اُسکے رنج وغم کو دور کرنیکی ہر طرح کوشش کی۔ غلام قادر نے سندھیا کی آمد پر فرار اختیار کی لیکن آخر کار وہ گرفتار ہو کر آیا اور اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دیئے گئے۔ سرکش اسمعیل بیگ زیادہ عرصے تک سندھیا کی خدمت میں بھی نہیں رہا بلکہ جاکر پھر راجپوتوں کا شریک ہو گیا مگر ایکی دفعہ سندھیا نے راجپوتوں کو بھی ۱۷۹۰ء میں مقام پاٹن پر شکست دی اور دوسرے سال ۱۷۹۱ء میں مقام میرتہ پر شکست دیدی ان دونوں لڑائیوں کی فتوحات خاص کر اُن قواعد داں پلٹنوں کی

باب چہارم
فصل دوم

وجہ سے نصیب ہوئیں۔ جنکو کاؤنٹ ڈی بائن نے سندھیا کے لیے تیار کیا تھا۔ یہ شخص سیوائے ایک فرانس کا باشندہ تھا اور فن حرب میں نہایت قابلیت اور معلومات رکھنے والا افسر تھا۔ یہ ہندوستان میں تلاش روزگار آیا تھا۔ اور سندھیا کی ملازمت میں داخل ہو گیا تھا۔ اور اسی نے سندھیا کو ترغیب دیکر کمپنی کی فوج کے نمونے پر ہندوستانی سپاہیوں کی قواعد دان پلٹنیں تیار کرائی تھیں۔ ڈی بائن نے رفتہ رفتہ ایک بہت بڑا لشکر ایسے یورپین افسروں کی زیر تربیت تیار کر لیا جنمیں سے اکثر فرانس سے آئے تھے۔ اس فوج میں آخر کار ترقی پا کر اٹھارہ ہزار باقاعدہ اور چھ ہزار بے قاعدہ پیدل۔ دو ہزار بے قاعدہ سوار اور چھ سو ایرانی سوار اور دو سو توپیں ہو گئیں۔ اس جرار فوج نے سندھیا کو ہندوستان کا سب سے زبردست ہندوستانی رئیس اور مرہٹہ برادری کا سب سے مقتدر رکن بنا دیا تھا۔

(صفحہ ۱۴۳)

سندھیا پونا میں

سندھیا نے بھی ٹیپو سلطان کے خلاف اتحاد میں شریک ہونیکی خواہش اس شرط پر ظاہر کی تھی کہ کمپنی اُن تمام مقبوضات کی تصدیق کر دے جو سندھیا نے ہندوستان میں حاصل کر لیئے تھے اور ویسی ہی دو پلٹنوں سے اُسکی بھی امداد کرے جیسی نواب نظام الملک کو دی گئی تھیں۔ ان شرائط کو ناقابل تسلیم سمجھا گیا اسلیئے سندھیا نے پونا کے معاہدۂ اتحاد میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ مگر اس غرض سے کہ وہ بھی ایک ایسی جنگ کے اتفاقی ثمرات سے کچھ فائدہ اُٹھا سکے جسمیں دکن کے تمام رئیس ٹیپو سلطان کے خلاف شریک ہونیوالے تھے سندھیا بھی اپنی فوجوں کو لیکر مرہٹہ مستقر پر پہنچ گیا جس سے نانا فرنویس کو بڑا خدشہ پیدا ہو گیا کیونکہ وہ سندھیا کے حریصانہ منصوبوں سے خوب واقف تھا۔ اُسنے کمزور شہنشاہ سے پونا کے پیشوا کے لیئے وکیل مطلق کا خطاب حاصل کر لیا تھا اور اپنے واسطے موروثی سفیر کا خطاب لیا تھا اور اُسنے اپنے اس سفر کے لیئے یہی عذر پیش کیا کہ

پیشوا کو اس منصب سے سرفراز کرنے کے لیے شہنشاہ کی طرف سے پونا جا رہا ہے۔ نانا فرنویس اور اُسکے ہمخیال وزرا ایک برائے نام بادشاہ کی طرف سے مرہٹہ برادری کے سردار کے لیے کسی خطاب کا تجویز کیا جانا یا منظور کیا جانا بغیر نفرت و حقارت کے نہیں دیکھ سکتے تھے مگر اُنکی مخالفت کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ سندھیا کا مزاج ایسا اچھا اور اُسکا انداز ایسا دلفریب تھا کہ وہ نانا فرنویس کے سنجیدہ مزاج اور دلشکن خموشی کے مقابلے میں نوجوان پیشوا کو بالکل اپنا گرویدہ بنا لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسکے علاوہ سندھیا اپنے ساتھ ہندوستان کے بہت سے نوادرات بھی لایا تھا اور اُسنے بہت غور خوض کے بعد پیشوا کی تفریح کے لیے انتظامات کیے تھے؛

پیشوا کی خطاب یابی ۱۷۹۲ء

رسم خطاب یابی ایسی شاندار تھی کہ اس سے پہلے کوئی تقریب پونا میں اس شان و شوکت کی نہیں ہوئی۔ ایک خوشنما قطار خیموں اور شامیانوں کی شہر کے قریب نصب کی گئی تھی اور ایک تخت مغل شہنشاہ کے نام سے رکھا گیا اور اُسپر شاہی مہر اور عصا رکھ دیا گیا تھا۔ پیشوا نے اپنے وزیروں اور دوسری ریاستوں کے وکیلوں کے جھرمٹ میں تخت شاہی تک قدم بڑھائے اور آداب بجا لا کر واپس آیا اور اُسکو ایک دوسرے شامیانے میں پہنچایا گیا جہاں وہ اس منصب جلیلہ کے خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوا۔ اسکے بعد وہ اس شان و شوکت کے ساتھ پونا واپس آیا جو اہل پونا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ سندھیا اور نانا فرنویس اگرچہ ایکدوسرے کی بربادی کے لیے برابر سازشیں کرتے رہتے تھے مگر بظاہر آپس میں بہت تواضع و تکریم سے پیش آتے تھے۔ پھر بھی اُنکی فوجیں ہندوستان میں اظہار مخاصمت کرنے سے باز نہ رہ سکیں۔ ہلکر اور سندھیا کی فوجیں راجپوتوں سے خراج وصول کرنے میں ملکر کام کر رہی تھیں مگر مال غنیمت تقسیم کرنے میں اُنمیں جھگڑا ہو گیا۔

(صفحہ ۲۳۲)

سندھیا کے سپہ سالار ڈی باٹن نے اپنے بیس ہزار سوار اور نو ہزار پیدل سے ہلکر کی فوج پر سنہ ۱۷۹۲ء میں حملہ کیا جسکی تعداد تیس ہزار تھی اور جسمیں چار پلٹنیں وہ بھی تھیں جنکو ہلکر کے فرانسیسی جرنیل نے تیار کیا تھا۔ ہلکر کو شکست کامل ہوئی اور اُسکی یہ خاص رجمنٹیں بالکل فنا کر دیگئیں یعنے انمیں سے صرف ایک یورپین افسر سلامت بچا۔

مہاجی سندھیا کی وفات سنہ ۱۷۹۴ء

اس فتح نے سندھیا کو مرہٹہ برادری میں سب سے زبردست بنا دیا تھا اور اُسکے ہمچشم نانا فرنویس کے خطرات کو بہت ہی بڑھا دیا تھا مگر ۱۲- فروری سنہ ۱۷۹۴ء کو سندھیا کی اچانک موت سے وہ کانٹے نکل گئے جنکی اسکے دل میں خلش تھی۔ اس زبردست حوصلہ مند جنگجو کے متعلق یہ کھنا بالکل مبالغے سے خالی ہے کہ اُسنے پینتیس سال تک اپنی عمر اپنے لشکر میں گزاری اور اپنے تمام وقت اور قوت عمل کو اپنی فوج کی ترقی اور مقبوضات کی توسیع میں صرف کیا۔ اپنے باپ سے اُسنے ترکے میں ایک چھوٹی سی ریاست پائی تھی اور اپنے بیٹے کے لیئے اُسنے ورثے میں ایک سلطنت چھوڑی جو ستلج سے الہ آباد تک پھیلی ہوئی تھی اور جسمیں دو ثلث مالوہ اور دکن کے بعض نہایت اعلیٰ درجے کے اضلاع شامل تھے اور ایک بہت درست اور نہایت زبردست فوج چھوڑی ؛

نیا فرمان سنہ ۱۷۹۳ء

جس میعاد کے لیئے ایسٹ انڈیا کمپنی کو مشرقی تجارت کا اجارہ دیا گیا تھا وہ سنہ ۱۷۹۳ء میں ختم ہوگئی اور مجلس انتظامیہ نے ایوان حکومت میں ایک درخواست تجدید فرمان کے لیئے پیش کی لیکن اس زمانے میں انگلستان کے اندر تازہ بتازہ تجارتی اور صنعتی دلبستگیاں بڑے زور شور سے پیدا ہوتی جا رہی تھیں اور ایوان عام میں گلاسگو۔ برسٹل مانچسٹر اور دوسرے حرفت و تجارت کے مستقروں سے بے گنتی عرضیاں مشتمل بریں احتجاج وصول ہوئیں کہ ہندوستان کی تجارت سے تمام ملک کو محروم کر کے کسی خاص کمپنی کو

اجارہ دار نہ بنایا جائے۔ انڈیا ہاؤس نے ان تمام بر خند استغاثے
احتجاج کی یہ دلیرانہ تردید کی کہ قومی اغراض کیلئے یہ لازمی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہی
ہندوستان کی تجارت اور حکومت کو چلانیکے لئے سلطنت کی تنہا قائم مقام رکھی جائے
وزارت کو بھی موجودہ صورت معاملات نہایت ہی اطمینان بخش
نظر آتی تھی کیونکہ ہندوستانی معاملات میں جتنے اہم مسائل در پیش
ہوتے تھے وہ وزارت کی نگرانی میں تصفیہ پاتے تھے۔

لارڈ کارنوالس نے ہندوستان کے مالیات کو نہایت امید افزا
حالت میں کر دیا تھا اور مسٹر ڈنڈاس وزیر ہند نے ایک شان
مباہات کے ساتھ ایوان حکومت سے یہ سوال کیا کہ کیا ایوان
مذکور اسپر تیار ہے کہ موجودہ مرفہ الحالی کی اٹھتی ہوئی لہر کو اور تجارت
کی بڑھتی ہوئی رو کو محض کسی نظریے کی بنا پر روک دے۔ مسٹر ڈنڈاس
کے استدلال کو آنکھیں بند کر کے ایک ایسے ایوان نے بالکل قبول کر لیا
جسکی متفقہ رائے میں آزاد تجارت بربادی کی طرف لیجانیوالا لازمی
راستہ تھا۔ چنانچہ کمپنی کے اجارے کی بیس سال کے لئے پھر تجدید کر دیگئی
اگرچہ دوسرے تجارت پیشہ لوگوں کے شور و شغب کو فرو کرنیکے لئے
کمپنی مذکور کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ دوسری پنج کی تجارت کے لئے تین ہزار ٹن
سالانہ کی چھوٹ دیں۔ مسٹر ولبر فورس نے اس وقت یہ بھی کوشش کی
کہ پادریوں اور معلموں کو بھی ہندوستان جانیکی اس غرض سے
اجازت دیدی جائے کہ اگر کوئی ہندوستانی دینی یا دنیوی تعلیم حاصل
کرنا چاہیں تو انکو یہ پادری اور معلم ایسی تعلیم دے سکیں لیکن وزارت
مجلس انتظامیہ اور ہندوستان سے آئے ہوئے پرانے ملازمان
کمپنی نے بالاتفاق اس تجویز سے اختلاف کیا۔ یہ ۱۷۹۳ء کا اجازت نامہ
اپنے زمانے کے خیالات کا بالکل آئینہ تھا کیونکہ اُس زمانے میں یہی خیال
عام طور سے دلنشین تھا کہ آزادی تجارت کے نام سے یورپ سے
نو آبادکاروں کا گھس پڑنا۔ اور معلموں اور پادریوں کا قدم درمیان

(صفہ ۲۳۳)

میں آجانا ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے لیئے نہایت مہلک ثابت ہوگا۔

فصل سوم

سرجان شور کا عہد حکومت

سرجان شور کمپنی کے قابل ترین ملازموں سے تھا اور موجودہ بندوبست کا تمام انصرام اُنہی کی نگرانی میں ہوا ہے۔ لارڈ کارنوالس نے اپنے جانشین کے تقرر کے متعلق مسٹر ڈنڈاس کے ایک خط میں یہ رائے ظاہر کی تھی۔

جو شخص کبھی پہلے کمپنی کی ملازمت میں نہ رہا ہو جو کمپنی کے ملازموں سے لازمی طور پر ہمیشہ بے تعلق رہا ہو۔ جو ایسے رتبے کا ہو کہ اپنے دوسرے ماتحتوں کے مقابلے میں بہت ہی اعلیٰ ہو اور جسکو انگلستان کی وزارت کی پوری امداد حاصل ہوسکے صرف وہی گورنر جنرل کے عہدے کے قابل ہے۔

مگر یہ خط اُس وقت انگلستان پہنچا جس وقت کہ اس عہدے کے لئے انتخاب کیا جاچکا تھا۔ یہ انتخاب مسٹر پٹ کی خاص سفارش سے عمل میں آیا تھا کیونکہ وزیر موصوف پر اُس صفائی معاملہ۔ قابلیت اور تندہی کا بہت بڑا اثر پڑا تھا۔ جو سرجان شور نے مالی بندوبست کے انصرام میں ظاہر کی تھی۔ غرض یہ کہ سرجان شور نے اپنے عہدے کا انصرام ۲۸۔ اکتوبر سنہ ۱۷۹۳ء کو ہاتھ میں لے لیا۔

کفالت باہمی کا معاہدہ سنہ ۱۷۹۳ء

سب سے پہلا مسئلہ جسمیں نئے گورنر جنرل کی قابلیت کا امتحان ہونیوالا تھا دکن کی سیاسیات کے متعلق پیش آیا۔ ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگ ختم ہوجانے پر لارڈ کارنوالس کو دکن میں دائمی امن کے قیام کی فکر دامنگیر ہوئی تھی اور اُسنے اتحاد ثلاثہ کے دونوں ہندوستانی رئیسوں کے سامنے سنہ ۱۷۹۰ء میں کفالت

(صفحہ ۱۳۳)

باہمی کے معاہدے کا مسودہ پیش کیا جس کا منشا یہ تھا کہ دکن میں توازن قوت قائم رہے اور تمام رئیسوں کے حقوق ایکدوسرے کی دراز دستیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ نواب نظام الملک بڑے شوق سے اسپر راضی ہو گئے لیکن مرہٹوں کا نواب نظام الملک کے ساتھ بہت ہی لمبا چوڑا کھاتہ تھا جسکو بند کر دینا اُنکی حکمت عملی کے خلاف تھا اور جسکو وہ تلوار کے ذریعے سے طے کرنا چاہتے تھے اسلئے اُنھوں نے کسی ایسے معاہدے میں شامل ہونے سے انکار کر دیا جس سے اُنکے اُن منصوبوں میں خلل پڑتا ہو جو اُنھوں نے نواب نظام الملک کے خلاف باندھ رکھے تھے۔ بارہ مہینے کے بے نتیجہ بحث مباحثے کے بعد لارڈ کارنوالس نے گورمنٹ پونا کے اتفاق رائے حاصل کرنیکی تمام امیدیں قطع کر دیں۔ سندھیا اس معاہدۂ کفالت کا نہایت سرگرم مخالف رہا تھا اور اُسکی ناگہانی موت سے پھر نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر کے دکن کے اُس امن و امان کو قائم کرنیکی کوشش کا موقع ملگیا تھا جو مرہٹوں کی وجہ سے معرض خطر میں پڑا ہوا تھا۔ خود مرہٹوں کو بھی یہ خیال تھا کہ کمپنی کی گورمنٹ پھر اُسی سرگرمی کے ساتھ اس معاملے میں سلسلہ جنبانی کریگی جیسی کہ لارڈ کارنوالس کے زمانے میں ہوتی رہی تھی۔ لیکن اُنکو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اب شمشیر حکومت کمزور ہاتھ میں ہے اور اُنھوں نے ۱۷۹۴ء میں فوراً ہی اپنی تیاریاں شروع کر دیں جبکہ اُنھیں یہ یقین ہو گیا کہ سر جان شور نے اپنے اصول مداخلت کو بالکل محدود کر کے محض غیر سگالی پر قناعت کر لی ہے۔ نواب نظام الملک کو اپنے مرہٹہ مدعیوں کے خلاف اتنی بھاری مقدار کے دعوے تھے کہ مرہٹوں کے بھی اتنے نہیں تھے اُنھوں نے فوراً انگریزوں سے ۱۷۹۰ء کے معاہدہ کی ایفا کا مطالبہ کیا مگر سر جان شور میں اپنے پیشرو کا گرم خون کہاں تھا۔ سر جان شور کا مرہٹوں کی ناراضگی مول لینے سے دل دھڑکتا تھا اور اُسنے دست بستہ ایوان حکومت کے اُس فرمان کا احترام کرنا پسند کیا جو ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ اتحاد کو ناجائز قرار دینے والا تھا اور بالکل سر پہ منڈلانیوالی کشاکش میں غیر جانبدار رہنے کا عزم کر لیا

باب چہارم
فصل سوم

دراں حالیکہ لارڈ کارنوالس نے باوجود اس فرمان کے بھی اپنی گاڑی چلنے سے نہیں روکی تھی۔ مگر انصافاً اس جگہ پر یہ بھی کہہ دینے کی ضرورت ہے کہ سر جان شور کے اس فیصلے پر بڑی حد تک اس حقیقت کا بھی اثر پڑا تھا کہ اُس وقت تینوں احاطوں کے کمانڈر انچیف نہایت ناقابل لوگ تھے اور وہ اُن تینوں میں سے کسی ایک کے بل بوتے پر بھی ایسی جوکھم کی دشمنی مول لینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

نواب نظام الملک کے خلاف مرہٹہ فوجکشی سنہ ۱۷۹۵ء

جب کبھی لوٹ مار کی امید ہو تو مرہٹہ فوج کے جمع کرنے میں ذرا وقت نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس موقع پر چونکہ نوجوان پیشوا بہ نفس نفیس میدان جنگ میں جا رہا تھا اسلئے اُسنے اپنے ہر درجے کے تمام باجگذاروں کو بلا بھیجا اور یہ آخری موقعہ تھا جبکہ تمام چھوٹے بڑے مرہٹہ سردار قومی جھنڈے کے تلے ایک دم سے جمع ہوگئے۔ سندھیا۔ ہلکر۔ بھونسلا۔ گیکواڑ۔ اور جنوبی جاگیرداروں میں سے ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق کمک بھیجی اور تمام فوج کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار سوار و پیدل مع ڈیڑھ سو توپوں کے ہوگئی اور نواب نظام الملک کی تمام فوج کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی۔ نواب نظام الملک نے ایک فرانسیسی افسر مسمی ریمنڈ کو دو پلٹنیں تیار کرنیکے لیئے نوکر رکھا تھا اور جب مرہٹوں کے ساتھ جنگ ناگزیر نظر آنے لگی تو ان پلٹنوں کی تعداد ۲۳ کردی گئی تھی۔ اسی طرح سندھیا کی فوج میں دس ہزار قواعد داں سپاہی جنرل پیرن کی سرکردگی میں تھے اور ہلکر کی فوج میں دو ہزار جنرل ڈوڈرینس کی ماتحتی میں تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہر دو متخاصمین کی طرف بہترین قواعد داں فوج فرانسیسی افسروں کی قیادت میں تھی۔

(صفحہ ۲۳)

کردلا کی لڑائی سنہ ۱۷۹۵ء

دونوں فوجیں ۱۲- مارچ سنہ ۱۷۹۵ء کو موضع کردلا سے ذرا آگے بڑھکر مقابلے میں آئیں اور اسی گاؤں کے نام سے یہ لڑائی موسوم کی گئی ہے۔ نواب نظام الملک کی فوج کے ہراول نے مرہٹہ پیدل فوج کے ایک بڑے

دستے کو مار کر بھگا دیا مگر نواب نظام الملک کا رسالہ بے ترتیب ہو کر مرہٹوں کی فرانسیسی فوج کے حملے کی تاب نہ لا سکا ایمنڈ کی فوج نے اپنے مد مقابل پیرن کی فوج کو بہت اچھی طرح دبا لیا تھا اور ہر طرح سے یہ امید تھی کہ میدان نواب نظام الملک کے ہاتھ رہیگا مگر یکایک ایمنڈ کو میدان چھوڑ کر ہٹ آنا پڑا جسکی وجہ سے باقی فوج میں بھی ہل چل پڑ گئی اور وہاں سے ہٹ کر موضع کُرولا میں دم لینا پڑا جہاں دو دن کے بعد فریقین میں صلحنامہ ہو گیا۔ جسکے بموجب پانچ لاکھ کی آمدنی کا علاقہ مرہٹوں کے حق میں تفویض کرنا پڑا۔ تین کرور روپے تاوان جنگ کے دیئے گئے اور بعض معاملات کو طے کرنے کے لیئے ریاست کے وزیر اعظم کو جو بڑا قابل مدبر تھا پونا میں پیشوا کے پاس رہنا پڑا۔ اس لڑائی کے دوران میں ان دونوں انگریزی پلٹنوں کو سر جان شور نے شریک جنگ ہونیکی اجازت نہیں دی تھی جو نواب نظام الملک کی خدمت میں رہا کرتی تھیں اور حیدر آباد واپس آکر نواب نظام الملک نے اُن دونوں کو نفرت کے ساتھ رخصت کر دیا اور ایمنڈ کو تاکیدی حکم یہ دیا کہ انتہائی کوشش کے ساتھ فوجوں کو قواعد وغیرہ سکھا کر تیار کرے اور ان فوجوں کے اخراجات کے واسطے علیحدہ اضلاع کاٹ دیئے لارڈ کارنوالس نے جو رسوخ و اقتدار کمپنی کا نواب نظام الملک کے دربار میں پیدا کر لیا تھا وہ یکایک فرانسیسیوں کی طرف منتقل ہو گیا۔

پیشوا کی موت ۱۷۹۵ء

کرولا کی لڑائی نے نواب نظام الملک پر جو اثر ڈالا تھا وہ ایسا تھا کہ شاید مرہٹے پھر ادہر کا رخ کرتے لیکن پیشوا کے دفعتاً مر جانے سے اُنمیں ایک قسم کی گھبراہٹ اور ابتری پیدا ہو گئی تھی۔ نانا فرنویس نے پیشوا کی نابالغی کے زمانے میں تمام مرہٹہ معاملات کو بالکل اپنے قبضۂ قدرت میں رکھ چھوڑا تھا جسمیں کبھی اتفاقیہ کوئی خلل پڑ جاتا تھا مگر جب پیشوا بالغ ہو چکا تب بھی اسکو ایسی تکلیف دہ پابندیوں میں رکھا جاتا تھا

جنکو وہ کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ ۲۵۔ اکتوبر سنہ ۱۷۹۵ء
کو اُسنے اپنے تئیں اپنے محل کے بالاخانے سے گرادیا اور وہ دن
میں راہی عدم ہوا اور تخت و تاج اپنے ابن عم باجی راؤ کے لیئے
چھوڑ گیا جو اُس مشہور رگھوبا کا بیٹا تھا جسے نانا فرنویس نے اپنی حراست
میں رکھ چھوڑا تھا۔ اسکے بعد تمام پونا طوائف الملوکی اور سازشوں کا
منظر بنگیا جنکا تین سال تک زور شور رہا جسکی نظیر ہندوستان کی کسی
ریاست میں ملنی مشکل ہے۔ کئی کئی دفعہ اچھا ہے لیکر نانا فرنویس کی
قسمت بالکل بیٹھ گئی ہتی مگر اسکی غیر معمولی ذہانت سے پھر ادبر ابھر آئی۔
مرہٹہ مؤرخ لکھتا ہے کہ نانا فرنویس کی زبردست معاملہ فہمی۔ اسکے
وسائل کی زور دار کثرت۔ اسکے رسوخ کا وسیع حلقہ اور ان سب کے
ساتھ وہ تمام آلات و ذرائع جنکو وہ کام میں لاتا رہا ان سب نے
ملکر تمام ہندوستان کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور اپنے یورپین ہمعصروں
سے بھی اسنے مرہٹہ میکیاؤلی[1] کا خطاب حاصل کر لیا تھا۔ اسنے نواب
نظام الملک سے اس تمام علاقے کی واپسی کا وعدہ کیا جو اُن سے
کرولا کی لڑائی میں مرہٹوں نے چھین لیا تھا اور اُن قدر زر تاوان
بھی واپس کر دینے کا اقرار کیا جس قدر کہ وصول ہو چکا تھا اور
اسطرح نواب نظام الملک کی امداد حاصل کر کے اور کسی نہ کسی طرح
سندھیا اور ہلکر کو بھی اپنا معاون بنا کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ
پونا پر چڑھ دوڑا اور باجی راؤ کو تخت نشین کر دیا اور اپنے اختیارات
وزارت پر حاصل کر لیئے۔ مگر باجی راؤ نے جو ہندوستانی رئیسوں میں
سب سے زیادہ احسان فراموش ثابت ہوا نانا فرنویس کا زور
توڑنیکے لیئے سندھیا سے ساز باز کرلی اور ایک دعوت میں اسکو

[1] نکلو میکیاولی فلورنیس کا مدبر تھا جو اپنی ذکاوت فطنت اور چالبازی کے لیئے مشہور تھا۔ اسکا اصول کامیابی حاصل کرنا تھا خواہ اُسکے لیئے تمام اصول انسانیت کو توڑنا پڑے۔ اسکا زمانہ سنہ ۱۴۶۹ء سے سنہ ۱۵۲۷ء تک رہا۔ ۱۲۔ مترجم

دہوکے سے گرفتار کیا گیا اور قید کر کے احمد نگر بہیجدیا گیا۔ اسکے بعد باجی راؤ
نے سندھیا کو بھی چپکے سے قتل کرانیکی تیاریاں کیں لیکن عین وقت پر
اُسکی ہمت نے ساتھ ندیا اور پہلی مرتبہ اُس سے اس اخلاقی کمزوری کا
اظہار ہوا جو اُسکی تمام آئندہ زندگی کی نمایاں خصوصیت رہی۔

یورپین افسروں کی سرکشی سنہ ۱۷۹۴ء

مسٹر ڈنڈاس نے اپنی اس رائے کا
اظہار کیا تھا کہ ہندوستان کو صرف
ایک زبردست یورپین فوج کی مدد سے قبضے میں رکھا جا سکتا ہے اسلئے
تمام فوج میں یورپین عنصر چار میں سے تین حصے ہونا چاہئے اور تمام فوج کو
سلطنت انگلستان کی فوج بتادیا جانا چاہئے اور سلطنت کی فوج کے
ساتھ اسکو ملکر کام کرنا چاہئے۔ انگلستان و ہندوستان کی فوجوں کو
ایک کردینے کی جو تجویز لارڈ کارنوالس نے پیش کی تھی اسکو نہ وزارت کی
جماعت نگران کار نے قبول کیا نہ کمپنی کی مجلس انتظامیہ نے پسند کیا
اور مسٹر ڈنڈاس نے ایک دوسری تجویز مرتب کرنیکا کام اپنے ذمہ لیا۔
لیکن ہندوستانی فوج کے یورپین افسر جو اس اوغام کے پہلے سے
مخالف ہو رہے تھے اس وقت سرکشی تک کی حالت کو پہنچ گئے اور سر جان
شور کو زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی یہ معلوم ہوا کہ اُسے تمام فوج کی سرکشی
کا سامنا کرنا ہے۔ افسروں نے اپنے اظہار ناراضگی کو مسٹر ڈنڈاس
کے قوانین کے انتظار میں دبائے رکھا لیکن اسمیں زیادہ دیر لگ جانے سے
انکو صبر کی تاب نہیں رہی۔ ۲۵- دسمبر سنہ ۱۷۹۵ء کو سر جان شور نے کونسل کا
اجلاس منعقد کیا اور ممبران کونسل کو یہ اطلاع دی کہ ہر رجمنٹ کی
طرف سے نمائندے اس غرض سے منتخب کئے جا چکے ہیں کہ ایک کارکن
جماعت ترتیب دیں اور ہر رجمنٹ نے بحلف یہ عہد کیا ہے کہ ان نمائندوں
کی حفاظت کریگی اور اپنے نقصانات کی تلافی کرا کر چھوڑیگی۔ جو مطالبے
یہ کارکن جماعت گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہے وہ یہ ہیں کہ
ایک خاص تعداد سے آگے نہ ہندوستانی سپاہ میں کمی کیجائے

صفحہ ۲۳۷

باب پنجم
فصل سوم

نہ انگریزی سپاہ میں زیادتی کیجائے اور جس کسی زمانے میں بھی جو مراعات بھتہ وغیرہ کی فوج کو دی جا چکی ہوں وہ اب بحال کی جائیں۔ اگر ان مطالبات کو منظور نہیں کیا گیا تو تمام رجمنٹیں اس حد تک تیار ہیں کہ گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کو گرفتار کر لیں اور گورنمنٹ پر قبضہ کر لیں۔

گورنمنٹ مغلوب ہو جاتی ہے

گورنر جنرل کے اس اعلان سے ممبران کونسل پر بجلی سی گر گئی۔ یہ بھی ویسا ہی نازک موقع تھا جسکا آج سے بتیس سال پہلے کلائیو کے غیر متزلزل استقلال نے خاطر خواہ تدارک کر لیا تھا لیکن اس وقت کلکتے میں کلائیو کہاں تھا۔ مدراس اور کیپ میں احکام بھیجے گئے کہ فوجیں روانہ کی جائیں اور امیر البحر سے یہ خواہش کی گئی کہ وہ اپنا بیڑہ گورنمنٹ کی حفاظت کے لئے لے آئے یہاں تک کہ ڈی بائن سے بھی یہ استدعا کی گئی کہ وہ سندھیا کے رسالے کا ایک دستہ لیکر آئے۔ کمانڈر انچیف خود کانپور گیا اور اپنی خوش اخلاقی سے افسروں کی تالیف قلوب کر کے اُنھیں خاموش کیا لیکن بغاوت کی لہر کو دراصل روکا تو توپ خانے کی ثابت قدم وفاداری نے روکا۔ مسٹر ڈنڈاس کے قوانین بڑے انتظار کے بعد مئی ۱۷۹۶ء میں ہندوستان میں وصول ہوئے اور اُن سے فریقین کو یکساں نفرت و مایوسی پیدا ہو گئی خود گورنر جنرل نے یہ کہا کہ یہ ایک دفتر بے معنی ہے۔ سر جان شور نے مجلس انتظامیہ کو جو مراسلہ بھیجا اُسمیں صاف اعتراف کر لیا کہ اس وقت دباؤ اتنا سخت پڑا تھا کہ گورنمنٹ کے واسطے سوائے دب جانیکے کوئی چارہ کار ہی نہیں رہا تھا۔ غرض یہ کہ ہندوستان میں اُن قوانین میں ترمیم کر دیگئی اور ایسی مراعات دیگئیں جو فوج کی امیدوں سے بھی بڑھکر تھیں۔ گورنمنٹ کی مغلوبیت کی اس خبر نے وزارت کو نہایت درجہ سہما دیا اور سر جان شور کی جگہ کا فوراً انتظام کرنیکی تجویز کی گئی اور لارڈ کارنوالس کو مجبور کیا کہ چاہے صرف ایک سال کے لئے جائے مگر فوراً ہندوستان جاکر امن قائم کرے۔ چنانچہ یکم فروری ۱۷۹۷ء کو لارڈ کارنوالس سے

باب چہارم
فصل سوم

حلف اطاعت لیا گیا۔ اور اسکی گورنر جنرل کی اطلاع تینوں احاطوں کو بھیجدیگئی۔ لیکن باغیوں کی ایک قائم مقام جماعت لندن میں بھی موجود تھی اور اگرچہ یہ بات کتنی ہی ناقابل اعتبار نظر آتی ہو مگر امر واقعہ یہ ہے کہ کمپنی کی مجلس انتظامیہ اور وزارت کی جماعت نگران کار نے سرجان شور کو اسکی کمزوری کی وجہ سے واپس بلانیکے بعد ہی اس قائم مقام جماعت سے نامہ و پیام شروع کردیا اور اُن کے مطالبات پر مطالبات منظور کرکے اُنکو خاموش کردیا یہاں تک کہ ایک سرغنہ کو تو انڈیا ہاؤس میں ایک بڑی تنخواہ کا عہدہ دیکر اسکا منہ بند کیا۔ چنانچہ اس بغاوت کے متعلق ایک حکم صادر کیا گیا جسکو لارڈ کارنوالس نے بیان کیا کہ گویا دودھ میں پانی ملایا گیا تھا اور متنفر ہو کر اپنے عہدے سے سبکدوشی حاصل کرلی ٭

اودھ

سرجان شور کے عہد حکومت کا آخری کارنامہ اپنی اخلاقی جرات کی وجہ سے اتنا ہی ممتاز ہے جتنا اُسکا تمام عہد حکومت اُسکی اخلاقی کمزوری کیوجہ سے قابل گرفت ہے۔

نواب وزیر اودھ بہت اچھی طینت کا آدمی تھا لیکن خود مختار حکومت نے اُسے بگاڑ دیا تھا اور مسخروں۔ خوشامد خوروں اور ہوا پرستوں نے اُسکے دربار میں رسوخ پاکر اسے بالکل از کار رفتہ بنادیا تھا نظم حکومت نہایت سقیم تھا اور اگر انگریزی سنگینیں اُسکی پشت پر نہ ہوتیں تو اُسکی مملکت کبھی کی مرہٹوں اور سکھوں نے ہضم کرلی ہوتی۔ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے سرجان شور لکھنو چلا گیا تھا اور مملکت کی بدنظمی کی اصلاح کی ضرورت اُسنے ذہن نشین کرنیکی کوشش کی تھی۔ لیکن جو کچھ جھوٹا سچا اثر سرجان شور کی فہمائش و نصیحت نے صبح کے وقت پیدا کیا تھا وہ سب شام کو نواب کے دل سے مسخروں اور افسانہ گویوں کے انجھروں اور چنڈو نوشی میں غائب ہو گیا۔ سرجان شور کے کلکتے واپس آنیکے چھ ہفتے بعد نواب وزیر کا عیش پرستی کی زندگی نے خاتمہ کردیا اور وزیر علی کی گدی نشینی گورنمنٹ آف انڈیا نے منظور کرلی کیونکہ اسی کو نواب وزیر نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔

باب چہارم
فصل سوم

اسکے کچھ عرصے بعد یہ اطلاعیں وصول ہوئیں کہ وزیر علی کی ولادت ناجائز ہے اور اُسکی طینت نہایت سفاکانہ ہے۔ سرجان شور کو اصل حقیقت کے دریافت کرنیکے لئے لکھنو جانا پڑا جہاں اُسکے سامنے یہ شہادت پیش کی گئی کہ وزیر علی نواب وزیر کا ناجائز بیٹا بھی نہیں ہے بلکہ ایک نہایت ادنیٰ قوم کے آدمی کا لڑکا ہے اور اُسکی بدکرداریوں نے مخلوق کے دل میں عام نفرت پیدا کردی ہے۔ سرجان شور کو فوراً خیال ہوا کہ گورنمنٹ نے ناانصافی کرنے میں اعانت کی ہے اور چونکہ متوفی نواب وزیر نے کوئی اولاد جائز نہیں چھوڑی تھی اسلئے سرجان شور نے اُسکے ایک بھائی سعادت علی کو گدی نشین کرنا چاہا جو اُس زمانے میں بنارس میں رہا کرتا تھا۔ ۱۷۹۸ء میں سعادت علی سے گدی نشین کرتے وقت ایک نئے معاہدہ پر دستخط کرائے گئے جسکی ایک شرط یہ تھی کہ ملک کی حفاظت کے لئے ایک برطانوی سپاہ رکھی جائیگی جسکی تعداد دس ہزار تھی اور جسکی کفالت کے لئے ۷۶ لاکھ کی نعلبندی مقرر کی گئی۔ دوسری شرط یہ تھی کہ خاص اودھ کی فوج ۳۵ ہزار سے زیادہ نہ بڑھائی جائے۔ تیسری شرط یہ تھی قلعہ الہ آباد جو ممالک مغربی و شمالی کی کنجی تھی کمپنی کے سپرد کردیا جائے اور چوتھی شرط یہ تھی کہ نواب وزیر کسی دوسری دولت کے ساتھ کوئی نامہ و پیام نہ کرسکے ان تمام انتظامات کے دوران میں سرجان شور اپنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ لکھنو کے قریب پڑاؤ ڈالے پڑا رہتا اور وزیر علی کی طرف سے اگر کسی قسم کی زیادتی کی جاتی تو گورنر جنرل کے لئے پورا پورا خطرہ تھا کیونکہ وزیر علی کی فوج میں بڑے بڑے سرفروش لوگ ملازم تھے اور اُنکا سپہ سالار نہایت سفاک سلحشور تھا اور فوج کے پاس تین سو توپیں بھی تھیں اور گورنر جنرل کے قتل کر ڈالنے کی علانیہ چہ میگوئیاں بھی ہر طرف ہو رہی تھیں۔ اس مخدوش حالت میں جس بیخوفی کا اظہار سرجان شور نے کیا اور اپنی کارروائیوں میں جس استقلال و انصاف کو اُسنے مدنظر رکھا اس سے تمام ہندوستان میں اُسکی بے انتہا تعریف ہوئی اور مجلس انتظامیہ نے بھی اُس مستقل مزاجی

(صفحہ ۲۳۹)

باب چہارم
فصل سوم

قابلیت اور پامردی کی بہت داد دی جو اُسنے اس موقع پر ظاہر کی تھی۔ بنارس سے ایک زبردست سپاہ کے ساتھ سعادت علی کے آجانے نے گورنر جنرل کو بھی خطرے سے نکال لیا اور وہ کلکتے واپس آیا اور انگلستان کو روانہ ہوگیا جہاں پہنچکر وہ لارڈ ٹین منتھ کے خطاب کے ساتھ ایوان خاص کا ممبر بنادیا گیا۔

باب پنجم

فصل اول

لارڈ ولزلی۔ آخری جنگ میسور

لارڈ ولزلی ۱۷۹۸ء

سر جان شور کی جگہ لارڈ مارننگٹن نے لی جو بعد کو مارکوئس ولزلی بنا دیا گیا۔ لارڈ ولزلی کے زبردست عہد حکومت میں کمپنی کی قوت تمام ہندوستان میں سب قوتوں پر غالب ہوگئی لارڈ ولزلی چار سال جماعت نگراں کارکا رکن رہ چکا تھا اور اس عہدے پر اُسے ہندوستانی معاملات کے متعلق بہت جامع معلومات حاصل ہوگئی تھیں اسکے علاوہ اسکو مسٹر پٹ کی ذاتی دوستی اور مسٹر ڈنڈاس کے اعتماد کا بھی امتیاز حاصل تھا۔ ہندوستان آتے وقت اُسنے راس امید پر قطع سفر بھی کیا تھا اور یہاں اُسے لارڈ ہربرٹ اور مکاینٹنے سے ملاقات کا موقع ملگیا جو دونوں مدراس کے گورنر رہ چکے تھے اور میجر کرک پاٹرک سے بھی ملاقات ہوئی جو عرصے تک سندھیا کے دربار میں برطانوی رزیڈنٹ بھی رہ چکا تھا اور پھر دربار حیدرآباد میں بھی رہا تھا اور ان سب صاحبوں سے ملکر اُسنے ہندوستان کے مختلف رئیسوں کے

باب پنجم
فصل اول

خیالات اور حیثیتوں کے متعلق نہایت قیمتی معلومات فراہم کیں تو

ہندوستان کی حالت

اس قابل یادگار زمانے کی ابتدا ہی میں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی حالت پر ایک نظر ڈال لیجائے

ٹیپو سلطان کو اچھی طرح نیچا دکھا دینے کے بعد لارڈ کارنوالس نے یہ کوشش کی تھی کہ دکن میں توازن قوت قائم ہوجائے۔ لیکن ہندوستان میں کبھی توازن قوت نہ قائم ہوسکا اور چیرہ دستیاں اور حق تلفیاں ہندوستانی رئیسوں کی ہمیشہ اصول عمل رہیں۔ بغیر کسی منصفانہ وجہ اشتعال کے لڑائیاں شروع کردی جاتی تھیں اور برابر جاری رکھی جاتی تھیں اور صرف قوت مدافعت کے ہی ذریعے سے رک سکتی تھیں۔ لارڈ کارنوالس کی روانگی کے اٹھارہ ماہ بعد کیردلا کی لڑائی نے ریاست حیدرآباد کی قوت میں کمی پیدا کردی تھی۔
(صفحہ ۲۴۰)
پیشوا انتہائی مصیبتوں میں سندھیا کی زبردستیوں کی وجہ سے گرفتار ہوگیا تھا اور خاص دکن میں بھی توازن قوت قائم ہونیکی امید بالکل فنا ہوچکی تھی۔ تمام ہندوستانی درباروں میں گورنمنٹ کلکتہ ایک مضحکہ انگیز چیز بنگئی تھی۔ اگر سرجان شور کی کمزور حکومت کچھ سال اور جاری رہتی تو بڑی خوش پیچیدگیاں پیدا ہوجاتیں۔ جنوب میں ٹیپو سلطان اپنی مصیبتوں کا خیال اپنے دل میں پال رہا تھا اور اُنکا انتقام لینے کے لئے اپنے وسائل کو ترقی دیرہا تھا۔ اگرچہ اسکو نصف مملکت سے محروم کیا جاچکا تھا پھر بھی وہ ایک جرار سپاہ پوری آراستگی کے ساتھ تیار رکھنے کے قابل تھا۔ نواب نظام الملک نے ریمنڈ کی تعلیم میں اپنی پلٹنوں کی تعداد چودہ ہزار نفر تک بڑھادی تھی اور انگلستان کی طرف سے فرانس میں جس قومی منافرت کا زور شور تھا اسکی وجہ سے فرانسیسوں نے دربار حیدرآباد میں اپنا نہایت زبردست رسوخ و اقتدار پیدا کر لیا تھا۔ سندھیا پونا اور دہلی کے دونوں درباروں کا مالک بنا ہوا تھا اور اب تک جو اثر و اقتدار تخت دہلی کے ساتھ باقی تھا وہ سب سندھیا کی ذات کو حاصل تھا۔ سندھیا کا علاقہ دکن میں متجاوز ستلج تک پھیلتا چلا گیا تھا اور نواب نظام الملک اور

باب پنجم
فصل اول

پیشوا کی سرحدوں سے اسکاٹ لینڈ اُٹھا ہوا تھا اور ہندوستان کی ریاستوں کی ستلج تک پھیلا ہوا تھا اور نواب وزیر اودھ اور کمپنی کی مملکتوں سے پہلو زنی کرتا تھا۔ ڈی بائن نے جو فرانسیسی فوجیں قائم کیں اور ترتیب دی تھیں اُنکی تعداد اب چالیس ہزار نفر تک پہنچ گئی تھی۔ یہ کسی طرح کمپنی کی دیسی سپاہ سے کم درجے کی نہیں تھیں اور اُنکے ساتھ چار سو پچاس توپیں تھیں۔ قلعے تھے۔ سلح خانے تھے۔ ڈھالنے کے کارخانے تھے۔ ذخیرے تھے اور تمام ضروریات حرب کے انتظام تھے۔ لارڈ کارنوالس اپنے جانشین کے لئے ایک کروڑ اسی لاکھ روپے کی آمدنی کا اضافہ کر گیا تھا لیکن یہ اضافہ اتنا کم ہوتا گیا کہ اصلی آمدنی بھی خرچ کو کافی نہ رہی اور کمپنی کی ساکھ ایسی بگڑ گئی تھی کہ کمپنی کو بارہ روپے سیکڑہ سے کم سود پر روپیہ نہیں مل سکتا تھا۔

اعلان ماریشیس ۱۷۹۸ء

لارڈ ولزلی کلکتے میں ۱۷۔ مئی ۱۷۹۸ء کو اترا اور تین ہفتے کے اندر اُسے ایک اعلان نے چوکنا کر دیا جو گورنر جزائر ماریشیس نے شائع کیا تھا کہ ٹیپو سلطان کی طرف سے ایک سفیر کچھ مراسلے گورنمنٹ پیرس کے نام لیکر آیا ہے جنمیں فرانس کے ساتھ مجارحانہ و مدافعانہ اتحاد کی تجویز کی گئی ہے اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنیکے لئے ٹیپو سلطان کی امداد کرنیکو کچھ فرانسیسی کمک کی استدعا کی گئی ہے اسکے بعد ہی لارڈ ولزلی کو یہ اطلاع ملی کہ ایک فرانسیسی سہ مستول نے ماریشیس سے ڈیڑھ سو فرانسیسی منگلور پر اُتارے ہیں جو سب فرانسیسی افسر ہیں اور ٹیپو سلطان کی فوج کو ترتیب کرنیکے لئے سلطنت میسور کی ملازمت اختیار کر چکے ہیں۔ لارڈ ولزلی نے سلطان کی مخاصمانہ نقل وحرکت کا پہلے سے سدباب کرنا چاہا اور جنرل ہیرس قائم مقام گورنر مدراس کو یہ ہدایت بھیجی کہ ساحل کی سپاہ کو سرنگاپٹم پر فوری کوچ کرنیکے لئے جمع کرلے۔ اسکے ساتھ ہی لارڈ موصوف نے نواب نظام الملک اور پیشوا سے بہ حیثیت متعاقدین معاہدہ ۱۷۹۰ء اپنی اپنی امدادی فوج حسب حیثیت بھیجنے کا مطالبہ شرط (۱۲) کے موافق کیا۔

(صفحہ ۲۴)

باب پنجم
فصل اول

احاطۂ مدراس کے حکام اس دلیرانہ منصوبے کو سنتے ہی دم بخود رہگئے۔ اُن کے دل پر اُس میسور کی قوت کا اب تک ڈر غالب تھا جسنے مدراس کی فصیلوں کے تلے اپنی شرائط صلح تسلیم کرائی تھیں۔ جسنے بیلی کی فوج کو بالکل فنا کردیا تھا اور کرناٹک کو روندکر رکھدیا تھا۔ اور انہوں نے ان تمام مصیبتوں کی یاد کو اپنے دل میں پھر تازہ کرنا شروع کیا جو حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگبازی میں احاطۂ مدراس پر نازل ہوچکی تھیں۔ کام کے قابل کل فوج اس وقت احاطۂ مدراس میں آٹھ ہزار سے زائد نہیں تھی اور یہ بھی باربرداری کے جانوروں اور رسد رسانی کے ذخیروں سے محروم تھی۔ اُنکی رائے میں ٹیپو سلطان کے دارالحکومت پر حملہ کرنا تو بجائے خود رہا یہ فوج اس قابل بھی نہیں تھی اگر ٹیپو سلطان حملہ آور ہو تو اس سے کمپنی کے علاقے کی بھی خاطر خواہ حفاظت کی جاسکے۔ برخلاف اسکے میسور کا فرماں روا اس وقت ساٹھ ہزار فوج میدان میں لاسکتا تھا جسکا بڑا حصہ خاص ٹیپو سلطان کے مشہور رسالے پر مشتمل تھا۔ اُسکی پیدل سپاہ کے بہت سے حصے کو فرانسیسی افسروں نے تعلیم دی تھی۔ اُسکے پاس ایکسو چوراسی میدانی توپیں تھیں ایک سنگ اندازوں کا دستہ تھا۔ پورا رسالہ ہاتھیوں کا تھا رسد پہنچانیوالے اور توپ کھینچنے والے مویشی کی بہت بڑی تعداد تھی اور رسد کا وافر ذخیرہ تھا اس صورت حالات میں لارڈ ولزلی کو ناممکن نظر آیا کہ کوئی فوری ضرب لگاسکے لیکن اُسنے تاکیدی احکام فوج کی فوری اور مکمل تیاری کے نافذ فرمادئے اور جس جس طرف سے اسکو فہمائش کی جارہی تھیں اُن سبکو اُسنے اپنے تحکمانہ انداز میں یہ جواب دیکر چپ کردیا کہ جو لوگ مجھے اپنا راستہ نہیں چلنے دیتے ہیں اور مجھکو جو حکومت سپرد کی گئی ہے اُسمیں بہ اختیار خود ناجائز مداخلت کرتے ہیں ان سب سے میں بری طرح پیش آؤنگا۔

لارڈ ولزلی کی پریشانیاں

حیدرآباد کے معاملات میں لارڈ ولزلی کی فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ چودہ ہزار کی وہ فوج جسکو فرانسیسی افسروں نے بھرتی کرکے تیار کیا تھا ایک خاص دقت طلب چیز بنگئی تھی

باب پنجم
فصل اول

ان فوجوں کو نواب نظام الملک کی طرف سے بطور کمک کے انگریز لوگ میدان میں نہیں لا سکتے تھے کیونکہ انکے متعلق خدشہ تھا کہ عین وقت پہ سلطان سے مل جائینگی جس کے فرانسیسی افسروں کے ساتھ حیدرآباد کے فرانسیسی افسر برابر نامہ و پیام کر رہے تھے اور ان فوجوں کو حیدرآباد میں بغیر انکے مقابلے کی کافی فوج کے چھوڑ دینا بھی سخت خدشہ تھا۔ اسی نازک موقعے پر لارڈ ولزلی کو زمان شاہ کی طرف سے ایک مراسلہ وصول ہوا جسمیں شاہ افغانستان نے اپنا ارادہ اٹک کو عبور کر کے ہندوستان پر حملہ کرنیکا ظاہر کیا تھا اور انگریزوں سے یہ استدعا کی تھی کہ مرہٹوں کو ہندوستان سے نکال کر دکن میں واپس دھکیلنے میں امداد کریں۔ زمان شاہ اُسی احمد شاہ ابدالی کا پوتا تھا جسنے ہندوستان کو چالیس برس پہلے اپنی فتح پانی پت سے محو حیرت بنا دیا تھا۔ اور ایک دوسرے ابدالی حملے کی امیدوں نے پھر ہندوستان میں اگر خطرہ نہیں تو ایک بے چینی ضرور پیدا کر دی تھی۔ اس طرح شمال وجنوب میں برابر کی مصیبتوں کا سامنا ہوتا دیکھکر لارڈ ولزلی نے ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ اتحاد قائم کرنیکی حکمت عملی پر اپنی ذاتی ذمہ داری پہ کاربند ہونیکا دلیرانہ عزم کر لیا اور مجلس انتظامیہ یا وزارت کی منظوری کا انتظار کرنا بھی گوارا نکیا۔ لارڈ ولزلی نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کمپنی نے اپنا رسوخ ہندوستانی درباروں میں کم کر کے اپنی سلامتی کو کچھ بڑھا نہیں لیا ہے بلکہ اب ڈھیلتے ڈھیلتے وہ ایسی حیثیت پہ پہنچ گئی ہے جہاں سے آگے ہٹنے میں کم خطرہ ہے اور جہاں قائم رہنے میں سخت خدشہ ہے۔ اُسنے اس عدم مداخلت کی حکمت عملی کو بالکل توڑ ڈالنے کا عزم بالجزم کر لیا جسکو اب تک غلطی سے بڑا نہی دور کا مسلک عافیت سمجھا جاتا تھا اور کونسل میں نشست کرنیسے تین ماہ کے اندر تمام اقلیم ہند کے ساتھ ایک سلسلہ نامہ و پیام کا شروع کر دیا گیا اور ہندوستان کے ہر دربار میں قوت عمل کی وہ بجلی کی سی لہر دوڑنے لگ گئی جس سے ہسٹنگز اور کارنوالس کے زوردار زمانوں کی یاد

(صفحہ ۲۴۲)

باب پنجم
فصل اول

تازہ ہوگئی ہو

حیدرآباد کے ساتھ نامہ و پیام سنہ ۱۷۹۸ء

لارڈ ولزلی نے ٹیپو سلطان کے مقابلے میں میدان سنبھالنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ حیدرآباد کی فرانسیسی فوج کا جھگڑا مٹا دیا جائے۔ نواب نظام الملک کے زبردست وزیر میر عالم مشیر الملک نے پونا سے خلاصی حاصل کرنیکے بعد اپنا قلمدان وزارت پھر سنبھال لیا تھا اور وہ اُس رسوخ کو بڑے خطرے کی نظر سے دیکھتا تھا جو فرانسیسی افسروں نے نواب نظام الملک کے دربار میں حاصل کر لیا تھا بلکہ بعض موقعوں پر اُنکی دیدہ دلیریاں مشیر الملک کو نہایت ناگوار بھی گزری تھیں۔ مشیر الملک نے سر جان شور کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ان فرانسیسی پلٹنوں کی جگہ ایک انگریزی حمایتی فوج حیدرآباد میں رکھدی جائے لیکن سر جان شور میں ایسے دلیرانہ کام کے کر گزرنیکی ہمت کہاں تھی۔ لارڈ ولزلی نے بڑے شوق سے اس تجویز کا خیر مقدم کیا اور اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ چھ ہزار انگریزی فوج کے ذریعے سے کل نواب نظام الملک کی تمام ناجائز دعووں سے حفاظت کی جائیگی بشرطیکہ اس فوج کے اخراجات نواب نظام الملک برداشت کریں اور اپنی فرانسیسی پلٹنوں کو توڑ دیں اور مرہٹوں کے ساتھ جتنے تنازعے پیش آئیں اُنکو برطانوی گورنمنٹ کی طرف رجوع کریں۔ نواب نظام الملک نے ایک ایسا اتحاد قائم کرنے میں نہایت ہی پس و پیش کیا جسکو پھر وہ کبھی توڑ ہی نہیں سکتے تھے اور پھر وہ اتحاد بھی کمپنی جیسی زبردست قوت کے ساتھ تھا۔ مگر اُنکے خیر خواہ مشیر نے اُنھیں یہ سمجھایا کہ ایک ایسی زبردست قوت کے دامن حمایت میں عافیت سے بسر کرنا جسکو اپنی زبان اور عزت کا پاس ہو اُس سے بدرجہا بہتر ہے کہ ایسی خود مختار زندگی بسر کیجائے جسمیں ہر مرہٹوں کی چیرہ دستیوں اور ٹیپو سلطان کی آزیدوریوں کا کھٹکا لگا رہے۔

پیشوا کے ساتھ تجویز اتحاد

ایک سال پہلے پیشوا نے ایک برطانوی فوج کی کمک اس غرض سے طلب کی تھی کہ اُسے سندھیا کی چیرہ دستیوں سے بچائے مگر سر جان شور نے انکار کر دیا تھا۔ اُسکے بعد

باب پنجم
فصل اول
(صفحہ ۲۴۳)

پیشوا نے نواب نظام الملک سے اتحاد کر لیا اور اس امداد کے معاوضے میں آٹھ لاکھ سالانہ کا علاقہ انکے حوالے کر دیا۔ سندھیا نے اسکا جواب یہ دیا کہ نانا فرنویس کو آزاد کر دیا جو اُسی کی حراست میں تھا اور ٹیپو سلطان کو اپنی شرکت کی دعوت نواب نظام الملک پر حملہ کرنے کے لئے دی۔ اس چال سے سندھیا اور پیشوا میں ایک عارضی ملاپ ہو گیا اور اس موقع پر لارڈ ولزلی نے اُس حمایتی معاہدے کی تجویز پیش کی جسکی رو سے نواب نظام الملک کے ساتھ مرہٹوں کی تمام تنازعات انگریزی گورنمنٹ کی طرف رجوع کئے جانے چاہئیں تھے۔ پیشوا اتنا بے عقل نہ تھا کہ یہ بھی نہ سمجھتا کہ ایسے معاہدے سے اُسکا تمام سیاسی اقتدار فنا ہو کر رہ جائیگا اور یہ امر ذرا بھی تعجب خیز نہیں ہے کہ پیشوا نے جو تمام دیگر ہندوستانی رئیسوں کے اس قسم کے معاہدے پر راضی ہو جانے سے قطعاً انکار کر دیا کیونکہ سب رئیسوں کی نظر میں آزادی کا دلربایانہ انداز ایسا کھپا ہوا تھا کہ وہ اسکا دامن جان جوکھم ہو لیکر بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ مگر پیشوا نے اسکے ساتھ ہی برطانوی رزیڈنٹ کو یہ بھی یقین دلا دیا کہ پونا گورنمنٹ اتحاد ثلاثہ کی شرائط پر قائم رہنے کے لئے ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگ چھڑ جانے کی حالت میں بالکل تیار ہے اور ایک زبردست مرہٹہ فوج کو علانیہ میدان جنگ میں جانیکا حکم دیدیا۔

فرانسیسی فوج کا استیصال ۱۷۹۸ء

نواب نظام الملک کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا اُسکی تعمیل کے لئے انگریزی فوجیں حیدرآباد بھیجی گئیں مگر نواب نظام الملک کو پھر تعمیل معاہدہ میں تامل ہوا۔ اور وہ حیدرآباد سے گولکنڈے کے قلعے کو چلے گئے۔ اس موقعے پر برطانوی رزیڈنٹ کو کسیقدر سخت پہلو اختیار کرنا پڑا اور اُسنے وزیر حیدرآباد کو یہ یقین دلایا کہ اگر نقض عہد ہوا تو ریاست حیدرآباد اُس کی ذمہ دار ہوگی۔ آخرکار نواب نظام الملک کو یقین ہو گیا کہ اس معاہدے کی عدم تعمیل سے جسقدر نقصان ہے اُتنا اسکی پابندی میں نہیں ہے چنانچہ ایک روبکار جاری کیا گیا جسمیں تمام فرانسیسی افسروں کی برخاستگی کا حکم تھا

اور سپاہیوں کو انکا حکم ماننے کی پابندی سے آزاد کیا گیا تھا۔ ریمنڈ اس وقت
حیدرآباد میں موجود نہیں تھا۔ دوسرے افسروں اور سپاہیوں میں اس
خلاف اُمید روبکار کے جاری ہوتے ہی ایک ہلچل مچ گئی لیکن برطانوی فوج کو
ایسے موقع پر جما دیا گیا تھا کہ فرانسیسی پڑاؤ بالکل اسکی زد میں آگیا تھا اور اُسکا
اسلحہ خانے کا اڈا دینا بالکل انگریزی فوج کے اختیار میں تھا اس بےبسی کی حالت میں فرانسیسی
افسروں نے برطانوی ریزیڈنٹ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ وہ اپنے تئیں اُسکی
پناہ میں دیدینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن سپاہیوں کی بہت سی تنخواہیں
چڑھی ہوئی تھیں اور وہ جتھا باندھکر شورش کر بیٹھے اور اپنے افسروں کو
قید کرلیا اور بڑی مشکل سے یہ ممکن ہوا کہ ان افسروں کو برطانوی لشکر میں
پناہ ملی۔ ایک نوجوان اور تیز افسر کپتان مالکم نے سپاہیوں کی اس
شورش کو ان کا بقایا ادا کرکے فرو کرنے میں کامیابی حاصل کی اور شام سے
پہلے یہ زبردست قواعددان فوجیں مع اپنے زبردست توپخانے اور
معمور اسلحہ خانے کے بغیر ایک قطرہ خون بہے بےہتھیار کردی گئیں۔ اس
مہتم بالشان کامیابی نے جو نئے گورنر جنرل کا پہلا کام تھا ان دیسی رئیسوں کو
حیرت میں ڈالدیا جو کمپنی کے زوال کے دن گن رہے تھے اور جس قابلیت
کے ساتھ اس کا ڈول ڈالا گیا تھا اور جس چستی کے ساتھ اسپر عملدرآمد کرلیا
گیا اُسنے خود کمپنی کے ملکی و فوجی صیغوں میں اپنی گورنمنٹ کی طرف سے اعتماد
کی ایک ایسی روح پھونک دی جو لارڈ ولزلی کے آئندہ کے تمام منصوبوں
کی کامیابی کی روح رواں بنگئی۔

(صفحہ ۲۴۴)

ٹیپو سلطان کے ساتھ نامہ و پیام

۸۔ اکتوبر ۱۷۹۸ء کو لارڈ ولزلی کو یہ اطلاع ملی کہ نپولین
بوناپارٹ اپنے سفر مشرق کے دوران میں مصر میں
ٹھہرا ہے چنانچہ لارڈ موصوف نے اپنے تاکیدی احکام کا پھر اعادہ کیا کہ
مدراس فوج کی ترتیب میں کوشش و تعجیل سے کام لیا جائے اور اسنے
اس فوج کا زور بڑھانیکے لئے بنگال سے تین ہزار رضاکار اور ۳۳ ویں
پیدل فوج کرنل ولزلی کی قیادت میں بھیجنے کا وعدہ کیا۔ یہ وہی کرنل ولزلی تھا

جو بعد کو ڈیوک آف ولنگٹن ہو گیا تھا۔ جب ولزلی کے پاس یہ اطمینان بخش
خبر پہنچ گئی کہ حیدر آباد کی فرانسیسی فوج توڑ دی گئی تو اُسنے اپنا پہلا مراسلہ
ٹیپو سلطان کے پاس بھیجا جسمیں ٹیپو سلطان سے اُس سفارت کی شکایت کی گئی تھی جو اُسنے
مارشیس بھیجی تھی کیونکہ اسطرح سلطان مذکور نے برطانوی قوم کے قدیم دشمنوں
سے رابطہ پیدا کیا تھا جس سے اُس اتحاد کے بیخ و بُن سے الٹ جانیکا
اندیشہ تھا جو کمپنی اور سلطان مذکور کے درمیان قائم تھا۔ اس مراسلے میں
لارڈ ولزلی نے ٹیپو سلطان کے دربار میں میجر ڈفٹن کو وکیل بنا کر بھیجنے کی تجویز کی تھی
تاکہ کسی ایسی تجویز پر بحث کی جاسکے جس سے تمام شبہات و شکوک رفع ہوسکیں
اس تمام انتظام کو خاص طور سے پر اثر اور زور دار بنانیکے لئے لارڈ ولزلی
نے خود مدراس آنیکا ارادہ کیا اور ۳۱۔ دسمبر سنہ ۱۷۹۸ء کو ساحل مدراس پر
اُترا اور یہاں کا تمام سیاسی و فوجی انصرام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور صرف
مقامی انتظام کو گورنر کے ہاتھ میں رہنے دیا ؛

ٹیپو سلطان کے جوابات سنہ ۱۷۹۹ء

ٹیپو سلطان کے جواب میں گریز کا خاص پہلو تھا۔ اُسنے یہ لکھا
تھا کہ جو جہاز مارشیس پہنچا وہ کسی تجارتی قبیلے کا بھیجا ہوا تھا
اور اہل فرانس بڑے بدکردار اور دھوکہ باز ہیں اور انھوں نے جھوٹی خبریں
دونوں سرکاروں کو آپس میں بدظن کرنیکے لئے پھیلائی ہیں۔ میجر ڈفٹن کے
ساتھ مجلس مشاورت کو اُسنے غیر ضروری قرار دیکر ٹال دیا کیونکہ بقول اُسکے
جو دوستی اور عزت کے خیالات انگریزی حکومت کی طرف سے اسکے دل میں تھے
وہ سب ظاہر تھے۔ دراں حالیکہ اسی زمانے میں وہ اپنے ایک فرنگی افسر کو
پیرس کے ایوان حکومت کی خدمت میں یہ استدعا لیکر بھیج رہا تھا کہ دس ہزار
فرانسیسی فوج کی کمک انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنیکی خاطر
دی جائے اور اس فوج کے تمام مصارف سلطنت میسور برداشت کریگی
یہی نہیں بلکہ وہ زماں شاہ کو بھی اپنی امداد کے لئے بلا رہا تھا تاکہ سلطنت
میسور کے ساتھ شریک ہو کر کافروں اور مشرکوں کے خلاف جہاد کیا جاسکے
اُسنے لکھا تھا کہ اگر خدا نے چاہا تو تمام انگریز غازیوں کی بے پناہ تلواروں کی

خوراک بن جائینگے۔ لارڈ ولزلی نے ۹ جنوری ۱۷۹۹ء کو اُسے دوسرا مراسلہ بھیجا جسکے جواب کا مطالبہ چوبیس گھنٹے کے اندر کیا گیا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد ٹیپو سلطان نے اسکا یہ جواب دیا جسکا منشاء یہ تھا کہ وہ چونکہ اپنی عادت کے موافق شکار کو جارہا تھا اسلئے میجر ڈفٹن کو اسکی عدم موجودگی میں بھیجا جائے کیونکہ

فوج کی پیش قدمی ۱۷۹۹ء

اب ہر لحظہ قیمتی ہوتا جاتا تھا۔ میسور کا دارالحکومت سرنگاپٹم ٹیپو سلطان کی تمام قوت کا مرکز تھا۔ وہی اسکا ذخیرۂ رسد تھا اور وہی اسکا سلح خانہ تھا۔ جس جزیرے کے بیچ میں یہ تعمیر تھا اُسکے گرد دریائے کاوری کی طغیانی کی وجہ سے جون سے نومبر تک یہ قلعہ ناقابل رسائی ہوجاتا تھا اسلئے اسکو بارش شروع ہونے سے پہلے تسخیر کرلینا ضروری تھا۔ کچھ عرصے تک کسی معقول جواب کا انتظار کرنیکے بعد لارڈ ولزلی نے فوج کو میدان سنبھالنے کا حکم دیا۔ اب تک کمپنی کے جھنڈے تلے جتنی فوجیں میدان کارزار میں آچکی تھیں یہ فوج اُن سب سے بڑی اور آراستگی اور قواعد دانی کے اعتبار سے سب سے بہتر تھی۔ اُسمیں کل بیس ہزار آٹھ سو دو نفر تھے جنمیں چھ ہزار یورپین تھے۔ چالیس توپوں کا قلعہ شکن توپ خانہ تھا اور چونسٹھ میدانی اور کلدار توپیں تھیں۔ اسکے علاوہ دس ہزار سوار نواب نظام الملک کی امدادی فوج کے تھے اور چھ ہزار حیدرآباد کی انگریزی حمایتی فوج تھی جو کرنل ولزلی اور کپتان مالکم کی سرکردگی میں اعلیٰ درجے کی امدادی فوج بنگئی تھی۔ تمام فوج کی قیادت جنرل ہیرس کے سپرد تھی جسکا ذاتی علم اُس ملک کے تمام راستوں کے متعلق بڑا کارآمد ثابت ہوا۔ ٹیپو سلطان نے مدراس کے سپہ سالار کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لئے اپنے سپہ سالاروں کو چھوڑا اور اپنی چیدہ سپاہ کو اپنے ساتھ لیکر ساحل مالابار کی طرف اس فوج کا مقابلہ کرنیکے لئے بڑھا جو سیدھی اُسکے دارالحکومت پر پیش قدمی کررہی تھی۔ ۵ مارچ ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان یکایک بمبئی فوج کی ہراول کے سامنے نمودار ہوگیا۔ جنرل اسٹوارٹ جو پوری فوج کا سپہ سالار تھا اس وقت

دس میل پیچھے تھا اور دلاور جنرل ہارٹلے کو اس سخت حملے کا تنہا صدمہ اٹھانا پڑا۔ اسکی چھوٹی سی فوج نے اور خاص کر کرنل منٹریزر کے دستے نے ٹیپو سلطان کی تمام فوج کے دھاوے کی چھ گھنٹے تک نہایت پامردی کے ساتھ مقاومت کی لیکن جس وقت کہ انگریزی ہراول کے پاس آخری کارتوس باقی رہگیا تھا اسی وقت خوش قسمتی سے جنرل اسٹوارٹ بھی مع پوری فوج کے آپہنچا اور لڑائی کا انجام انگریزوں کے حق میں ہو گیا۔ ٹیپو سلطان دو ہزار جانوں کا نقصان اٹھا کر جنگلوں میں ہوتا ہوا بھاگا اور چھ دن بعد دوسری سمت میں جنرل ہیرس کی مدراس والی فوج کی مقاومت کے لئے روانہ ہوا۔

ملاولی کی لڑائی ۱۷۹۹ء

اپنے نہایت ہی تجربہ کار افسروں اور فرانسیسی قائدوں کے مشورے کے خلاف ٹیپو سلطان نے مقام ملاولی کو میدان جنگ کے لئے تجویز کیا جہاں سے وہ انگریزی فوج کی پیشقدمی کو روکنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ لڑائی ۲۷۔ مارچ ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان کی کامل شکست کی صورت میں ختم ہوئی ٹیپو سلطان کو یہ یقین ہو گیا کہ جنرل ہیرس بھی دارالحکومت جانیکا شمالی راستہ اختیار کریگا جیسا لارڈ کارنوالس نے کیا تھا اور اسنے بڑے اہتمام سے اس تمام راستے کو بالکل ویران کر دیا تھا اور غلہ یا چارے کا کوئی وجود وہاں نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن جنرل ہیرس نے بالکل مقابل سمت پر کوچ کیا اور دریائے کاوری کو بلا مقاومت مقام شوشیلا کے پایاب گھاٹ پر سے عبور کر لیا جسکا اب تک کسیکو علم بھی نہیں تھا ٹیپو سلطان کے غصے اور مایوسی کی کوئی انتہا نہیں رہی جس وقت اسکو یہ علم ہوا کہ ایک فوجی چال سے جنرل ہیرس نے اوسکی تمام پیش بندیوں کو خاک میں ملا دیا اور اسنے باچشم پرنم اپنے افسروں اور سرداروں سے مشورہ طلب کیا۔ انھوں نے ایک زبان ہو کر یہ عرض کیا کہ ہم سب حضور کے ساتھ دارالحکومت اور سلطنت کے بچانے کے لئے ایک آخری جان توڑ کوشش اور کرینگے اور اگر کامیاب نہوئے تو اسی جگہ حضور کے قدموں پر نثار ہو جائینگے۔

(صفحہ ۲۴۶)

محاصرہ و تسخیر سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء

۶۔ اپریل ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا گیا

باب پنجم
فصل اول

اور محاصرے کی کارروائی ایسی سختی سے کیگئی کہ ٹیپو سلطان نے گفتگوئے صلح شروع کردی۔ جنرل ہیرس نے اسکو صاف جواب دیدیا کہ جن شرائط پر صلح کرنیکی اجازت جنرل موصوف کو دیگئی ہے وہ صرف یہ ہیں کہ سلطان اپنی آدھی مملکت حوالے کرے۔ دو کرور روپیہ تاوان جنگ دے اور اپنے چار بیٹے اور چار سردار بطور یرغمال کے سپرد کرے۔ سلطان نے ان شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ ۴۔ مئی ۱۷۹۹ء کو ایک راستہ نکل آنیکی رپورٹ کی گئی اور جنرل بیارڈ کی سرکردگی میں فوجوں نے ایکدم ہلہ بول دیا۔ یہ جنرل بیارڈ ایک ممتاز فوجی افسر تھا جو چار سال تک اسی قلعے میں پابزنجیر حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے تشدد برداشت کرتا رہا تھا جنرل بیارڈ ٹھیک ایک بجے دن کو مورچے پر چڑھ گیا اور اسکی شاندار مورت دونوں فوجوں کو صاف نظر آنے لگی۔ پھر اسنے اپنی تلوار نکالکر اپنی فوج کو پکارا کہ آئیں اور برطانوی سپہگری کی عزت رکھ لیں ٹیپو سلطان کے سپاہیوں کے ایک چھوٹے سے چیدہ دستے نے اس ٹوٹے راستے پر جان توڑکر مقابلہ کیا اور اس جانفرسا مقابلے میں دونوں طرف کے بہت سے جانباز کام آگئے۔ فصیلوں کی حفاظت بہت زیادہ پامردی کے ساتھ کی گئی خصوصاً شہر پناہ کی جہاں خود ٹیپو سلطان بھی اپنی فوج کو لیئے اڑا ہوا تھا۔ مگر اسی مقام پر ٹیپو سلطان بھی زخموں سے چور ہوکر ڈھیر ہوگیا اور قلعہ مسخر ہوگیا۔ جس وقت اسکی نعش شہر میں سے ہوکر گزری ہے تو تمام رعیت دوڑ دوڑکر اسکے سامنے زمین بوس ہوتی تھی اور اسکے ساتھ ہولیتی تھی یہانتک کہ جنازہ حیدر علی کے شاہانہ مقبرے تک پہنچگیا یہاں اسلامی رسوم کے رعب داب اور انگریزی فوجی ماتمداری کی شان و شوکت کے ساتھ اسکو سپرد خاک کردیا گیا۔ کل من علیہا فان

اس طرح میسور کا دار الحکومت تسخیر ہوگیا دراں حالیکہ اس میں بیس ہزار فوج مدافعت کرنیوالی تھی اور ۲۸۷ توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور کثرت سے رسد اور حرب کے ذخائر بھرے ہوئے تھے۔

باب پنجم
فصل دوم

صفحہ ۲۴۴

خود لارڈ ولزلی نے اسکے متعلق رائے یہ قائم کی اور یہی انگریزی لشکر کے
بہترین ماہرین حرب کی رائے تھی کہ اسکے استحکام کے اعتبار سے اور اسکی
رسائی کی مشکلات کا اندازہ کر کے یہ قلعہ ایسا قابل تھا کہ صرف ایک ہزار
فرانسیسی فوج کسی قابل افسر کی سرکردگی میں اسکو دائمی طور سے ناقابل تسخیر
بنا سکتی تھی۔ لیکن اس تمام محاصرے کے دوران میں بلکہ حقیقتاً اس دفعہ تمام
جنگ کے دوران میں ٹیپو سلطان نے کسی خاص جنگی قابلیت یا معمولی خردمندی کا
بھی ثبوت نہیں دیا۔ وہ اپنے نہایت تجربہ کار افسروں کے مشوروں کو
مسترد کر دیا کرتا تھا اور صرف بیہودہ آغازادوں اور افسانہ گویوں کی چاپلوسیوں
پر کان دھرتا تھا اور نجومیوں کے احکام پر بھروسہ کرتا تھا۔ اپنی تمام پیشقدمی
کے دوران میں جنرل ہیرس اپنی بھاری قلعہ شکن توپوں اور کثرت کے
ساتھ رکاوٹوں کے اسباب سے اس قدر لدا پھندا تھا کہ وہ پانچ میل
روزانہ سے زائد سفر نہیں کر سکتا تھا اور اسکو بھی انگریزوں کے اقبال کا
ایک کرشمہ سمجھنا چاہیئے کہ اُسے لارڈ کارنوالس کی طرح رسد کی کمی سے
مجبور ہو کر پسپائی نہ اختیار کرنی پڑی۔ بہت سے مواقع ایسے پیش آئے
کہ اگر کوئی چالاک اور سمجھدار دشمن ہوتا تو اُسکی پیشقدمی کو موسم بارش تک
کے لیئے روک دیتا اور ایسی صورت میں یہ فوجکشی ناکام رہ جاتی۔ لیکن
ٹیپو سلطان نے اپنی غفلت وغرور میں ان موقعوں کو ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ انگریزی
فوج کی کامیابی کچھ اُنکی بہادری اور پامردی سے ہوئی اور کچھ اس وقت بد اقبال
نے اُنکا ساتھ دیا۔ ٹیپو سلطان اپنی وفات کے وقت چھیالیسویں سال میں تھا۔ اُسمیں
صلح وجنگ کی کوئی قابلیتیں اپنے مشہور عالم والد کی سی نہ تھیں۔ وہ تشدد
اور تلون کا۔ اوہام پرستی اور تعصب کا ایک معجون مرکب تھا اور ساتھ ہی اسکے
ایک سفاک مردم آزار بھی تھا خود اسکی رعایا کی رائے یہ تھی کہ حیدر علی ایک
سلطنت پیدا کرنیکے لیئے دنیا میں آیا تھا اور ٹیپو سلطان اُسے فنا کرنے کیلئے پیدا ہوا تھا

دکن کا امن و امان

نصف صدی تک دکن ہر قسم کی بدنظمیوں کا اکھاڑہ بنا رہا
تھا اور مجلس انتظامیہ کی بہت سخت پریشانی اور بیزاری کا

باعث تھا کیونکہ امن کے زمانہ میں بھی کمپنی کے مقبوضات غیر محفوظ حالت میں رہتے تھے۔ لارڈ ولزلی نے اس امید و بیم کی حالت کا خاتمہ کر دیا۔ اپنے کلکتے آنیکے ایکسال کے اندر اُسنے حیدر آباد میں فرانسیسی رسوخ و اقتدار کا استیصال کر دیا اور نواب نظام الملک کے تمام وسائل کو اپنے قابو میں لے لیا۔ اُسنے سلطنت میسور کو سرنگوں کیا اور دکن میں کمپنی کی حالت کو ایسی مستحکم بنیاد پر قائم کر دیا کہ اُسے اس وقت سے پھر کبھی کسی ہمچشم کی دراز دستیوں کا خطرہ ہی نہیں رہا۔ ایک مہینے سے عرصے میں سرنگاپٹم کی تسخیر کی خبریں ہندوستان کے اس گوشہ تک گونج اُٹھیں اور ہندوستان کی ایک نہایت زبردست طاقت کے اس طرح ٹوٹ جانے سے ہندوستان کے دوسرے رئیسوں کے دل بیٹھ گئے اور کمپنی کا عروج دوبالا ہوگیا۔ مگر یہ فوائد اس وقت تک نہیں حاصل ہو سکے جب تک وہ سنجیدہ فرامین نہ توڑ ڈالے گئے جو ایوان حکومت اور وزارت اور انڈیا ہاوس کی دور اندیشی نے نافذ فرمائے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے لارڈ ولزلی نے اپنے ایک مراسلے میں سٹریٹ کو لکھا تھا۔ (صفحہ ۲۲۴)

میرا خیال ہے کہ یا تو میرے اعمال کی پاداش میں آپ مجھے پھانسی پر لٹکا دینگے یا مجھے میرے کارناموں کے صلے میں نہایت شان کے ساتھ عزت دینگے بہر حال میں اپنی ذات سے انگریزی تخت کو ہندوستانی تخت پر ترجیح دونگا۔

اسکو نہایت شان کے ساتھ عزت دیگئی۔ بادشاہ نے اسکو ایوان خاص کا ممبر بنایا اور پارلیمنٹ نے اسکا شکریہ ادا کیا۔

میسور کی نئی ریاست

ثمرات جنگ کے طور پر تمام مملکت میسور گورنر جنرل کے تصرف میں آگئی تھی اور اُسنے اپنے فاتحانہ حقوق کو نہایت اعتدال اور معاملہ فہمی کے ساتھ استعمال کیا۔ اس نے اس مملکت کا ایک حصہ اُس خاندان کے واسطے بحال کرنیکا ارادہ کیا جو قدیم سے میسور پر حکمراں تھا اور عرصے سے بیدخل ہو کر فراموش کر دیا گیا تھا اور اب نہایت کس مپرسی اور افلاس کی حالت میں بسر کر رہا تھا۔ پانچ سال کا ایک بچہ ایک جھونپڑے سے نکالا گیا اور ایسی گدی پر بٹھایا گیا جسکی آمدنی پچاس لاکھ سالانہ تھی۔ یہ ریاست اسکو

باب پنجم
فصل اول

بالکل بطور معافی کے دیگئی اور اس شرط کا خاص طور سے اظہار کر دیا گیا کہ یہ
عطیہ شخصی ہے خاندانی نہیں ہے۔ اسلیئے وارثوں اور جانشینوں کا [illegible]
حوالہ دینے سے قصداً اعراض کیا گیا تھا۔ لارڈ ولزلی نے یہ ظاہر کر دینے
میں کوئی پس و پیش نہیں کیا کہ جو علاقہ راجہ کی برائے نام حکومت میں دیا جا رہا
تھا در اصل انگریزی مملکت کا ایک جزو لاینفک تھا اور یہی شان اس علاقے کی
ساٹھ سال تک سمجھی بھی جاتی رہی ؎

بقیہ علاقہ | بقیہ علاقے کی تقسیم اس طرح کیگئی کہ تیس لاکھ سالانہ کے اضلاع
کمپنی نے اپنے قبضے میں لئے انھی میں سے آٹھ لاکھ سالانہ حیدر علی
اور ٹیپو سلطان کے خاندان کے گزارے کے لیئے مقرر کیا گیا چوبیس لاکھ کے اضلاع
نواب نظام الملک کو دے دیئے گئے۔ پیشوا کو بھی بالکل نظر انداز نہیں کیا گیا پیشوا نے
اس فوج کشی میں حصہ لینے سے انکار کر کے ۱۷۹۰ء کے معاہدے کی خلاف ورزی ہی نہیں
کی تھی بلکہ اپنے دو غلے پن سے کام لیکر ٹیپو سلطان کے سفیروں کو اپنے دربار میں آنے دیا تھا اور
اسکی طرف سے تیرہ لاکھ کا مابہ الاحتظاظ بھی اس غرض سے حاصل کر لیا تھا کہ جس وقت
نواب نظام الملک کی فوجیں انگریزی فوجکشی کی شرکت میں مصروف کار ہوں اسوقت
مملکت نواب نظام الملک پر پیشوا حملہ کر دے۔ لارڈ ولزلی نے اس دو غلے پن سے
درگزر کیا اور اسکو بھی اضلاع میسور کا دس لاکھ سالانہ کی آمدنی کا ایک جزو اس شرط پر
پیش کیا کہ وہ فرانسیسوں کو اپنی ملازمت سے علٰحدہ کر دے اور نواب نظام الملک
کے تنازعات میں انگریزی حکومت کی ثالثی منظور کرلے۔ پیشوا نے اس شرط کے
منظور کرنے سے انکار کر دیا اور لارڈ ولزلی نے وہ جزو بھی کمپنی اور نواب نظام الملک
کے درمیان تقسیم کر لیا ؎

مال غنیمت | سرنگاپٹم میں جو شخصی مملکت قبضے میں آئی اسکی مقدار ایک کروڑ سے
کچھ اوپر تھی اور لارڈ ولزلی نے سلطنت کی رضامندی اور مجلس انتظامیہ
کی منظوری حاصل کر لینے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اس تمام مالیت کو فوج
میں تقسیم کرا دینے کے احکام صادر فرما دیئے۔ یہ تیسرا موقعہ تھا کہ انگلستان سے
آخری احکام وصول ہونیکا انتظار کیئے بغیر مال غنیمت کو نادانی سے فوج میں

(صفحہ [illegible])

باب پنجم
فصل اول

تقسیم کیا گیا مجلس انتظامیہ نے اپنا اظہار امتنان کرنے کے لیئے لارڈ کارنوالس کو مال غنیمت میں دس لاکھ پیش کیا مگر اسکی خودداری نے اسکے قبول کرنیکو گوارا نہیں کیا چنانچہ انھوں نے پچاس ہزار سالانہ کی ایک جاگیر اسکے لیئے کاٹ دی۔ آخری جنگ میسور کی تفصیل ختم کرنیکے لیئے صرف اتنا سا اور بیان کرنا باقی ہے کہ ایک نیچا سپاہی دھونڈیا واگھ نے ٹیپو سلطان کے شکستہ رسالے میں سے کچھ لوگ جمع کرلیئے اور قریب کے علاقوں میں قصبوں اور موضعوں کو لوٹنا شروع کردیا۔ اسکی فتحمندیوں سے بہت سے قزاق اسکے جھنڈے کے تلے جمع کردیئے اور پھر سنہ ۱۸۰۰ء میں ایک مرتبہ دکن کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا۔ آخر کار کرنل ولزلی چار دستہ رسالے کے لیکر اسکے تعاقب میں روانہ ہوا اور چار ہفتہ تک اسکو پھیر پھیر کر دم نہ لینے دیا یہاں تک کہ ایک موقعے پر وہ بری طرح آگھرا گیا اور آخر کار میدان میں کام آیا اور اسکی فوج بھی منتشر ہوگئی ؛

فصل دوم

لارڈ ولزلی۔ کرناٹک اور اودھ۔ فورٹ ولیم کالج۔ سندھیا اور ہولکر سے لڑائی

نواب نظام الملک کی طرف سے علاقہ کی حوالگی

مرہٹوں کے جو تنازعات نواب نظام الملک کے ساتھ تھے جب اسمیں انگریزوں کو ثالث بنانا پیشوا نے منظور نہیں کیا تو نواب نظام الملک کے مدبر وزیر کو فوراً محسوس ہو گیا کہ اب مرہٹوں کی آزپروری کی فطرت سے کس قسم کے برتاؤ کی امید رکھنی چاہیئے اور اسنے اپنے آقا کے ولی نعمت کی سلطنت کو اس حریفانہ تدبیر کا شکار بننے سے بچانا چاہا۔ اسلیئے اسنے لارڈ ولزلی سے یہ تجویز کی کہ حمایتی فوج کی تعداد دوچند کردیجائے اور کافی علاقہ اس فوج کی کفالت کے لیئے بجائے نقد تنخواہ کے کمپنی کے حوالہ کردیا جائے بہت سی باتوں کا لحاظ کرکے یہ تجویز گورنر جنرل کے دل پسند تھی اسلیئے تمام مطلوبہ

انتظام کی بہت جلد تکمیل کر دی گئی۔ حمایتی فوج کی تعداد بڑھا کر آٹھ بٹالین کر دی گئی اور
اور نواب نظام الملک کی طرف سے تیس لاکھ سالانہ آمدنی کا علاقہ علی الدوام اس
شرط پر کمپنی کے حوالے سنہ ۱۸۰۰ء میں کر دیا گیا کہ برطانوی گورنمنٹ نواب نظام الملک
کے بقیہ علاقے کو بھی ہر حملے سے محفوظ رکھنے کی کفیل بنے۔ جو علاقہ اس طرح کمپنی کے
حوالے کیا گیا وہ صرف انہی اضلاع پر مشتمل تھا جو نواب نظام الملک کو مملکت میسور
سے سنہ ۱۷۹۲ء اور سنہ ۱۷۹۹ء کے ثمرات جنگ کے طور پر حاصل ہوا تھا۔ یہ معاملہ فریقین
کے لئے فائدہ مند ثابت ہوا۔ ایک طرف اُسنے کمپنی کے مقبوضات کو کرشنا تک
پھیلا دیا اور دوسری طرف اسنے نواب نظام الملک کو اپنے موروثی حریفوں دشمنوں کے
خطرے سے محفوظ کر دیا اور یہ سب کچھ اس طرح ہو گیا کہ نواب نظام الملک کو اپنی آبائی
مملکت میں سے ایک گز زمین بھی نہیں دینی پڑی۔ اسمیں شک نہیں کہ اپنی مملکت
کی حفاظت کو ایک دوسری حکومت کے سپرد کر کے اور غیر ریاستوں سے نامہ و پیام
کرنیکے شاہی حقوق کو ہاتھ سے دیکر نواب نظام الملک نے اپنی سیاسی آزادی کھو دی
مگر اسکے ساتھ ہی اُنکا شاہی خاندان ہمیشہ کے لیے قائم ہو گیا۔ حالانکہ دکن کی تمام اور
ریاستیں جہاں معدوم ہو چکی ہیں وہاں چین قلیج خاں تاتار کے صلبی جانشین
اب بھی اپنا دربار شاہی حیدر آباد میں منعقد کرتے ہیں۔

(صفحہ ۲۵۰)

خالصہ تنجور سنہ ۱۸۰۱ء

اسی زمانے میں چھوٹی سی ریاست تنجور کو بھی خالصہ کر لیا گیا۔ کمپنی کا
جو قرضہ اسکے ذمے تھا اسمیں اسکی ریاست آ گئی کر لی گئی اور ریاست
کی آمدنی میں سے اُسکا وظیفہ سالانہ چار لاکھ نقد اور عین آمدنی کا پانچواں حصہ
مقرر کر دیا گیا۔

معاملات کرناٹک

لارڈ کارنوالس نے سنہ ۱۷۹۲ء میں جو معاہدہ نواب محمد علی سے
طے کیا تھا اسکی رو سے کئی اضلاع کمپنی کے نام کے اُن فوجوں کی
کفالت کے لئے کاٹ دیئے گئے تھے جو اُسکے ملک کی حفاظت کے لئے کمپنی نے
رکھ چھوڑی تھیں۔ یہ نواب جو کلائیو اور کوٹ کے گدی نشین کئے گئے تھے چھتیس
سال تک سلطنت کر کے سنہ ۱۷۹۵ء میں فوت ہو گئے اور ان کے فرزند عمدۃ الامرا بھی اپنے باپ کی
طرح ہزاروں یورپین مردار خواروں کے گھیرے رہنے لگے تھے

کمپنی کے ملازم ہی تھے۔ یہ سب کے سب اُن کی فضول خرچی کے سامان مہیا کرنیکے لئے
گراں بار شرح سود پر اُن کو رقمیں قرض دیتے تھے اور ۱۷۹۲ء کے معاہدے کی شرط
کے خلاف ان سے اُن اضلاع کے کفالت نامے لے لیا کرتے تھے جو فوج کی کفالت
کے لئے کاٹ دیئے گئے تھے۔ ان قرضوں سے عمدۃ الامرا کو گورنمنٹ مدراس
کے مطالبات کی قسطیں وقت پر داخل کر دینے کا موقعہ مل جاتا تھا مگر انہی سے اُنکی
مشکلات بھی برابر بڑھتی چلی جاتی تھیں اگرچہ اُنمیں کچھ دن کی تعویق ضرور پڑ گئی تھی۔
مجلس انتظامیہ کی خاص خواہش کے مطابق لارڈ ہوبرٹ گورنر مدراس نے عمدۃ الامرا
کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بجائے نقد رقوم داخل کرنیکے وہ خاص اضلاع کمپنی کی
طرف بالکل منتقل ہی کر دیں اور اس انتقال کی ترغیب دینے کے لئے گورنر موصوف
نے یہ شرط بھی پیش کی کہ ایسی صورت میں گورنمنٹ کا جتنا قرضہ نواب کے
ذمے ہے اُسمیں ایک کروڑ چھوڑ دیا جائے۔ یہ انتظام گو نواب کے لئے نہایت
منفعت بخش تھا مگر اسمیں ان لوگوں کا کچھ فائدہ نہ تھا جو ریاست کو اپنا مقروض
رکھنا چاہتے تھے اسلئے ان اضلاع کی حوالگی پر نواب کو آمادہ نہ ہونے دیا
جنکی آمدنیاں قرضخواہوں کے سود میں مکفول ہو رہی تھیں چنانچہ یہ کل تجویز نواب نے
مسترد کر دی۔ اسپر لارڈ ہوبرٹ نے فوجی کارروائی کرنیکا ارادہ کیا کیونکہ نواب نے ۱۷۹۲ء
کے معاہدے کے شرائط کے خلاف ان اضلاع کو قرضوں میں مکفول کیا تھا اسلئے اب کمپنی پر بھی کسی شرائط
کی پابندی لازم نہیں رہی تھی۔ مگر سر جان شور نے گورنر موصوف کی تجویز سے
اتفاق نہیں کیا۔ اسپر گورنر مدراس اور گورنر جنرل میں کچھ بدمزگی پیدا ہو گئی جسپر
اس معاملے کو لیڈن ہال سے رجوع کر دیا گیا اور لارڈ ہوبرٹ کو ۱۷۹۸ء میں انگلستان
واپس بلا لیا گیا۔ اسکے بعد ہی مجلس انتظامیہ نے لارڈ ولزلی سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کلکتہ
جاتے وقت مدراس ٹھہرتا ہوا آئے اور اُن اضلاع کی حوالگی کے متعلق نواب
کی رضامندی حاصل کرنیکی ایک مرتبہ اور کوشش کرے کیونکہ وہ اضلاع برابر برباد ہوتے
چلے جا رہے تھے اور اُنکو اُس زرنقد کے عوض حوالہ کر دینے میں کوئی ہرج نہیں تھا
جسکی ادائگی کی پابندی نواب پر ضروری تھی۔ مگر عمدۃ الامرا کے درباریوں نے
اس تجویز کو منظور نہ ہونے دیا۔

(صفحہ ۲۵۱)

خفیہ نامہ و پیام کا افشا سنہ ۱۷۹۹ء

نواب حسب معاہدہ اس شرط کے
پابند تھے کہ کسی قسم کا نامہ و پیام یا سیاسی خط وکتابت
کمپنی کی منظوری بغیر کسی یورپین یا ہندوستانی دولت سے نہ کریں گے۔ لیکن تسخیر
سرنگاپٹم کے وقت یہ معلوم ہوا کہ اس وقت کے نواب اور اُن کے باپ
ٹیپو سلطان کے ساتھ ایک نامعلوم خط میں خفیہ نامہ و پیام کر لیے
رہتے تھے جس کو بعد میں پڑھوا لیا گیا۔ یہ دونوں ان مراسلات کے ذریعے سے
ایسی اہم اطلاعات ٹیپو سلطان کو بہم پہنچاتے رہے تھے جو کمپنی کی اغراض کے لئے مہلک
تھیں۔ اس سازش کی اصلیت نہایت ہی قابل اعتبار زبانی اور دستاویزی شہادتوں
سے گورنر جنرل و گورنر مدراس۔ مجلس انتظامیہ اور جماعت نگران کار پر ثابت
ہوگئی اور لارڈ ولزلی نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ دونوں باپ بیٹوں نے صرف معاہدے
کی خلاف ورزی ہی نہیں کی ہے بلکہ کمپنی کے دشمن قدیم کے ساتھ اغراض
پیدا کرنیکی کوشش کرکے اپنے تئیں کمپنی کے دشمنوں کی حیثیت میں ڈال دیا ہے
چنانچہ کمپنی پر جو پابندی معاہدہ عائد تھی وہ بھی ساقط سمجھی گئی اور یہ بھی طے
کر لیا گیا کہ اس خاندان کو کرناٹک کی حکومت سے محروم کر دیا جائے اور اُنکے
گزارے کے لئے ریاست کی آمدنی میں سے مناسب رقم اُنکو دیدی جایا کرے۔
لیکن جس وقت اس فیصلے پر عملدرآمد کرنیکا وقت آیا تو نواب کا دم واپسیں تھا
اس حالت میں اُن کے متبنیٰ بیٹے اور نامزد کئے ہوئے ولیعہد کو
یہ اطلاع دیدی گئی کہ اُنکے باپ اور دادا کی ٹیپو سلطان کے ساتھ معاندانہ سازش قابل
قبول شہادتوں سے ثابت ہو چکی ہے اسلئے اُنکے خاندان کے تمام حقوق فرمانروائی
ضبط کر لئے گئے ہیں۔ اسلئے اب اُن کی گدی نشینی کوئی استحقاق وراثت کی حیثیت نہیں
بلکہ گورنمنٹ کی شاہی عنایت کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ صرف اس شرط پر منظور
کی جاسکتی تھی کہ وہ صوبہ کرناٹک کو کمپنی کے حوالے کر دیں اور صرف اتنا حصہ
اپنے لئے رہنے دیں جو انکے خاندان اور انکے درباری اعزاز کو قائم رکھنے کے
لئے کافی ہو سکے۔ ولیعہد موصوف نے ان شرائط پر [illegible] قبول کرنیسے انکار کر دیا
اور اُسکی جگہ نواب مرحوم کے ایک ابن عم سنہ ۱۸۰۱ء میں گدی نشین کر دیے گئے

باب پنجم
فصل دوم
(صفحہ ۲۵۲)

ان نوابوں کو بھی محض وظیفہ خوار بنا دیا گیا ۔ کرناٹک کو خالصہ کرکے برطانوی صوبہ بنا دیا گیا ۔ سلطنت میسور نواب نظام الملک اور نواب کرناٹک اور راجہ تنجور سے جو علاقے ملے تھے آیا وہ سب مل کر احاطۂ مدراس سے موسوم کیا گیا تھا ۔ جسکی ترتیب قریب قریب مردم شماری کے اعتبار سے اس تمام پریزیڈنسی کی دو کرور بیس لاکھ آبادی میں سے ایک کرور اسی لاکھ آبادی اُن اضلاع کی ہے جنکا الحاق برطانوی مقبوضات کے ساتھ لارڈ ولزلی نے کیا تھا ۔

سفارت جانب ایران ۱۸۰۰ء

جس وقت زمان شاہ ہندوستان پر پیش قدمی کر رہا تھا اُسی زمانے میں لارڈ ولزلی نے ہندوستانی ارکان سے مرتب کرکے ایک سفارت شاہ ایران کے پاس اس غرض سے بھیجی کہ وہ شاہ کو اس امر کی ترغیب دے کہ زمان شاہ کی موروثی مملکت واقع وسط ایشیا پر حملہ کرنیکی دھمکی دے تاکہ زمان شاہ ہندوستان سے واپسی پر مجبور ہو جائے ۔ اس سفیر نے شاہ ایران کے سامنے یہ دلیل پیش کی کہ زمان شاہ سُنی بادشاہ ہے اور اُسنے ہمیشہ شیعوں کو بڑی اذیتیں پہنچائی ہیں جو فرمانروائے ایران کے ہم عقیدہ ہیں اسلیئے یہ خدمت خدا اور بندے کے نزدیک مقبول ہوگی کہ ایسے ظالم بادشاہ کی ہندوستان پر پیش قدمی کو روک دیا جائے ۔ بھولے شاہ ایران کے مذہبی جذبات پر اس ترغیب نے ایسا اثر کیا کہ اُسنے زمان شاہ کے بھائی احمد شاہ کو اس بات پر اکسایا کہ وہ زمان شاہ کی مملکت پر حملہ کر دے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ زمان شاہ کو گھبرا کر اٹک پار سے پھر لوٹ کر آنا پڑا ۔ اسکے بعد لارڈ ولزلی نے یہ عزم کیا کہ ایک زیادہ مستقل سفارت دربار اصفہان میں اس غرض سے بھیجے کہ وسط ایشیا میں برطانوی رسوخ قائم کیا جا سکے اور زمان شاہ کے ترک تاتار ازبک اور افغانی ٹڈی دل کی یورشوں سے جو وقتاً فوقتاً ہندوستان پر نازل ہوتی رہتی تھیں اُنکا قرار واقعی سدباب ہو سکے ۔ اس کارگزاری کے واسطے جو میر سفارت تجویز کیا گیا وہ کپتان مالکم تھا جو اس کام کے لیئے خاص طور سے اسلیئے موزوں تھا کہ اُسکو مشرقی زبانوں پر عبور تھا اور اہل مشرق

باب پنجم
فصل دوم

کے عادات اطوار اور اُنکی کمزوریوں سے واقف تھا اور بڑا معاملے کو سلجھانیوالا اور نہایت خوش مزاج تھا۔ اس سفارت کو ایسی شان سے آراستہ کیا گیا جو شرقی مطلع نظر کو بھی خیرہ کرنیوالی تھی اور جس سے یہ امید تھی کہ دربار ایران میں سلطنت برطانیہ کی عظمت وشوکت کا پورا پورا نقش جم جائیگا۔ لیکن جیسا کہ اس سفارت کے ایک ہندوستانی رکن نے پہلے سے کہدیا تھا کہ اس سفارت کا نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا تاہم یہ غرض ضرور حاصل ہوگئی کہ کچھ عرصے کے لیئے ایران میں برطانوی اثر قائم ہوگیا

مہم بحر قلزم ۱۸۰۱ء

لارڈ ولزلی ہندوستان کو ہرگز امن میں نہیں سمجھ سکتا تھا جبتک کہ ایک فرانسیسی فوج مصر پر قبضہ کیئے ہوئے تھی اور اُسنے وزارت انگلستان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ایک فوج انگلستان سے بھیجی جائے اور اُسکی امداد کے لیئے ایک فوج ہندوستان سے اس غرض سے بھیجی جائے کہ ترکی گورنمنٹ سے اتحاد عمل کرکے مصر سے فرانسیسی فوج کو نکال باہر کرے۔ بڑی تعویق کے بعد ضروری احکام محکمۂ وزارت سے وصول ہوئے اور چار ہزار یورپین سپاہ مع پانچ ہزار ہندوستانی رضاکاروں کے جنرل بیارڈ کی سرکردگی میں بحر قلزم کو بھیجی گئی جسکی روانگی کے وقت گورنر جنرل نے یہ جوش دلانیوالے الفاظ کہے کہ

(صفحہ ۲۵۳)

> سرنگاپٹم کے طوفان کے بعد میری قابلیت اور ہمت کا امتحان لینے والا کوئی اور جھونکا اس سے بڑھکر نہیں آسکتا تھا۔

یہ فوج بحر قلزم میں قصیر کے بندرگاہ پر اتری اور دریائے نیل تک ایکسو بیس میل چٹیل بے آب ریگستان طے کرنیکے بعد ۲۷ - اگست ۱۸۰۱ء کو اسنے بحر روم پر پڑاؤ کیا۔ لیکن اس فوج کی آمد کی اطلاع فرانسیسی سپہ سالار کو برابر پہنچتی رہتی تھی اور انگریزی محاصرہ کرنیوالی فوج کے سپہ سالار کی سرگرمیاں برابر بڑھتی جاتی تھیں اسلیئے اُسنے جنرل بیارڈ کی آمد سے پہلے ہی ہتھیار ڈالدیئے۔ ہندوستان کی تاریخ اولوالعزمانہ کارناموں سے بھری پڑی ہے لیکن اس سے زیادہ دل پر اثر کرنیوالا کوئی منظر نہیں ہو سکتا تھا کہ گنگا کنارے کے سپاہی فرعون کے ملک میں وہی راستہ طے کرکے جس پر جولیس سیزر چلا تھا اُن لوگوں سے لڑنے کو بڑھیں جو اُسی جولیس سیزر کے موجودہ نمونے یعنے نپولین کے آزمودہ کار

باب ششم فصل دوم

بحری آزمائش تجربہ –

صلحنامۂ ایمینس ۱۸۰۲ء

مصر میں فرانسیسی فوج کے ہتھیار ڈالدینے کے ایک مہینے کے اندر ہی انگلستان اور فرانس کے درمیان ابتدائی شرائط صلح پر انگلستان کے قائم مقام لارڈ کارنوالس سابق گورنر جنرل ہندوستان نے مقام ایمینس پر دستخط کر دیئے۔ اسکے بعد فوراً ہی مجلس انتظامیہ نے تاکیدی احکام یہ بھیجدیئے کہ کمپنی کے فوجی عملے میں تخفیف کر دی جائے مگر لارڈ ولزلی نے نہایت دور اندیشی سے اس حکم کی تعمیل کو ملتوی رکھا۔ صلحنامۂ ایمینس کی تصدیق ہو ہی چکی تھی کہ بونا پارٹ نے ایک زبردست بحری مہم پانڈیچری بھیجی پانڈیچری شرائط صلح کے مطابق فرانسیسیوں کو واپس ملگیا تھا اسمیں چھ جنگی جہاز تھے۔ ایک زبردست فوجی افسروں کا عملہ تھا چودہ سو یورپین سپاہی تھے اس بحری مہم کی سرکردگی ایم لیجیر کے سپرد کی گئی تھی جسکو فرانسیسی مقبوضات واقع مشرق راس امید کے سپہ سالار کل کا خطاب دیا گیا تھا۔ اسکے بعد ہی ایک دوسری بحری مہم اتنی ہی زبردست اور آنیوالی تھی۔ تین سال تک برابر لارڈ ولزلی کو یہ غایت مد نظر رہی تھی کہ کسی طرح تمام ہندوستان سے بھی فرانسیسی اثر کا ایسے ہی استیصال کامل کر دے جیسے اُسنے دکن سے کر دیا تھا اسلیئے وہ ساحل کورومنڈل پر ایک زبردست فرانسیسی نوآبادی کو پھر قائم ہوتے ہوئے بلا تشویش کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسکو یہ صاف نظر آرہا تھا کہ اب تک انگریزی گورنمنٹ کے جتنے تعلقات ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ قائم ہو چکے ہیں وہ سب متزلزل ہو جائینگے اور ابھی جو سخت جنگ ہو چکی ہے اُس سے سخت تر جنگ کا بیج ہندوستان میں بو دیا جائیگا جو ہمیشہ انقلاب کی صورت میں بار آور ہوا کریگا۔ اگرچہ پانڈیچری کو واپس کر دینے کے احکام کی تجدید محکمۂ وزارت سے بھی وصول ہو گئی مگر لارڈ ولزلی نے بے نظیر دیدہ دلیری سے کام لیکر لارڈ کلائیو گورنر مدراس کو یہ ہدایت کی کہ وہ فرانسیسی امیر البحر کو اطلاع دیدے کہ گورنر جنرل نے پانڈیچری کی واپسی کے معاملے کو اُس وقت تک کے لیئے ملتوی کر دیا ہے جب تک کہ گورنر جنرل اس معاملے میں محکمۂ وزارت سے مزید خط و کتابت نہ کرے۔ اس اطلاع پر فرانسیسی بیڑہ جزیرہ مارشیس کو چلا گیا اور یورپ میں پھر مخاصمتوں کے شروع ہو جاتے وقت ہندوستان

(صفحہ ۲۵۴)

اُس خطرے سے محفوظ رہا جسکا لازمی طور سے اُسکو ایسی حالت میں سامنا کرنا پڑتا کہ میعاد صلح سے فائدہ اُٹھاکر بوناپارٹ اپنے تمام منصوبے ممالک شرق میں پختہ کر لیتا۔

نواب اودھ سے مطالبہ

زماں شاہ کے دریائے اٹک تک پہنچ جانے پر لارڈ ولزلی خوب سمجھ گیا تھا کہ اُسکی غارتگری کا پہلا شکار مملکت اودھ ہوگی چنانچہ اُسنے اودھ کی حمایتی فوج کے سپہ سالار سر جیمس کریگ کو فوری صیغے میں مراسلہ بھیجکر اس موضوع پر اُسکی رائے طلب کی تھی۔ سر جیمس موصوف نے یہ جواب دیا تھا کہ جو جم غفیر نواب نے رکھ چھوڑا ہے وہ غیروں کے مقابلے میں صرف ننگ سپہگری ہی نہیں ہے بلکہ حقیقتاً اپنے ہی ملک کے لئے مخدوش ہے۔ اور اگر حمایتی فوج کو زمان شاہ کے مقابلے میں میدان سنبھالنے کا حکم ہوگا تو سپہ سالار مذکور نواب کی فوج کو بے خوف ہوکر اندرون ملک میں نہیں چھوڑ سکیگا۔ مجلس انتظامیہ یہ مراسلہ بھیج چکی تھی کہ تیرہ ہزار انگریزی فوج جو اودھ کی حمایت کے لئے رکھی گئی ہے ہرگز اس ملک کی حفاظت کی طاقت نہیں رکھتی خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ سندھیا نے اپنی تیس ہزار سے زائد قواعددان فوج یورپین افسروں کی سرکردگی میں اودھ کی سرحد کے قریب لاکر ڈال رکھی ہے اور یہ راہ دیکھ رہا ہے کہ کب موقع ملے اور کب اودھ کے زرخیز اضلاع پر جھپٹ پڑے۔ اس وقت تک جو معاہدہ ہوا تھا اسکی رو سے چھہتر لاکھ روپیہ بطور نقلبندی کے انگریزی حمایتی فوج کے لیئے دیا جاتا تھا اور یہ شرط تھی کہ حسب ضرورت اس میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت سنہ ۱۸۰۰ء میں لارڈ ولزلی نے شاہ اودھ پر یہ ناگزیر ضرورت ظاہر کی کہ اپنی غیر قواعدداں فوج کو بالکل توڑ دے اور اس سے جو پچاس لاکھ سالانہ کی بچت ہوتی ہے وہ رقم بھی ایک زبردست انگریزی حمایتی فوج کی کفالت میں صرف کرے۔

نواب کے ساتھ مباحثہ

اس اصلاح پر عمل درآمد ہو جانے سے اودھ کی فوجی قوت بالکل کمپنی کے ہاتھوں میں آجاتی۔ نواب نے اس پر عمل درآمد کرنے سے قطعی بیزاری ظاہر کی اور یہاں تک آمادہ ہوگیا کہ تخت کو چھوڑ کر اپنا ذاتی زر و جواہر لیکر گوشۂ عافیت میں بیٹھ جائیگا اور اپنے بیٹے کو ملک سپرد کر دیگا۔ لارڈ ولزلی نے اسکا یہ جواب دیدیا کہ اُسکو تخت سے دستبرداری کی

اجازت اس شرط پر دیدی جائیگی کہ وہ مملکت برطانیہ میں کسی جگہ قیام پذیر ہو جائے اور مملکت کو ہمیشہ کے لیئے کمپنی کے سپرد کر دے مگر پھر بھی اُسے زر و جواہر اپنے ساتھ لیجانیکی اجازت نہیں دی جائیگی۔ اسپر نواب نے فوراً اپنی دستبرداری کو واپس لے لیا اور لارڈ ولزلی نے اُسکے عدم خلوص اور ظاہرداری پر نہایت نفرت کا اظہار کیا اور اُسپر ایک ایسی تجویز پیش کرنیکا الزام لگایا جو سرے ہی سے فریب دہی پر مبنی تھی اور صرف اس غرض سے کی گئی تھی کہ اُسکے فوجی عملے میں اُس اصلاح کا عمل درآمد نہ کیا جاسکے جسکی بے انتہا ضرورت تھی۔ کئی انگریزی رجمنٹوں کو اودھ کے علاقے میں کوچ کرنیکا حکم دیا گیا اور نواب وزیر کو ہدایت کی گئی کہ اُنکی رسدرسانی کا انتظام کرے۔ اسپر نواب وزیر نے نہایت لجاجت کے ساتھ احتجاج کیا مگر لارڈ ولزلی نے اُسکے تمام مراسلات یہ لکھکر واپس کر دیئے کہ الفاظ طرز خطاب ہندوستان کے سب سے بڑے برطانوی حاکم کی شان کے خلاف ہے۔

مسٹر ہنری ولزلی کا وفد ۱۸۰۱ء

معاملات نے نہایت پریشان کن صورت اختیار کرنی شروع کر دی۔ وزیر کی طرف سے برابر ایک انفعالی مقاومت کا اظہار ہوتا رہا اور لارڈ ولزلی کے تمام مراسلات سے ہر لحظہ بڑھتی ہوئی نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔ لیکن لارڈ ولزلی یہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ نوبت نہ آئے کہ زبردستی الحاق اضلاع کیا جائے چنانچہ اُسنے اپنے بھائی اور پرائیویٹ سکرٹری مسٹر ہنری ولزلی کو جو بعد میں لارڈ کاؤلے ہو گیا تھا امیر وفد بنا کر نواب وزیر کی ضد توڑنیکی ترکیب کرنیکے لیئے بھیجا۔ لیکن نواب ذرہ برابر اپنی جگہ سے نہیں سرکا اور اُسنے صاف لفظوں میں یہ کہدیا کہ اگر گورنر جنرل نے اودھ کا الحاق کر لیا تو ہندوستان کو ایک بڑی ہندوستانی بادشاہت سے محروم کرنیکا بدنما داغ ہمیشہ کے لیئے گورنر جنرل کے ناصیۂ نیکنامی پر قائم ہو جائیگا۔

نواب وزیر کے ساتھ نیا معاہدہ ۱۸۰۱ء

آخر کار رزیڈنٹ لکھنؤ کے ایک استادانہ ہتکنڈے سے تمام قضیہ ایکدم میں طے ہو گیا یعنے جو اضلاع حمایتی فوج کی نعلبندی کے لیئے پہلے معاہدے کے مطابق کاٹے گئے تھے رزیڈنٹ نے اُنکے اہلکاروں کو یہ حکم دیا کہ وہ ان اضلاع کی تمام آمدنی کمپنی کے

خزانے میں داخل کریں اور جتنے متعلقین ہیں وہ سب کمپنی بہادر کو اپنا حاکم سمجھیں۔ اس ترکیب سے نواب بالکل بے بس ہو گیا کیونکہ اس توڑ جوڑ کے مقابلے میں جیت جانیکا ڈھب اُسکی سمجھ میں نہ آسکا اور ۱۲۔ نومبر ۱۸۰۱ء کو مجبور ہو کر اُسنے ایک ایسے معاہدے پر دستخط کر دیئے جسکی رو سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ سالانہ آمدنی کے اضلاع پر علی الدوام کمپنی کی حکومت تسلیم کرنی پڑی۔ اس معاہدے کے ذریعہ سے خود نواب کے اور کمپنی کے مقبوضات کے لیئے جو سلامتی میسر آگئی اُسپر کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک برطانوی فوج جو ملک کی حفاظت کرنیکے لیئے نہایت کافی تھی نواب کی اُس نامعقول فوج کے عوض رکھی گئی جو خود اپنے آقاؤں کے لیئے بمقابلہ اُسکے دشمنوں کے زیادہ خطرے کا باعث تھی۔ اسکے ساتھ ہی ادھر کمپنی کے مقبوضات میں نہایت قیمتی اضافہ ہو گیا اُدھر الحاق شدہ اضلاع کی کثیر رعایا دوزسکے جور و ظلم سے نجات پا گئی۔ لیکن لارڈ ولزلی کے عہد حکومت کے تمام داد وستد میں یہ علاقوں کا استحصال بالجبر نہایت ہی قابل ملامت قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ہمکو اسکی کوئی توجیہ کرنی ہے تو ہمکو اُس وقت کی ملک کی حالت پر ایک نظر ڈالنی چاہیئے۔ اودھ کا تخت اب تک صرف برطانوی سنگینوں پر قائم رہا تھا اور اگر یہ سنگینیں ہٹالی جاتیں تو حکمراں خاندان بارہ مہینے کے اندر کبھی کا فنا ہو چکا ہوتا۔ مرہٹوں کے حملوں کی ہر وقت کی دھمکیوں کے مقابلے میں یہ ناگزیر تھا کہ اودھ میں ایک جرار سپاہ حفاظت کے لیئے رکھی جائے لیکن کمپنی کے لیئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ایسی زبردست سپاہ کی کفالت ملک کی صرف ایک ثلث آمدنی سے کر سکے۔ جو اضلاع اس طرح شاہ اودھ نے کمپنی کے حوالے کیئے تھے اُنکا بندوبست کمپنی کے ملازمان ملکی کی ایک پوری جماعت کے سپرد کیا گیا جسکا صدر مسٹر ہنری ولزلی کو بنایا گیا۔ اس جماعت کے ارکان کو کوئی بھتہ اس مزید خدمت کا نہیں ملتا تھا۔ یہ بندوبست ایک سال میں ختم ہو گیا۔ مگر مجلس انتظامیہ نے فوراً ہی ان عارضی تقررات کو اسطرح بلا معاوضہ مذموم قرار دیدیا تھا اور یہ کہدیا تھا کہ یہ ملازمان ملکی کے حقوق کی پائمالی کے برابر ہے۔ اور ایک مراسلے کا مسودہ بھی تیار کر لیا تھا جس میں مسٹر ہنری ولزلی کی برخاستگی کا بھی تاکیدی حکم تھا۔ لیکن جماعت نگراں کار کے صدر نے اس حکم کو قلمزد کر دیا اور اس بات پر بیشک اظہار پسندیدگی

(صفحہ ۲۵۶)

گیا کہ شرائط معاہدہ نہایت عمدہ ہیں جنکی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ملازمان ملکی کی تعداد میں تیس نئی آسامیوں کا اضافہ ہوجاتا ہے ؛

فورٹ ولیم کا مدرسۃ العلوم سنہ ۱۸۰۰ء

لارڈ ولزلی بھی سوء اتفاق سے لارڈ کارنوالس کی اُس غلط حکمت عملی کا قائل تھا اور اسی پر کاربند تھا کہ ہندوستانیوں کو ملک کی حکومت میں حصہ لینے سے بالکل بیدخل کردیا جائے اور تمام نظم حکومت کو کمپنی کے اُنھیں ملازموں کے ذریعے سے چلایا جائے جو حلفیہ اقرار نامے دا خل کرچکے تھے۔ لارڈ ولزلی نے معقول تعلیم دیکر کمپنی کے ملازموں کو ملکی ملازمت کے قابل بنانیکا بھی عزم کیا۔ ملکی ملازمان کا تمام گروہ دراصل ایک تجارتی عملہ تھا اور ہندوستان کے ساتھ بجائے ایک سلطنت کے ایک تجارتگاہ کا سا برتاؤ کیا جاتا رہا تھا۔ کمپنی کے ملازم سو سال سے برابر کھاتہ نویس۔ گماشتے اور پھر چھوٹے منیب اور بڑے منیب کے مدارج پر ترقی کرتے چلے آتے تھے اور اگرچہ اُنہیں سے بعض کو مجسٹریٹ۔ جج وزیر سلطنت اور سفیر تک کے فرائض انجام دینے پڑتے تھے لیکن جس وقت وہ انگلستان سے کمپنی کی ملازمت میں داخل ہو کر چلنے لگتے تھے تو صرف اتنی قابلیت کافی سمجھی جاتی تھی کہ اُنھیں محکمۂ حسابات کے گر آتے ہوں اور کھتونی اور روزنامچہ لکھنا صلیاتی جانتے ہوں۔ اس معیار کا کوئی خیال نہیں تھا کہ اُنکو ملک کے نظام و قانون ملکیوں کی زبان سے بھی واقفیت ہے یا نہیں۔ لارڈ ولزلی نے اس نمایاں بدعنوانی کو رفع کرنیکا عزم کرکے کلکتے میں ایک کالج قائم کرنا چاہا جسمیں یورپ والوں کی تعلیم کی تکمیل کی جاسکے اور کمپنی کے ملازمین قانون علم ادب اور دیسی زبانوں کی تحصیل کرسکیں۔ لارڈ ولزلی کی تمام تجویزوں کی طرح اس تعلیمگاہ کے قیام کے انتظامات بہت بڑے پیمانے پر شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ کیے گئے۔ اور پھر لطف یہ کہ پورا کالج بنا کر کھڑا کردیا گیا اور مجلس انتظامیہ کی منظوری تک بھی حاصل نہیں کیگئی چنانچہ خبر ہوتے ہی وہاں سے تاکیدی احکام اسکو فوراً توڑ دینے کے وصول ہوگئے۔ لارڈ ولزلی کو اپنے ایک نہایت عزیز منصوبے کے اس طرح خاک میں مل جانیسے انتہا سے زیادہ قلق ہوا کیونکہ اس سے تمام ہندوستان میں اُسکی تحقیر ہوتی تھی اور اُسنے محکمہ

وزارت میں اپنے دوستوں سے ایسے الفاظ میں اپیل کی جن سے اُسکے دلی جذبات کا پتہ چلتا تھا اور اُسنے اُسنے التجا کی کہ اس کام کی چیز کو تباہ ہونیسے بچائیں جسکو وہ نہایت قابل قدر سمجھتا تھا بلکہ جسپر اُسکو تسخیر ٹیپو سے بھی زیادہ ناز تھا۔ مجلس انتظامیہ سے حکم وصول ہونے پر اُسنے اُس ایک تجویز اس کالج کو توڑ دینے کی منظور کی جسکے آخر میں یہ دل جلے الفاظ تھے کہ صرف مجلس انتظامیہ کے تحکمانہ اختیارات کے سامنے سر تسلیم خم کرنیکی خاطر ایسا کرنا ضروری ہے۔ مگر ایک دوسری تجویز میں اُسنے یہ منظوری دی کہ کالج کو بتدریج اٹھارہ مہینے میں توڑ دیا جائے۔ اور اس اثناء میں جماعت نگران کار کے دباؤ سے مجلس انتظامیہ اس کالج کو جاری رکھنے پر ایک تخفیف شدہ صورت کے ساتھ رضامند ہو گئی تھی۔ (صفحہ ۲۵۷)

شخصی تجارتیں

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ۱۷۹۳ء میں تجدید اجازت نامے کے وقت سوداگروں اور کاریگروں کے شور و شغب کو بند کرنیکے لئے وزارت نے مجلس انتظامیہ کو اس بات پر مجبور کیا تھا کہ شخصی تاجروں کو بھی تین ہزار ٹن اسباب تجارت لانے دینا منظور کرے۔ لیکن یہ رعایت ملک کی مانگ کے واسطے کافی نہیں ثابت ہوئی۔ فی الحقیقت ہندوستان کی تجارت اجارے کے حدود سے باہر نکلی پڑتی تھی کیونکہ یہ اجارہ داری چاہے انگریزوں کے ہندوستان کے ساتھ ابتدائی تعلقات میں کتنی ہی مفید ثابت ہوئی ہو مگر اس روزافزوں ترقی کے زمانے میں کسی طرح موزوں نہیں تھی۔ کلکتے کی تجارت نہایت سرعت سے پھیلتی جارہی تھی اور یورپ کی منڈیوں میں انگریزی سرمائے سے خریدا ہوا کلکتے کا مال تجارت غیر قوموں کے جہازوں کے ذریعے سے روز بروز اپنی جگہ زبردستی نکالتا جاتا تھا۔ ۱۷۹۸ء میں اس قسم کا تجارتی مال جو امریکہ۔ پرتگال۔ اور ڈنمارک کے جھنڈے اُڑانیوالے جہازوں کے ذریعے سے آیا اُسکی مجموعی مالیت ڈیڑھ کرور روپیہ تھی۔

جہازسازی نے گزشتہ دس سال کے اندر کلکتے میں نہایت ترقی کر لی تھی اور لارڈ ولزلی نے اپنی آمد کے وقت بندرگاہ میں دس ہزار ٹن وزن کے جہازوں کا

باب پنجم
فصل دوم

تیار ہو کر انگلستان آئے تھے بذریعہ یہ روانے کیے شخصی تاجروں کے استعمال کے لئے دیدیا۔ اس موضوع پر جو مراسلہ اُسنے مجلس انتظامیہ کو بھیجا تھا اُسمیں اُسنے یہ لکھا تھا کہ شخصی تاجروں کو ایسی آسانیاں بہم پہنچانا جو کمپنی کے اغراض و مفاد کو صدمہ پہنچانیوالی ہوں بیشک تقاضائے انصاف و تدبر کے خلاف ہے لیکن بصورت موجودہ جو تجارتی مراعات شخصی تاجروں کو دیگئی ہیں وہ صرف ایسی اشیا سے متعلق ہیں جنکی تجارت میں کبھی کمپنی کا روپیہ نہیں لگایا جاتا۔ مسٹر ڈنڈاس جو تجارت کے متعلق لارڈ ولزلی کی طرح آزاد خیالات رکھتا تھا خود بھی اس فکر میں تھا کہ ہندوستان کی گورنمنٹ کو یہ اختیار دیدے کہ وہ ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں کو اس کام میں لانیکی اجازت دیدے کہ اُن پر وہ مال لایا جاسکے جو کمپنی کے سرمائے کے حساب خریدوفروخت سے باہر ہے۔ لیکن انڈیا ہاؤس میں داخل در معقولات کرنیوالوں کا خطرہ اب بھی ہمیشہ کی طرح ہی سخت تھا اسلئے باوجودیکہ تجارت کا اوپرا و پر کا تارہ اب بھی کمپنی کے قبضے میں رہتا تھا مگر مجلس انتظامیہ دوسروں کو تلچھٹ بھی لینے کی اجازت نہیں دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ لارڈ ولزلی کی کارروائی کو سختی کے ساتھ ناپسند کیا گیا۔ لیڈن ہال سٹریٹ نے گویا اُسکا حقہ پانی ہی بند کردیا اور مجلس انتظامیہ کے ارکان کی طرف سے جو برتاؤ اُسکے عہد حکومت کے آخری تین سال کے اندر اُسکے ساتھ ہوتا رہا وہ کسی طرح اُس بدسلوکی سے کم نہیں تھا جس نے وارن ہیسٹنگز کی زندگی کے آخری دن تلخ کردیئے تھے۔ وزیر کی فہمائش کی کچھ پروا نکر کے مجلس انتظامیہ نے لارڈ ولزلی کی تجارتی حکمت عملی پر اظہار نفرین کی تجویز بالاتفاق منظور کر ہی دی۔

(صفحہ ۲۵)

لارڈ ولزلی کا استعفا ۱۸۰۲ء

اودھ کے انتظامات کی تکمیل ہوتے ہی لارڈ ولزلی نے اپنا استعفا پیش کردیا اور اس استعفے کی وجہ اپنے عزت پناہ مالکوں پر سوائے اسکے کچھ نہ ظاہر کی کہ اب سلطنت کے پورے استحکام اور ترقی کے تمام منصوبے تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ مگر وزارت آب نام کے مراسلے میں اُسنے اپنے دل کا حال لکھدیا تھا کہ اس استعفے کی اصل وجہ مجلس انتظامیہ کی روز افزوں مخالفت اور اُنکے اعتماد کا گورنر جنرل پر سے بالکل ساقط ہو جانا تھا۔ مجلس موصوفہ نے فوجی عملے کی تخفیف کے تاکیدی احکام بھیجے تھے مگر لارڈ ولزلی

کی رائے میں موجودہ صورتِ حالات کے لحاظ سے سلطنت کے قیام و استحکام کے لئے فوجی عملے کو پوری طاقت و شان کے ساتھ قائم رکھنا ضروری تھا۔ مجلسِ انتظامیہ نے اختتامِ جنگ پر وہ تمام وظائف یکقلم منسوخ کر دئیے تھے جنکا جاری رکھنا لارڈ ولزلی مناسب سمجھتا تھا۔ اور مجلسِ موصوفہ نے خاص طور سے اظہارِ ملامت و تخفیف کے لئے اُس بھتے کو انتخاب کیا تھا جو مدراس گورنمنٹ نے اُسکے بھائی جنرل ولزلی کو اُسکی میسور کی سپہ سالاری کی اہم خدمات انجام دینے کے اخراجات کے لئے دینا منظور کیا تھا۔ لارڈ ولزلی اس تخفیف کو اپنی ذات پر ایک رکیک ترین حملہ سمجھتا تھا جس سے زیادہ ذلت اُسکو نہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔ مجلسِ انتظامیہ نے گورنر جنرل بہ اجلاسِ کونسل سے دوسرے چھوٹے احاطوں پر حکم چلانیکے اختیارات سلب کر لئے تھے چاہے ان احاطوں کی گورنمنٹیں خود مجلسِ موصوفہ کے احکام ہی کی خلاف ورزی کیوں نہ کر گزریں یعنے اعلیٰ حکومت کو جو اختیارات ادنیٰ حکومتوں پر حاصل تھے اس ضابطے کو ہی مجلسِ انتظامیہ نے الٹ دیا تھا مجلسِ انتظامیہ نے بالقصد اُن نہایت قابل اور تجربہ کار افسروں کو علحدہ کر دیا تھا جنکو گورنر جنرل کا پورا اعتماد حاصل تھا اور اُنکی جگہ اپنے آوردے ایسے ٹھونس دیئے تھے جو کسی طرح اُن عہدوں کے اہل نہیں تھے۔

لارڈ ولزلی نے اس تمام طرزِ عمل کے خلاف نہایت زور و شور کے ساتھ احتجاج کیا تھا۔ اُسنے اپنے مراسلے کو ان زوردار الفاظ پر ختم کیا تھا۔

> "اگر ہندوستان کی گورنمنٹ کے کام میں اس طرح ہر ماتحت محکمہ رکاوٹیں ڈالے۔ اگر اُسکو تمام مقامی اقتدار سے اس طرح محروم کر دیا جائے اگر اس طرح ہر ملازم سرکاری کی نامزدگی کے لئے مقامی خصوصیات کی تفصیل کی ایک دور بیٹھی ہوئی طاقت تردید کرتی رہے تو ایسی ذلت آمیز پابندیوں کے ساتھ نظمِ حکومت کا چلانا ناممکن ہوگا۔"

لارڈ کاسل ریو صدرِ جماعتِ نگران کار دل سے یہ چاہتا تھا کہ لارڈ ولزلی کی خدمات کو ابھی ہاتھ سے نہ دیا جائے اور اُسنے لارڈ ولزلی کا یہ مراسلہ انڈیا ہاؤس کے صدر کے ہاتھ میں دیدیا۔ انڈیا ہاؤس کے صدر نے نہایت صفائی کے ساتھ

باب پنجم

(صفحہ ۲۵۹)

وہ بے اطمینانی اور بدگمانی کی صورتیں بیان کیں جو لارڈ ولزلی کی بعض کارروائیوں سے کمپنی کی مجلس انتظامیہ کے پاس موجود تھیں جنمیں مسٹر ہنری ولزلی کا تقرر بالخصوص بدگمانی پیدا کرنیوالا تھا۔ اُسنے کہا کہ لارڈ ولزلی نے کمپنی کو دو باتوں میں صدمہ پہنچایا اور یہ دونوں باتیں وہ تھیں جنکا کمپنی کو سب سے زیادہ خیال تھا یعنے ایک اُن کے اجارے کا معاملہ دوسرے اُنکے ملازم نامزد کرنیکا معاملہ۔ مگر ساتھ ہی اسکے لارڈ کاسل ریو کو یہ بھی یقین دلایا گیا کہ مجلس انتظامیہ کے دل سے وہ اعلیٰ خدمات اُتر نہیں گئیں ہیں جو لارڈ ولزلی نے انجام دی ہیں اور مجلس موصوفہ لارڈ موصوف سے استدعا کریگی کہ وہ جنوری ۱۸۰۳ء تک اپنی دست برداری کو اور ملتوی رکھے۔ یہ تجویز کرتے وقت مجلس انتظامیہ کے فرشتوں کو بھی یہ خبر نہیں تھی کہ اس تجویز کا کیا مہتم بالشان نتیجہ نکل آئیگا۔ کون جانتا تھا کہ اس تاریخ سے پہلے مرہٹہ قوت گرد برد ہو جائیگی اور ہندوستان کا نقشہ ہی بالکل بدل جائیگا ؎

فصل سوم

لارڈ ولزلی اور مرہٹوں کے معاملات معاہدۂ بسین۔ سندھیا اور ناگپور سے جنگبازی

نانا فرنویس کی وفات ۱۸۰۰ء

سلطنت میسور کے فنا ہو جانیسے اور ریاست حیدرآباد کیطرف سے اطمینان حاصل ہو جانے سے برطانوی گورنمنٹ کا کوئی اور ہمچشم سوائے مرہٹوں کے باقی نہیں رہا چنانچہ اب یہ دونوں ہمچشم دولتیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ لارڈ ولزلی نے ۱۷۹۹ء میں پیشوا کے سامنے حمایتی معاہدے کی ایک تجویز پیش کی تھی مگر اسکو نانا فرنویس نے منظور نہونے دیا۔ اس تجویز کی منظوری سے برطانوی اقتدار مرہٹوں میں رفتہ رفتہ اپنا اثر دکھاتا۔ اس زبردست مدبر کی زندگی جسمیں طرح طرح کے انقلاب ہوئے تھے مارچ ۱۸۰۰ء میں خاتمہ کو پہنچ گئی۔ چوتھائی صدی سے زائد عرصے تک یہ شخص مرہٹہ برادری کی ہر تحریک کا منبع و مخرج رہا تھا اور اس تمام برادری کے ڈھیر کو اُسنے اپنی زبردست شخصیت اور عاقلانہ معاملہ فہمی سے اور اپنی انسانیت حقیقت پسندی اور نیک نیتی سے برابر اعتدال اور قاعدے کی پابندی کے

ساتھ قائم رکھا۔ اور ایسی صفات اس میں تھیں جو اُسکے دوسرے ہموطنوں میں بہت کم پائی جاتی تھیں۔ برٹش رزیڈنٹ پونا نے سچ لکھا کہ "نانا فرنویس کے ساتھ ہی پونا گورنمنٹ کی تمام معاملہ فہمی اور اعتدال پسندی بھی رخصت ہوگئی"۔ نانا فرنویس کی وفات سے سندھیا کا دربار پونا میں کوئی مدمقابل باقی نہیں رہا جہاں اب اُسنے پورا قابو حاصل کرلیا اور یہاں تک کہ خود پیشوا کو اُسوقت خوشی سی ہونے لگی جب اُسنے سندھیا کے ہم چشم ہلکر کے اقتدار کو بھی عروج پاتے ہوئے دیکھا؛

ہلکر خاندان

ملہار راؤ ہلکر نے ایک معمولی چرواہے کی حیثیت سے ترقی کرکے ایک رئیس کے رتبے تک عروج حاصل کیا تھا اور پانچ زبردست مرہٹہ بادشاہوں میں سے ایک کی بنیاد قائم کی تھی۔ اُسکا انتقال چالیس سال کی شاندار زندگی کے بعد چھہتر سال کی عمر میں ہوا۔ اُسکا اکلوتا بیٹا بھی ایک بیوہ اہلیہ بائی اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوگیا۔ یہ لڑکا بھی ۱۷۶۶ء میں انتقال کرگیا اور اُسکی ماں اہلیہ بائی نے جو غیر معمولی جوہر مردانگی قابلیت رکھتی تھی اپنے سرداروں کی اس نصیحت پر عمل کرنے سے انکار کردیا کہ کسی وارث کو متبنی کرکے خود گوشہ نشین ہوجائے۔ اہلیہ بائی نے انصرام حکومت کو (صفحہ ۲۶۰) اپنے ہاتھ میں لینے کا عزم کرلیا اور ایک شخص مسمی تکوجی ہلکر کو فوج کا سپہ سالار مقرر کردیا یہ شخص اگرچہ اُسکا کوئی رشتہ دار نہیں تھا مگر اُسی گوت کا تھا۔ اس طرح فوجی قوت کے ایک ممتاز سردار کے سپرد ہوجانے سے اور ملکی حکومت کے ایک عورت کے ہاتھ میں رہنے سے جو مخدوش صورت معاملات پیدا ہوگئی تھی اُسکا انصرام تیس سال تک محض اہلیہ بائی کی لاثانی قابلیت حکمرانی اور تکوجی کی بے نظیر اعتدال پسندی سے بلا رخنہ چلتا رہا۔ اہلیہ بائی روزانہ دربار میں نشست کرتی تھی اور رعایا برایا کو بلا تفاوت اپنے حضور میں طلب کرتی تھی اور بنفس نفیس مقدمات و معاملات کے فیصلے صادر فرماتی تھی۔ اُسنے تجارت و زراعت کو ترقی دیکر اپنے ملک کی مرفہ الحالی کی خاطر اپنے تئیں ہمہ تن مصروف کردیا اور اندور کو ایک معمولی گاؤں کی حیثیت سے ایک بڑے دار الحکومت کے درجے تک ترقی دیدی۔ اُسنے بیرونی رئیسوں کی نظروں میں اپنی زبردست اور شاندار شخصیت کے ذریعے سے وقعت و احترام حاصل کیا

باب نہم
فصل دوم

اور ایک ایسے زمانے میں بھی اپنی مملکت کا امن قائم رکھ سکی جبکہ عالمگیر تشدد و ظلم کا دور دورہ تھا۔ وہ نہایت پاکباز اور نہایت قابل تقلید حکمراں تھی اور اُسکے متبرک نام سے اُن ہندوستانی عورتوں کی شاندار فہرست میں ایک نام کا اور اضافہ ہو جاتا ہے جنکی قابلیتوں اور پاکبازیوں سے ہندوستانی تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔

جسونت راؤ کی ابتدائی نقل و حرکت

اہلیہ بائی نے ۱۷۹۵ء میں وفات پائی اور اُسکے دو سال بعد ہی تکوجی بھی راہئیے ملک عدم ہوا اور اُسکے بعد ہی وہ طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا جو بئیس سال تک ایک عاجلیت پر قائم رہا۔ تکوجی کے بیٹے ملہار راؤ نے فوج کی سپہ سالاری اور ملک کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی مگر اسپر سندھیا نے حملہ کرکے اُسے قتل کر ڈالا اور اسطرح اپنے ہمچشم حکمران خاندان کو پوری طرح نیچا دکھا دیا۔ تکوجی کا ایک ناجائز بیٹا جسونت راؤ میدان جنگ سے بھاگ کر ناگپور پہنچا مگر بھونسلا راجہ نے سندھیا سے نہ بگاڑنیکی خاطر جسونت راؤ کو قید کر لیا۔ کسی نہ کسی طرح جسونت راؤ اُس قید سے نکل کر بھاگا اور سیدھا دھار آیا مگر یہاں بھی اُسی مخاصمانہ اثر کے آثار نظر آئے اور یہاں سے بھی وہ اپنے سات سوار اور بیس مصیبت زدہ نیم مسلح پیادوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اب اُسنے اپنی قسمت اپنی تلوار کے سپرد کر دینے کا عزم بالجزم کر لیا اور اپنے تئیں اپنے بھتیجے یعنے ملہار راؤ متوفی کے بیٹے کا علانیہ معین و مددگار ظاہر کرکے خاندان ہلکر کے تمام جاں نثاروں کے لئے صلائے عام دی کہ اُسکے جھنڈے کے تلے جمع ہوکر سندھیا سے حق تلفیوں کا انتقام لیں۔ اور جتنے لیٹرے اُس وقت سنٹرل انڈیا میں مور و ملخ کی طرح پھرتے پڑے اُٹھے وہ سب جسونت راؤ کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے ؎

امیر خاں

چندہی روز میں جسونت راؤ کی شرکت امیر خاں نے بھی اختیار کر لی جو ایک پچیس سال کا حوصلہ مند روہیلہ تھا۔ امیر خاں کے ساتھ ہی غارتگر سواروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد آگئی اور جسونت راؤ اور امیر خاں نے مل کر اضلاع نربدا کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور اٹھارا مہینے تک یہ قتل و غارت کا سلسلہ جاری رکھا لیکن جبکہ میدان غارت گری

(صفحہ ۲۶۱)

بالکل خالی ہوگیا تو دونوں علیحدہ ہوگئے امیرخاں جانب مشرق روانہ ہوکر شہر ساگر پہنچا اور یہاں کے باشندوں پر اُسنے طرح طرح کا جبر و تشدد کیا اور بے اندازہ مال غنیمت حاصل کیا۔ اس سے زیادہ اُس زمانے کی ہندوستانی رعایا کی مصیبت اور کس مپرسی کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ جسونت راؤ نے محض قتل و غارت کی اُمیدیں دلاکر دو سال کے عرصے کے اندر اپنے جھنڈے کے تلے ستر ہزار پنڈارے۔ بھیل۔ افغان۔ اور مرہٹہ فوجیں اکٹھی کرلیں۔ اس سپاہ کے ساتھ ہلکر نے مالوے پر پیشقدمی کی اور جب تک سندھیا اس ملک کی حفاظت کے لیئے پونا سے آئے آئے کہ آدھے ملک کا صفایا ہوچکا تھا جسونت راؤ کو مالوے سے نکال باہر کرنیکے لیئے سندھیا نے ۱۸۰۱ء میں فوج کے دو دستے روانہ کیئے جنمیں سے ایک باوجودیکہ یورپین افسروں کی ماتحتی میں تھا ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگیا اور دوسرے پر بھی ہلکر کی طرف سے ایسی شدت کے ساتھ حملہ کیا گیا کہ اُسکے گیارہ یورپین افسروں میں سے سات مارے گئے اور تین سخت زخمی ہوگئے سندھیا کا مالوے کا دارالحکومت اُجین بھی بے باکانہ غارتگری سے صرف پندرہ لاکھ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کرکے بچ سکا۔ پونے میں جب باجی راؤ کے سر سے سندھیا کا دباؤ اُٹھ گیا تو اُسنے اپنے جاگیرداروں پر جبر و سختیاں اور اپنی رعایا پر سفاکیاں کرنی شروع کردیں جسکی وجہ سے مطلق العنان قانون شکنوں کے بہت جتھے بنگئے اور اُنھی میں سے ایک جتھے میں جسونت راؤ ہلکر کے بھائی وتوجی راؤ کو بھی شریک ہونا پڑا۔ مگر وتوجی راؤ آخر کار گرفتار کیا گیا اور اُسکے لیئے یہ سزا تجویز کی گئی کہ اسکو مست ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر گھسٹوایا جائے اور باجی راؤ اپنے محل خاص کے بالاخانے پر اس دم توڑنے والے نوجوان کی چیخ پکار کا تماشہ دیکھنے بیٹھا۔ یہ حال سنکر جسونت راؤ نے سخت انتقام لینے کی قسم کھائی اور زیادہ زمانہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ اُسے اپنی قسم پوری کرنیکا موقع ملگیا۔

سندھیا نے اپنے خسر شرجی راؤ مالوہ کے سب سے بڑے بدطینت آدمی کو اپنی فوج کے ساتھ شریک ہونیکا حکم دیا اور بذاتِ خود جسونت راؤ ہلکر

باب پنجم
فصل سوم

کے تعاقب میں روانہ ہوا اور ۱۴ - اکتوبر ۱۸۰۱ء کو اُسے شکست کامل دیدی اُسکے بعد یہ مرہٹہ آزاد شہر جین (اجین) دار الخلافہ اندور میں داخل ہوا اور اس شہر کو بے محابا قتل و غارت سے تباہ کر دیا۔ شہر کی شاندار عمارتیں جو اہلیہ بائی نے تعمیر کی تھیں جلا کر خاک سیاہ کر دی گئیں۔ جنکے پاس مال و دولت تھی اُنکو اپنا مال بتانیکے لیئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور ایسی عورتوں کی نعشوں سے کنوئیں کے کنوئیں پٹ گئے جنھوں نے اپنی عصمت بچانیکے لیئے مرنا گوارا کر لیا تھا۔ مگر ہلکر نے بہت جلد اس شکست کے صدمے سے نجات پائی۔ اُسکی بیخوف طبیعت اُس زمانے کے مزاج کے بالکل موافق تھی اور اُسکے جھنڈے کے تلے بھرتی نئے منچلے بھرتی ہونے شروع ہو گئے جنکو لیکر وہ جانب شمال بڑھا اور اپنی پیش قدمی کے راستے میں جتنے شہر یا گاؤں پاتا تھا اُنمیں برابر لوٹ مار کرتا جاتا تھا۔ بلکہ دیوتاؤں کے مندروں تک پر بھی ہاتھ صاف کرتا جاتا تھا اور اں حالیکہ اُسکے مطلق العنان سپاہیوں کے کچھ عقیدوں کو بڑا صدمہ پہنچتا تھا اور اُنکے دل لرزتے تھے۔ پھر اُسنے تمام صوبۂ خاندیش کو روند ڈالا۔ اور پونے کی طرف چلا اور اس وقت پیشوا اپنی جان کے خوف سے لرزنے لگا۔ لارڈ ولزلی نے حمایتی معاہدے کی شرائط پیش کرنے سے ابھی تک بس نہیں کیا تھا اور جب کبھی اُسے ذرا بھی کامیابی کی امید نظر آتی تھی وہ اپنی تجویز کو فوراً پیش کرہی دیتا تھا۔ اس موقع پر بھی سلسلہ جنبانی کی گئی مگر پیشوا کی اُمید و بیم کی حالت کی وجہ سے اس دفعہ بھی معاملہ مذبذب ہی رہا۔ سندھیا پیشوا کو ہمیشہ اس تجویز کے منظور کرنے سے روکتا رہتا تھا اور اب جو سندھیا نے پیشوا کی ہلکر کے حملے سے حفاظت کرنیکے لیئے دس پلٹنیں پیادوں کی اور ایک رسالہ سواروں کا بھیدیا تھا یہ معاملہ بھی فوری انقطاع کو پہنچ گیا۔

پونے کی لڑائی سنہ ۱۸۰۲ء

ہلکر برابر پونے میں پیش قدمی کرتا چلا آیا اور ہمیشہ پیشوا اُسنے اُسکے سامنے نہایت ذلت آمیز شرائط پیش کیں مگر اُسنے نہایت نخوت کے ساتھ اُنکو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ سندھیا اور پیشوا کی مجموعی فوج کی تعداد پونے کے مضافات میں بہ تعداد اکتیس ہزار کے تھی جو اسی ہزار

(صفحہ ۲۶۲)

سوار اور پیدل تھی۔ سندھیا کی فوج میں کرنل ڈاس کی سرکردگی میں دس قواعد داں پلٹنیں تھیں مگر ہلکر کے پاس چودہ ایسی پلٹنیں تھیں جنکو یورپین افسروں نے تعلیم دی تھی اور جو اس وقت بھی یورپین افسروں کی قیادت میں تھیں پونے کی لڑائی اواخر ۱۸۰۲ء میں شروع ہوئی۔ فریقین نے عرصے تک میدان میں قدم جمائے رکھے اور دادِ شجاعت دی مگر آخر کار ہلکر کو سندھیا اور پیشوا کی فوج پر فتح کامل نصیب ہوئی اور اُسنے اپنے دشمنوں کا تمام توشہ۔ تمام سامان حرب۔ بلکہ خیمہ و خرگاہ تک لوٹ لیا۔ پیشوا جو اس وقت تک آگ کی لپیٹ سے دور رہا تھا سر پر پاؤں رکھکر ساحل کی طرف بھاگا جہاں اُسکے انتظار میں گورنر بمبئی کی طرف سے ایک انگریزی جہاز ٹھیرا ہوا تھا جس پر سوار ہو کر وہ بسین کو روانہ ہو گیا اور ۶۔ دسمبر ۱۸۰۲ء کو وہاں جا پہنچا۔ ہلکر فاتحانہ پونے میں داخل ہوا اور باجی راؤ کے ناجائز بھائی کو تخت پر بٹھایا اور اُس سے زبردستی دو کروڑ روپے فوراً داخل کرنیکا اور ایک کروڑ روپے کا علاقہ اور فوج کی سپہ سالاری اور ملک کا تمام انتظام خود کو تفویض کرانیکا وعدہ لیا۔ مگر پھر دو مہینے تک غیر معمولی ضبط و تحمل سے کام لیکر ہلکر نے آخر کار پونے کو لوٹ مار کے حوالے کر دیا ؂

معاہدۂ بسین ۱۸۰۲ء	بسین پہنچ کر باجی راؤ نے حمایتی معاہدے کی تجویز کو منظور کرنیکی تمنا ظاہر کی کیونکہ اب اُسکی نظر میں بھی ایک وسیلہ اُسکو

پھر تخت و تاج دلانیوالا رہ گیا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۸۰۲ء کی آخری تاریخ کو قابل یادگار معاہدۂ بسین پر دستخط ہوئے جسکی رو سے پیشوا چھ ہزار انگریزی حمایتی سپاہ مع مناسب توپ خانہ اپنے دارالحکومت میں رکھنے پر رضامند ہوا اور اُسکی نعلبندی کے لیئے ۲۶ لاکھ سالانہ کا علاقہ کمپنی کے حوالے کر دیا اور یہ بھی پابندی اپنے اوپر عائد کر لی کہ آئندہ کسی یورپین کو اپنی ملازمت میں نہیں رکھیگا۔ نواب نظام الملک بہادر اور گیکواڑ پر اُسکے جتنے دعوے ہیں اُن سبکو برطانیہ کی ثالثی کے سپرد کر دے گا۔ اسی معاہدے میں ملکِ جنوب کے جاگیرداروں کے موروثی حقوق بھی گورنمنٹِ برطانیہ کی کفالت میں بحال کر دیئے گئے ؂

معاہدۂ بسین کا سیاسی اثر	معاہدۂ بسین کو جب اُسکے لازمی نتائج کے اعتبار سے

دیکھا جائے تو اُسکو برطانوی ہند کے ایک نہایت مہتم بالشان واقعے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ پیشوا کی حکومت عرصے سے مرہٹہ برادری میں اپنی اصلی عظمت کھو چکی تھی پھر بھی وہ ابتک اُنکے قومی اتحاد کا مرکز سمجھا جاتا اور برادری کا سردار مانا جاتا تھا اور اُسکی خودمختاری کے فنا ہو جانے سے اس برادری کی قوت کو ایک دھکا لگ گیا۔ اس موضوع پر عرصے تک معرکۃ الآرا مباحثہ ہوتا رہا ہے لیکن ڈیوک آف ولنگٹن یعنی اُس زمانے کے جنرل ولزلی نے اپنے وسیع ہندوستانی تجربے کی بنا پر جو بالغانہ رائے قائم کی ہے وہ قولِ فیصل سمجھی جا سکتی ہے۔ وہو ہذا۔

"معاہدہ بسین نے اور اُس کے لازمات مابعد نے ہندوستان میں امن قائم رکھنے کے بہترین وسائل بہم پہنچائے اور کسی دوسرے دستور العمل کو اختیار کرنے سے ہلکر کے خلاف جنگ تقریباً ناگزیر ہو جاتی اور تمام مرہٹہ قوم کے ساتھ محاربت نہایت قرین قیاس ہو جاتی۔"

اس [illegible] واقعات مابعد نے پوری پوری تصدیق کردی۔ مرہٹہ سلطنتوں کے ساتھ جنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔ ممکن ہے کہ اس معاہدے نے اس جلد تر واقع ہو جانے میں امداد دی ہو مگر یہ بات بھولنے کی نہیں ہے کہ اسی معاہدے نے مرہٹوں کو پیشوائی گورمنٹ کے تمام وسائل سے بحالت جنگ کام لینے سے بالکل محروم رکھا۔

سندھیا اور بھونسلا کی برافروختگی

مرہٹہ دار الحکومت میں کمپنی کی حکومت قائم ہو جانے سے سندھیا اور راجۂ ناگپور کو نہایت برافروختگی ہوئی۔ سندھیا نے دیکھا کہ اُسکے دکن کے تمام حریصانہ منصوبے خاک میں مل گئے اور بیساختہ اُسکے منھ سے یہ نکلا کہ اس معاہدے نے تو سندھیا کی پگڑی سر سے اتار لی۔ ناگپور راجہ کی بھی فوراً وہ آرزو خاک میں مل گئی جو اُسنے اور اُسکے بزرگوں نے عرصے سے ایکدن پیشوا کا منصب حاصل کرنیکی اپنے دل میں رکھ چھوڑی تھی۔ ان دونوں سرداروں نے اس معاہدے کی تکمیل کو روکنے کے لیئے فوراً آپس میں اتحاد کر لیا اور باجی راؤ نے بھی ادھر تو اس معاہدے پر دستخط کیئے اور اُدھر اپنا سفیر اُن سرداروں کے پاس بغرض استعانت روانہ کیا۔ چونکہ ہلکر کے منصوبوں کو بھی انگریزوں کے اس

اُستادانہ ہتھکنڈے سے صدمہ پہنچا تھا اسلیئے وہ بھی اس اتحاد میں اس شرط پر شریک ہونیکو رضامند ہوا کہ اُسکی آبائی مملکت اُسے واپس کر دی جائے۔ لیکن باوجودیکہ وہ مملکت اُسکو بحال کر دیگئی لیکن جیسے ہی اُسنے سندھیا کو برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ مخاصمت میں پھنسا ہوا دیکھا ویسے ہی اُسنے سندھیا کے مالوی مقبوضات پر اپنے بھوکے لٹیروں کو چھوڑ دیا۔

لارڈ ولزلی کی فوجی نقل و حرکت

لارڈ ولزلی کو جب اس مرہٹہ اتحاد کی خبر پہنچی تو اُسنے سندھیا اور راجۂ ناگپور کو صاف الفاظ میں اطلاع بھیجدی کہ گورنر جنرل ان دونوں سرداروں کے ساتھ اپنے دوستانہ مراسم کو بلا خرخشہ قائم رکھنے کے لئے تیار ہے مگر وہ اُنکی اُن تمام کوششوں کی اپنی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کریگا جو وہ اُس معاہدے کے ساتھ مداخلت کرنے میں صرف کرینگے۔ ناگہانی ضرورتوں کے لئے تیار رہنے کی خاطر لارڈ ولزلی نے نواب نظام الملک کی تمام حمایتی فوج۔ چھ ہزار نواب نظام الملک کی پیدل فوج اور دو ہزار نواب نظام الملک کے رسالوں کو کرنل اسٹیونسن کی قیادت میں سرحد پر جاکر پڑاؤ ڈالدینے کا حکم دیدیا۔ اسی طرح جنرل ولزلی بھی اُسی سمت کو چھ سو میل کے فاصلے پر میسور کی حمایتی فوج کے ساتھ روانہ ہوا جسمیں آٹھ ہزار پیدل تھے۔ سترہ سو سوار تھے اور دو ہزار چیدہ میسور کا رسالہ ایک نہایت قابل تجربہ کار ہندوستانی افسر کی ماتحتی میں تھا۔ لارڈ ولزلی نے جو اقتدار جنوبی جاگیرداروں میں حاصل کر لیا تھا اُسکے اثر سے وہ بھی دس ہزار فوج کے ساتھ جنرل ولزلی کے شریک ہو گئے۔ امرت راؤ نے جسکو ہلکر پونے کا سپہ سالار بنا کر چھوڑ گیا تھا یہ ارادہ کر لیا تھا کہ جب وہ شہر کو قبضے میں نہیں رکھ سکیگا تو اُسے جلا کر خاک سیاہ کر دیگا مگر جنرل ولزلی کی مستعدی نے ایسی صورت نہ پیش آنے دی کیونکہ جنرل مذکور نے بتیس گھنٹے کے متواتر کوچ سے ساٹھ میل کا فاصلہ طے کر کے عین وقت پر شہر کو آبچایا۔ اُسکے بعد ہی باجی راؤ بسین سے روانہ ہو گیا اور ۱۳۔ مئی ۱۸۰۳ء کو جوتشیوں کی بتائی ہوئی شبھ گھڑی سے برطانوی سنگینوں کے بدرقے کے ساتھ پونے میں داخل ہوا اور انگریزوں کی

(صفحہ ۲۶۴)

طرف کی سلامی کی توپوں کے ساتھ تخت پر بیٹھ گیا۔

سندھیا نے پاؤں نکالے

سندھیا کی نیت روز بروز واضح ہوتی جاتی تھی۔ اُسنے ایک زبردست سپاہ کے ساتھ راجۂ ناگپور سے شرکت کرنیکے لئے کوچ کیا ادھر سے راجۂ ناگپور ۱۷۔ اپریل سنہ ۱۸۰۳ء کو اُس سے ملنے کے لئے آگے بڑھا۔ دونوں رئیسوں نے رزیڈنٹ کو یہ اطلاع دی کہ اُنکا ارادہ پونا آنیکا ہے تاکہ وہ پیشوا کے نظامِ حکومت کو قاعدے سے ترتیب دے سکیں۔ اُسکے جواب میں رزیڈنٹ نے دونوں کو یہ یقین دلایا کہ اُنکی طرف سے اس قسم کی ہر حرکت کو مخاصمت سے تعبیر کیا جائیگا جس سے نہایت ناگوار نتائج پیدا ہونیکا اندیشہ ہے۔ دونوں طرف سے کئی مراسلات آئے گئے جنسے دونوں سرداروں کی جنگجوئی کی نیت صاف ثابت ہوگئی۔ ۲۳۔ مئی سنہ ۱۸۰۳ء کو کرنل کلوس رزیڈنٹ دربار سندھیا کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ سندھیا کے اصلی ارادوں کا قطعی حال دریافت کرنیکا مطالبہ کرے اُسکے جواب میں سندھیا نے یہ کہا کہ جب تک وہ راجۂ ناگپور سے نہ مل لے جسکا پڑاؤ وہاں سے چالیس میل تھا اُس وقت تک کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتا۔ راجۂ موصوف سے ملنے کے بعد یہ اطلاع دیدی جائیگی کہ صلح رہیگی یا جنگ ہوگی۔ لارڈ ولزلی نے اس جواب کو برطانوی گورمنٹ کی توہین ہی نہیں سمجھا بلکہ اسکو دونوں سرداروں کی طرف سے ایک مشترکہ مخاصمت کی دھمکی سے بھی تعبیر کیا کیونکہ دونوں نے اپنی فوجیں لاکر نواب نظام الملک اور پیشوا کی سرحدوں پر ڈال دی تھیں جنکی حمایت کی پابندی بروے معاہدہ انگریزوں پر لازم تھی۔ اس نازک موقعے پر معاملات کی اُلجھن اس فرانسیسی بحری مہم کے پانڈیچری آپہنچنے سے اور بڑھ گئی جسکا ہم پہلے تذکرہ کر آئے ہیں کیونکہ سندھیا نے تمام ہندوستانی رئیسوں کے دربار میں اُس مہم کی اطلاع اِن الفاظ کے ساتھ دی کہ یہ ایک دوست کی طرف سے کمک آئی ہے۔ دونوں سردار دو ماہ تک بحث مباحثے کو طوالت دیتے رہے کیونکہ وہ اس عرصے میں ہلکر کو اپنا شریک بنانیکے لئے برابر کوشش کرتے رہے تھے۔ اس دوران التوا میں غدار پیشوا برابر سندھیا کو اسیات پر خفیہ طور سے

مجبور کرتا رہا کہ بحث مباحثہ کو ختم کرے اور سیدھا معاملات طے کرنیکے بہانے سے پونہ پر بڑھتا چلا آئے۔ پیشوا نے انگریزی فوج کی رسد رسانی میں بڑی رکاوٹیں ڈالی تھیں اور انگریزی گورنمنٹ کو طرح طرح سے تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

جنرل ولزلی کی تفویض اختیارات

وقت کا ہر لمحہ قیمتی ہوتا جا رہا تھا لیکن کلکتے تک کوئی جواب چھ ہفتے سے کم میں نہیں پہنچ سکتا تھا اسلئے لارڈ ولزلی نے اپنے سر وہ ذمہ داری لی جسپر اُسکو بعد میں نہایت لعنت و ملامت کی گئی یعنے اُسنے جنرل ولزلی کو دکن کے معاملات میں کامل ملکی۔ فوجی اور سفارتی اختیارات تفویض کر دیئے اور ساتھ ہی اسکے اُسکو بالتفصیل اپنی حکمت عملی اور اپنے خیالات سے بھی آگاہ کر دیا۔ جنرل ولزلی کو یہ منصب ۱۸۔ جولائی ۱۸۰۳ء کو حاصل ہوا اور اُسنے فوراً دونوں سرداروں کی توجہ اس طرف مبذول کی کہ وہ اپنی غیر مخاصمانہ نیتوں کا بہترین ثبوت اسطرح دے سکتے ہیں کہ وہ اپنی فوجیں فوراً اُن مقامات سے ہٹا لیں جہاں اُن فوجوں کا پڑا رہنا اُن سرداروں کے علاقے کی حفاظت کے لحاظ سے کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ جہاں پڑے رہنے سے وہ نواب نظام الملک پیشوا اور کمپنی کے علاقوں کو دھمکی دے رہے ہیں۔ اسکے بعد ایک ہفتے تک نہایت بے نتیجہ لفظی مباحثہ ہوتا رہا جس میں نادانی سے سندھیا کے منھ سے یہ بھی نکل گیا کہ ہم ابھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم کیا کرینگے کیونکہ ہلکر کے ساتھ نامہ و پیام کی تکمیل نہیں ہو چکی ہے۔ آخر کار اس لیت و لعل سے بہ تنگ آکر جنرل ولزلی نے اُنکو صلح یا جنگ ایک بات اختیار کرنیکے لیئے چوبیس گھنٹے کی مہلت دیدی جسپر اُنھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ برطانوی فوجوں کو بھی اپنی بمبئی۔ مدراس اور سرنگاپٹم کی چھاؤنیوں میں واپس چلا جانا چاہیئے مگر خود بھی چالیس میل پیچھے برہان پور تک اپنی فوجوں کو ہٹا لیںگے۔ اسکا آخری جواب جنرل ولزلی نے حسب ذیل دیا۔

"میں نے آپ صاحبوں کے سامنے ایسی شرائط پر صلح پیش کی تھی

باب پنجم فصل سوم

جو فریقین کی عزت و شان کے شایان تھیں مگر آپ صاحبوں نے جنگ کو پسند کیا ہے اسلیئے آپ ہی تمام نتائج کے ذمہ دار ہیں۔"

۳۔ اگست ۱۸۰۳ء کو برطانوی وکیل سندھیا کے لشکر سے واپس آگیا اور ۱۸۰۳ء کی جنگِ مرہٹہ شروع ہوگئی۔

فصلِ چہارم

لارڈ ولزلی۔ سندھیا اور بھونسلا کے ساتھ جنگ

جنگ کی تیاریاں

سندھیا اور راجۂ ناگپور کے ساتھ وقوعِ جنگ کو ناگزیر سمجھکر لارڈ ولزلی نے یہ عزم کیا کہ ہندوستان کے ہر حصے میں اُنکے مقبوضات پر ایک ساتھ ضرب کاری لگائی جائے۔ اس شاندار فوج کشی میں وہ اپنا وزیرِ جنگ خود ہی بنا۔ یعنی کسی اور سے مشورہ نہ طلب کیا اور (صفحہ ۲۶۲) کمپنی کے دورانِ حکومت میں گورمنٹ کے وسائل پر کبھی اتنے بڑے پیمانے پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا ہے اور وہ ایسی مستعدی اور نتیجہ خیزی کے ساتھ استعمال نہیں کیئے گئے دکن میں جو جنرل ولزلی کی سرکردگی میں نو ہزار اور کرنل اسٹیفنسن کی سرکردگی میں آٹھ ہزار فوجیں تھیں۔ اُنکو دونوں مرہٹہ سرداروں کی خاص سپاہ کے مقابلے میں کام کرنیکا حکم دیا گیا۔ شمال میں سندھیا کے اُن ہندوستانی مقبوضات پر حملہ کرنیکو جنکی حفاظت فرانسیسی پلٹنیں کر رہی تھیں جنرل لیک کی قیادت میں ساڑھے دس ہزار فوج متعین کی گئی اور بندیلکھنڈ کے حملے کیواسطے ساڑھے تین ہزار فوج علیحدہ رکھدی گئی۔ ساحلِ مغرب پر سات ہزار تین سو کی ایک فوج سندھیا کو اپنے گجراتی مقبوضات سے بیدخل کرنیکے لیئے ترتیب دیگئی اور پانچ ہزار دو سو سپاہیوں کو اسلیئے متعین کر دیا گیا کہ وہ راجۂ ناگپور کے سواحلِ مشرق کے مقبوضہ صوبۂ کٹک پر قبضہ کر لیں۔ یہ ساڑھے تینتالیس ہزار کی ساری فوج اُس حوصلہ مندی اور

الوالعزمی کے جوش سے بھری ہوئی تھی جسکی وجہ سے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی تھی اور اُس حوصلہ مندی اور اولوالعزمی میں اس موقعے پر اور ترقی اسلیئے ہوگئی تھی کہ اسوقت جس شخص کے ہاتھ میں برطانوی ہند کی زمامِ حکومت تھی اُسکی قابلیت اور تدبر پر ہر خاص و عام کو بے انتہا اعتماد تھا۔ دونوں مرہٹہ سرداروں کی فوجونکا اندازہ ایک لاکھ تھا جس میں سے آدھے سوار تھے اور کئی سو ضرب توپوں کا ایک بڑا توپ خانہ بھی انکے ساتھ تھا۔

تسخیرِ احمدنگر ۱۸۰۳ء

وکیلِ برطانیہ کے سندھیا کے لشکر سے روانہ ہوتے ہی جنرل ولزلی نے لڑائی اسطرح شروع کردی کہ سب سے پہلے سندھیا کا دکن کا بڑا اسلحہ خانہ اور رسدگاہ احمدنگر جو ایک نہایت مستحکم قلعہ بھی تھا ایک ہی ہلے میں فتح کرلیا اور اسکے بعد دریائے گوداوری کے جنوب میں جتنا سندھیا کا علاقہ تھا اُس سب پر قبضہ کرلیا۔ اس اثناء میں دونوں مرہٹہ سرداروں نے تین ہفتے تک اپنی فوجوں کو ادھر سے ادھر اور اُدھر سے ادھر نقل و حرکت دینے میں صرف کیئے جسکی کوئی غرض سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ جنرل ولزلی کے رہنما اتفاق سے راستہ بھولکر انگریزی فوج کو ۲۶ میل کے کوچ کے بعد ایک ایسے مقام پر لے آئے جہاں جنرل ولزلی نے یہ دیکھا کہ سندھیا کا پچاس ہزار سپاہ اور سو توپونکا لشکر حدِ نظر سے آگے تک پھیلا پڑا ہے اور جنرل موصوف نے بھی اسوقت دلمیں یہ ٹھان لی کہ بغیر کرنل اسٹیفنسن کی کمک کا انتظار کیئے ہوئے جو کچھ بھی ہو آخری فیصلہ کرہی لے۔

اسائی کی لڑائی ۱۸۰۳ء

اس زبردست مرہٹہ فوج کو مقام اسائی پر جن مٹھی بھر انگریزی سپاہیونکا مقابلہ کرنا پڑا اُنکی تعداد ساڑھے چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ مرہٹہ پیدل فوج اپنے زبردست توپخانے کے پیچھے خندقوں میں محفوظ تھی اور اگرچہ جنرل ولزلی نے اپنے کمان افسر کو خاص طور سے ہدایت کردی تھی کہ اس توپخانے کے سامنے سے دھاوا نہ کرے مگر وہ بہادر جنگ آزما اپنے جانباز سپاہیونکو لیئے ہوئے توپونکے منھ تک چلاگیا۔ انگریزی فوج کا زبردست نقصان ہوا انگریز سپاہ۔ خصوصاً

باب پنجم
فصل چہارم
(صفحہ ۲۶۷)

چوہترویں پلٹن کی غیر متزلزل جرات اور مستعدی تمام مقاومت کو اپنے ریلے میں بہاتی ہوئی لے گئی اور ہر چند سندھیا کی شاندار پیدل فوج نے اپنی توپوں کے پاس قدم جمائے رکھے مگر آخر کار اُن کو مجبور ہو کر میدان چھوڑنا پڑا۔ کمپنی کی فوجوں کو ہندوستان میں اب تک جتنی فتوحات حاصل ہو چکی تھیں اُن سب میں یہ فتح شاندار ترین کارنامہ شمار کی جا سکتی ہے لیکن یہ سستے داموں ہاتھ نہیں آگئی تھی بلکہ انگریزی فوج کو اپنے ڈیڑھ ہزار جانباز اُسکے بھینٹ چڑھانے پڑے تھے۔ سندھیا کے بارہ ہزار سپاہی ضائع ہوئے اور اُسکی تمام توپیں تمام سامانِ حرب اور تمام خیمہ و خرگاہ انگریزوں کے ہاتھ آگیا۔ اُسکی فوج بالکل منتشر ہو گئی اور جسوقت وہ میدان چھوڑ کر دریائے تاپتی کی طرف پسپا ہوا ہے تو اُسکے ساتھ تھوڑے سے چیدہ سوار رہ گئے تھے۔ کرنل اسٹیفنسن کو اُس کے تعاقب میں بھیجا گیا اور اُسنے جاکر برہان پور کا بارونق شہر اور اسیر گڑھ کا زبردست قلعہ فتح کر لیا اور تھوڑے ہی سے دن میں سندھیا کے تمام گجراتی مقبوضات انگریزوں کے قبضے میں آگئے اور اُسکے پاس سوائے اپنے ہندوستانی مقبوضات کے اور کچھ باقی نہ رہا۔

سندھیا کے ہندوستانی مقبوضات

اس بیش بہا علاقے کی توسیع اور استحکام میں متوفی مہداجی سندھیا نے برابر جان لڑا کر کوشش کی تھی اور خاص طور سے اُس فوج کی کارگذاری کو اُسمیں بڑا دخل تھا جس کو کاونٹ ڈی بائن نے بھرتی کیا تھا اور قواعد سکھائی تھی اور جسکی قیادت کاونٹ مذکور کی روانگی فرانس کے بعد جنرل پیرن کی سپردگی میں تھی۔ دولت راؤ سندھیا اپنے چچا کی جگہ ۱۷۹۴ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ اپنا وقت زیادہ تر پونا دربار کی حاضری میں صرف کرتا تھا تاکہ مرہٹہ برادری کی مجلسِ شوریٰ میں اپنا اعلیٰ رسوخ اور اقتدار قائم رکھے۔ اپنی عدم موجودگی میں اُسنے اُس ہندوستانی علاقے کا انتظام جنرل پیرن کے سپرد کر رکھا تھا جو اُسکو نہایت قابلیت اور سلامت روی کے ساتھ چلا رہا تھا۔ جنرل پیرن نے سندھیا کا اقتدار راجپوتوں پر قائم کر دیا تھا اور سکھوں پر بھی دریائے ستلج کے کنارے تک

آہستہ آہستہ بڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ اُسکی فوجی چوکیاں ایک طرف دریائے اٹک تک اور دوسری طرف الہ آباد تک چلی گئی تھیں اور اسوقت جو علاقہ اُسکی زیر نگرانی تھا اُسکی آمدنی دو کروڑ روپے سالانہ تھی۔ اُسکی فوج میں اٹھائیس ہزار پیدل تھے جو کسی طرح کمپنی کی دیسی سپاہ سے کم نہ تھے۔ پانچ ہزار سوار تھے اور ایک سو چالیس توپیں تھیں۔ اسطرح تمام شمال مغربی سرحد بالکل فرانسیسیوں کے اثر اور اقتدار میں ایک ایسی جرّار سپاہ کی موجودگی سے کمپنی کے اغراض و مفاد پر جو موت زیست کا عالم ہر وقت طاری رہتا ہوگا وہ کسی تصریح کا محتاج نہیں ہے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی یہ طے کر چکا تھا کہ اس فوج کا استیصال اہم ترین ضروریات میں سے ہے۔ لارڈ ولزلی کی تمناؤں کے پورے ہونے میں خوش قسمتی سے ایک خاص پیچیدگی نے بڑی مدد دیدی یعنی سندھیا کے مرہٹہ سردار ایک اجنبی سپہ سالار کے غیر معمولی عزو وقار پر اسقدر حسد کرنے لگے تھے کہ جنرل پیرن کو اپنا قیام مخدوش نظر آنے لگا۔ اور جسوقت یہ جنگ شروع ہوئی ہے اُس وقت وہ بد دل ہو کر فرانس واپس ہونیکا ارادہ کر رہا تھا۔

تسخیر علی گڈھ سنہ ۱۸۰۳ء

جنرل ولزلی کو دکن میں جو کامل اختیارات تفویض فرمائے گئے تھے وہی جنرل لیک کو ہندوستان میں لارڈ ولزلی نے عطا کیئے۔ جنرل لیک نے جنرل پیرن کے لشکر پر پیشقدمی کرکے لڑائی شروع کردی۔ لیکن جنرل پیرن اپنی پندرہ ہزار فوج کو بغیر ایک بھی گولا چلائے وہاں سے لیکر ہٹ گیا اسپر جنرل لیک نے علیگڈھ کا محاصرہ کر لیا جو ہندوستان میں سندھیا کا زبردست سلح خانہ اور مخزن ذخائر تھا۔ فرانسیسی افسروں نے اس قلعے کو غیر معمولی قابلیت کے ساتھ مستحکم کیا تھا۔ لیکن چھہتّرویں کوہستانی فوج نے اپنی جانبازی اور پامردی سے اُسے ایک ہی ہلہ بولکر فتح کر لیا۔ اور قلعے کے ساتھ ۲۸۱ توپیں انگریزوں کے ہاتھ آئیں۔ اسکے چند روز بعد جنرل پیرن کو یہ خبر ملی کہ سندھیا کے دربار میں جو اُسکے دشمن لگے ہوئے تھے اُنھوں نے اسکی برخاستگی کا حکم حاصل کر لیا ہے

(صفحہ ۲۶۸)

چنانچہ اُسنے لکھنؤ جانیکے واسطے انگریزی لشکر میں سے گذرنیکی اجازت طلب کی جہاں اُسکی قابلیت اور اُسکے رتبے کے موافق شان و شوکت کے ساتھ اُسکا استقبال کیا گیا۔ اور وہ گذرتا چلا گیا۔ اُسکے بعد جنرل لیک نے علیگڈھ سے دہلی کی طرف کوچ کیا اور اُس جگہ جہاں سے دہلی کے مینارے نظر آنے لگے تھے اسکی مڈبھیڑ اُس اُنیس ہزار مرہٹہ فوج سے ہوگئی جو فرانسیسی جنرل بورکین کی قیادت میں تھی۔ یہ آویزش نہایت سخت ہوئی اور طرفین سے دادِ مردانگی دیگئی مگر پھر وہی چھہتر ویں کوہستانی فوج سینہ سپر ہونیکو سب سے آگے ہوئی اور جنرل لیک نے بہ نفسِ نفیس زمامِ قیادت ہاتھ میں لی اور نہایت استقلال اور پامردی کے ساتھ گرابوں اور زنجیر دار گولوں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھکر دشمن کو سنگینوں پر رکھ لیا۔ دشمن کی صفوں نے پہلے ہی وار میں اپنی جگہ چھوڑ دی اور دوسرے حملے کی تاب نہ لاکر فرار برقرار کیا اور دہلی میں جاکر پناہ لی ؛

انگریزی فوج کا دہلی میں داخلہ ۱۸۰۳ء

اس آویزش کے تین دن بعد جنرل بورکن اور اُسکے تین افسروں نے اپنی تلواریں جنرل لیک کے سامنے ڈالدیں۔ شہر دہلی کو سندھیا کی فوجوں نے فوراً خالی کردیا اور وہاں کی فصیلوں پر برطانوی پھریرا اُڑادیا گیا۔ شاہنشاہِ دہلی اگرچہ اسوقت اپنی خود مختاری اور اپنی آنکھوں سے محروم تھا پھر بھی اسکو ہندو اور مسلمان یکساں سرچشمۂ عز و شان سمجھتے تھے اور شاہی مہر سے جو پروانہ منصب داری کا اس زمانے میں بھی عطا ہوتا تھا اُسکی دکن تک کے دور و دراز صوبوں میں بھی اتنی ہی قدر ہوتی تھی جتنی اورنگ زیب کے زمانے میں۔ لارڈ ولزلی نے اپنے شاندار اعلان میں اس سے ملاقات کا تذکرہ اسطرح کیا ہے

> جنرل لیک کو ۱۵ ستمبر ۱۸۰۳ء کو شاہی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جنرل موصوف نے دیکھا کہ وہ قدیمی عز و شان کا مصیبت زدہ مجسمہ ضعفِ پیری۔ بے بصارتی۔ ناداری اور زوالِ مرتبت کی مصیبتوں سے شکستہ حال اور شکستہ دل ایک چھوٹے سے

بوسیدہ شامیانے کے نیچے جو اُسکی شاہانہ شان وشوکت کی تنہا
یادگار اُسکے پاس باقی رہ گیا تھا بیٹھا ہوا اندرونی اور بیرونی مصائب
کا عبرت ناک نظارہ پیش کر رہا ہے۔

لارڈ ولزلی نے شہنشاہ کے گذارے کیلئے نہایت معقول وظیفے کا انتظام
کیا اور بہت سوچ بچار کر یہ تجویز پیش کی کہ اُنکو دہلی کے مخدوش گردوپیش
سے علیحدہ کر دیا جائے اور آئندہ کے لئے انکا قیام مونگھیر رکھا جائے۔
لیکن شہنشاہ کو دہلی کے ساتھ ایسی دلی محبت تھی جو مسلمانوں کے اقتدار کا
چھ سو برس تک مستقر رہ چکی تھی کہ وہ کسی طرح وہاں سے ہٹنے پر رضامند
نہوتے تھے گورنر جنرل کو بادل ناخواستہ اپنی تجویز ترک کرنے پر مجبور رہنا پڑا
اس فیاضانہ مگر بے احتیاطی کے فعل سے انگریزی گورنمنٹ کو پچاس سال کے
بعد سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ (صفحہ ۲۶۹)

لاسواڑی کی لڑائی ۱۸۰۳ء

کرنل اخترلونی کو دہلی کی فوج سپرد کر کے جنرل لیک
نے آگرے پر پیشقدمی کی جو ایک طویل محاصرے کے بعد
فتح ہوگیا۔ قلعۂ آگرہ میں ۲۸ لاکھ کا جو خزانہ ہاتھ آیا وہ نہایت دور اندیشی کے
ساتھ بامید منظوری حکام انگلستان فوج کے افسروں اور سپاہیوں میں
تقسیم کر دیا گیا۔ ابتدائے جنگ کے وقت سندھیا نے اپنی پندرہ فرانسیسی
پلٹنیں اپنے ہندوستانی مقبوضات کی حفاظت کرنے کے لیئے نربدا پار سے
بھیجی تھیں۔ ان پلٹنوں کو اُسکی تمام فوج کی ناک سمجھا جاتا تھا اور یہ دکھنی ابھک
کہلاتے تھے اور اسمیں شک نہیں کہ انھوں نے اپنے تئیں اسم بامسمیٰ ثابت
بھی کیا۔ دہلی کے مفرور سپاہی بھی انکے ساتھ شریک ہو کر انکی کل تعداد تیرہ ہزار
سوار اور پیدل تک پہنچ گئی تھی اور ہندوستانی افسروں کی قیادت میں بہتر
میدانی توپیں بھی اُنکے پاس تھیں۔ جنرل لیک کے اس لشکر سے مقام لاسواڑی
پر یکم نومبر ۱۸۰۳ء کو مڈبھیڑ ہوئی اور یہ فوج ایسی جی توڑ کر لڑی کہ کبھی ہندوستانی
سپاہی ایسے زور شور سے نہ لڑے تھے جنکا دل بڑھانیکو یورپین افسر نہوں آخر کار
یہ فوج مغلوب ہوگئی لیکن اسوقت تک اسنے قدم پیچھے نہ ہٹائے جبتک

باب پنجم
فصل چہارم

اُسکے آدھے آدمی میدان میں کام نہ آگئے۔ فوج کا سپہ سالار ہر نقل وحرکت میں بذات خود شریک رہا اور ہر دھاوے میں سب سے آگے ہوتا تھا۔ اگرچہ اُنھیں کوئی حربی قابلیت نہیں تھی مگر اُسکی جوانمردی سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جیسا جانباز ایک سپاہی کو ہونا چاہیئے ویسا یہ سپہ سالار تھا اور جسطرح آنکھ بند کرکے سپاہیونکو اپنے افسر کا حکم ماننا چاہیئے اسیطرح اُسکے سپاہی اُسکا حکم مانتے تھے لیکن اگر اُس روز اُس سے فن حرب کی اُن نمایاں غلطیوں کا ارتکاب نہ ہوتا جو کہ اُس دن سے پہلے بھی کئی موقعوں پر ہوچکا تھا تو اس میں شبہ وشک کی گنجایش نہیں ہے کہ اُسکے جانباز بہادر اپنی جانیں قربان کرکے بھی میدان مار لیتے۔

ارگاؤں کی لڑائی ۱۸۰۳ء

متواتر ہزیمتوں سے پریشان ہوکر سندھیا نے صلح کی تحریک کی جسکا نتیجہ التوائے جنگ کی صورت میں برآمد ہوا اور اب جنرل ولزلی کو اپنی پوری توجہ راجہ ناگپور کی طرف مبذول کرنیکا موقع ملا جسکی نقل وحرکت کو وہ برابر غور سے نظر میں رکھے ہوے تھا۔ ۲۸ نومبر ۱۸۰۳ء کو جنرل ولزلی کی ناگپور کی پوری سپاہ سے مڈبھیڑ بمقام ارگاؤں ہوگئی اور ناگپور کی فوج کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ وسط دسمبر ۱۸۰۳ء میں قلعہ گوال گڈھ تسخیر ہوگیا اور جنرل ولزلی نے ناگپور پر پیشقدمی کی تیاریاں شروع کردیں جو بے تکلف تسخیر ہوجاتا۔ ادھر ایک برطانوی فوج نے بلا ایک جان بھی ضائع کیے ہوئے پورے صوبۂ کٹک پر قبضہ کرلیا۔ ان تابڑتوڑ شکستوں سے بدحواس ہوکر اور اپنے تخت وتاج کی طرف سے خطرے میں پڑکر راجہ ناگپور نے فوراً صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کردی اور دو دن کے اندر صلحنامہ دیوگاؤں کی گفتگو ہوکر ۱۷ دسمبر ۱۸۰۳ء کو مسٹر منسٹوارٹ الفنسٹن کے ہاتھوں سے اُسکی تکمیل بھی ہوگئی۔ (صفحہ ۲۷۰) اس صلحنامے کی رو سے صوبۂ کٹک کا کمپنی کے مقبوضات کے ساتھ الحاق کرلیا گیا اور کلکتے اور مدراس کے درمیان براہ راست وہ سلسلۂ ارتباط قائم ہوگیا جسکے قائم کرنیکی مجلس انتظامیہ کو عرصے سے تمنا تھی اور جسکے معاوضے میں وہ ایک زمانے میں بہت بڑی رقم بھی دیدینے کو تیار ہوگئی تھی۔ برار کا زرخیز صوبہ انگریزوں کے

دوست نواب نظام الملک کو دیدیا گیا۔ اسکے علاوہ راجہ نے اپنے تئیں اس کا بھی پابند کیا کہ اُسکے جتنے تنازعات نواب نظام الملک اپیشوا کے ساتھ ہونگے اُن سبکو برطانوی گورنمنٹ کی ثالثی سے طے کرائیگا۔ یہ علاقے جو راجہ کو حوالہ کرنے پڑے اُسکے نہایت ہی قیمتی اضلاع پر مشتمل تھے اور اس حوالگی سے راجہ ناگپور کی حیثیت گھٹ کر دوسرے درجے کے رئیسوں کی سی رکھی تھی؛

سندھیا کی مغلوبیت

اب سندھیا کے لیئے بھی گورنر جنرل کی پیش کی ہوئی شرائط کو تسلیم کرنیکے سوائے کوئی مفر نہیں تھا۔ اُسکی فرانسیسی پلٹنیں جو اُسکی تمام عظمت و اقتدار کی پشت پناہ تھیں بالکل فنا ہو چکی تھیں۔ اُسکا وہ شاندار ترکہ جو اُسکے چچا نے اُسکے لیئے چھوڑا تھا یعنے دکن کا علاقہ گجرات کا علاقہ اور ہندوستان کا علاقہ سب اُسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اب اُسکے سامنے اپنی مکمل تباہی وبربادی کے آثار تھے اور کچھ نہ تھا۔ راجہ ناگپور کے صلحنامہ ارگاؤں پر دستخط کر دینے کے بعد آخرکار سندھیا نے بھی گردش دوراں کے آگے گردن جھکالی اور صلحنامہ سرجی انجن گاؤں پر ۱۸۰۳ء میں دستخط کر دئے۔ اس صلحنامے کی روسے سندھیا کو اپنا وہ تمام علاقہ حوالے کرنا پڑا جو دریائے گنگا اور دوآبے کے درمیان واقع تھا۔ اور جے پور و جودھپور کے شمال میں جو اُسکے مقبوضات تھے اُنسے۔ دکن میں قلعہ احمد نگر اور اُسکے مضافات سے اور گجرات میں بھڑوچ اور اُسکے پرگنات سے بیدخل ہونا پڑا۔ سندھیا نے اپنے اُن تمام دعاوی سے دست برداری داخل کی جو نواب نظام الملک۔ گیکواڑ اور پیشوا کے خلاف وہ رکھتا تھا اور ہندوستان کے اُن راجاؤں اور جاگیرداروں کی خود مختاری کو تسلیم کیا جنکے ساتھ لارڈ ولزلی نے حال ہی میں معاہدات طے کر لیئے تھے۔ یہ جنگ جس کے ایسے اہم بالشان ثمرات حاصل ہوئے پانچ ماہ کے قلیل عرصے میں شروع ہو کر ختم بھی ہو گئی اور لیڈن ہال سٹریٹ میں اُسکی ابتدا کی خبر ابھی پہنچنے بھی نہیں پائی تھی کہ ہندوستان میں اُسکی انتہا

ہو چکی۔ احمد نگر مع اپنے زرخیز اضلاع کے پیشوا کو دیدیا اور ہندوستان کے متمول اضلاع کو اُن اضلاع کے ساتھ ملحق کر لیا گیا جو نواب وزیر اودھ سے ہاتھ آئے تھے اور اِن سب کا ایک علیحدہ صوبہ بنایا گیا جو ممالک مغربی و شمالی[1] کہلاتا ہے۔

اس طرح ہندوستان میں مرہٹوں کی قوت کو توڑ کر لارڈ ولزلی کو یہ فکر ہوئی کہ کہیں انکا زور پھر نہ بندھ جائے چنانچہ اُسکا سدباب کرنیکے لئے لارڈ ولزلی نے کمپنی کے مقبوضات اور سندھیا کے ان مقبوضات کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرنی چاہی جو نربدا کے شمال میں واقع تھے اور اس غرض کے لئے جنرل لیک کو ہدایت کی گئی کہ معاہدات اتحاد جاٹ راجہ بھرتپور کے ساتھ اور راجگان جے پور۔ جودھپور۔ مچھری۔ بوندی اور گوہد کے ساتھ طے کرے۔ ان معاہدات کی رو سے یہ سب راجگان مرہٹوں کی اطاعت و باجگذاری سے آزاد ہو گئے اور انکی چیرہ دستیوں کے خطرے سے ہمیشہ کے لئے اُن کو امن نصیب ہو گیا۔

غرض یہ کہ لارڈ ولزلی کی غیر معمولی قابلیت نے پانچ سال کے عرصے میں ہندوستان کی سیاسی حیثیت کو پھر نئے سانچے میں ڈھال دیا اور ہندوستان کے انگریز مالکوں کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ اب کمپنی کی حیثیت یہ تھی کہ وہ اقلیم ہند کے سب سے گراں قیمت حصوں کی مالک ہو گئی جو ریاستیں اُسکے مقبوضات سے باہر تھیں ان کی محافظ اور تمام ریاستوں میں جو نزاعات پیدا ہوتے تھے اُن میں حکم کا درجہ رکھنے لگی۔ کمپنی کی حکومت اکبر اور اورنگ زیب کی حکومتوں سے بھی زیادہ مستحکم بنیاد پر قائم ہو گئی تھی۔ اس وقت لارڈ ولزلی کے عہد حکومت کی شہرت اور شان و شوکت اپنی انتہائے معراج کو پہنچ چکی تھی اور اُسکے بعد جو بداقبالیاں اُسکے ہندوستانی عہد حکومت پر بادل کی طرح چھا گئی تھیں وہ اُسکے کمانڈر انچیف کی غلط کاریوں کی وجہ سے پیش آئیں اگرچہ اُنکا لازمی خمیازہ اُسی کی گورنمنٹ کو اُٹھانا پڑا۔

[1] آجکل اُس کا نام ممالک متحدہ آگرہ و اودھ ہے۔ ۱۲۔ مترجم

فصل پنجم

لارڈ ولزلی - ہلکر سے جنگ بازی - کرنل مونسن کی پسپائی

سندھیا اور راجہ ناگپور کے ساتھ جنگبازی کے زمانے میں ہلکر نے اپنی فوجوں کو اُن دونوں کی فوجوں میں شریک کرنیکے بجائے انہیں ہندوستان میں غارت گرانہ تاختوں کے زیادہ سودمند مشغلے میں لگائے رکھا۔ تکمیل صلح کے بعد اُسنے مہیسر کے دولتمند شہر پر چڑھائی کی جہاں سے اس نے ایک کروڑ روپے کا انتحصال کیا۔ اور اس روپے سے وہ اس قابل ہو گیا کہ اُسنے اُن سپاہیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا جنھیں سندھیا اور راجہ ناگپور نے علٰحدہ کر دیا تھا۔ اس طرح ہلکر کی فوج بڑھکر ساٹھ ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیدل تک پہنچگئی یہ ایسی فوج تھی جو اُسکی ضرورت ہی سے نہیں بلکہ اُسکے وسائل سے بھی بہت زیادہ تھی اسلیئے وہ صرف لوٹ مار کے ذریعے سے قائم رہ سکتی تھی۔ گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے ہلکر کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ جب تک وہ کمپنی کے اور اُسکے اتحادیوں کے مقبوضات پر ہاتھ ڈالنے سے باز رہیگا اُس وقت تک اس کی نقل وحرکت سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائیگا۔ لیکن یہ ہلکر کی طبعیت کے خلاف تھا کہ وہ آرام سے بیٹھا رہ سکتا۔ اُسکی قسمت اُسکے گھوڑے کے زین سے بندھی ہوئی تھی اور آخر کار اُسکی کوتہ اندیشی نے اُسے انگریزوں کی دستار پر بھی ہاتھ ڈالنے پر اُبھار ہی دیا۔ مارچ ۱۸۰۴ء میں اُسنے جنرل ولزلی سے بعض اضلاع دکن کی حوالگی کا مطالبہ اس بنا پر کیا کہ یہ اضلاع ایک وقت میں اُسکے خاندان کی ملکیت میں تھے۔ ساتھ ہی اسکے اُسنے جنرل لیک کے پاس ادائی چوتھ کا تقاضا ان الفاظ کے ساتھ بھیجا کہ چوتھ مرہٹوں کا ناممکن تبدیل حق ہے اور اگر ان مطالبات کی تعمیل نہیں کی جائیگی تو سیکڑوں کوس تک

(صفحہ ۲۷۲)

ملک کے ملک لوٹ لیئے جائینگے اور اس مسلسل غنیم بازی سے خدا کی لاکھوں مخلوق پر مصیبتیں نازل ہونگی کیونکہ مرہٹہ فوجیں ان ملکوں کو سمندر کی لہروں کی طرح متلاطم کر کے رکھدینگی۔ ان گستاخانہ دھمکیوں کے ساتھ ہی کمپنی کے اتحادی راجے پور کے علاقے میں ایک یورش بھی اُسکی طرف سے کر دی گئی

لارڈ ولزلی نے یہ سمجھ لیا کہ وسط ہند میں امن و خوشحالی کا ہرگز اُس وقت تک وجود نہیں رہ سکتا جب تک اتنی زبردست غارتگر فوج ایسے مطلق العنان سردار کی ماتحتی میں اس ملک میں آزادی سے پھرنے دی جاتی رہیگی۔ ساتھ ہی اُسکے ایسے شخص کے مقابلے میں حفاظتی فوج پر بہت زیادہ خرچ ہوگا اور جنگی فوج پر کم خرچ پڑیگا۔ چنانچہ ۱۶- اپریل ۱۸۰۴ء کو لارڈ موصوف نے جنرل ولزلی اور جنرل لیک کو ہلکر کے خلاف میدان سنبھالنے کے احکام بھیجدئے۔ جنرل لیک نے علاقہ جے پور میں نقل و حرکت شروع کی اور اس علاقے سے اُسکا تعاقب کر کے اُسے نکال باہر کیا۔ اسکے بعد جنرل ولزلی نے دکن سے جنرل لیک پر یہ تاکید کی کہ اس تعاقب کے سلسلے کو برابر جاری رکھا جا اور اُسے کہیں دم ہی نہیں لینے دیا جائے اور جنرل لیک کو یہ یقین دلایا کہ اگر یہ تعاقب کچھ اور مستعدی کے ساتھ جاری رکھا جائیگا تو پندرہ دن کے اندر ہلکر کا صفایا ہو سکتا ہے۔ مگر معلوم نہیں کسطرح جنرل لیک نے یہ نصیحت نہ مانی اور اُس نے اپنی فوجوں کو چھاؤنیوں میں واپس کر لیا اور ایک کمزور فوج کے ساتھ کرنل مونسن کو ہلکر کے تعاقب کے لیئے روانہ کر دیا۔ لارڈ ولزلی نے بڑی تاکید کے ساتھ جنرل لیک پر یہ تقاضہ کیا کہ یا تو کرنل مونسن کے کمزور دستے کو واپس طلب کرے یا اسکو مزید کمک بھیجدے مگر جنرل لیک نے نہ یہ کیا نہ وہ کیا۔ کرنل مانسن جتنا دلیر و جانباز تھا اتنا ہی فن حرب سے ناواقف اور ناقابل تھا۔ چنانچہ تھوڑے سے سپاہیوں کا ایک کمزور دستہ لیکر جسکے ساتھ ایک بھی یورپین سپاہی نہیں تھا بلکہ صرف ڈھائی ہزار بے قاعدہ فوج سوار تھی کرنل مانسن ہلکر کے علاقے کے قلب میں گھستا چلا گیا درآں حالیکہ اُسنے اپنے سے دس گنی فوج کا مقابلہ

کرنا تھا جسکی زمام قیادت اُس زمانے کے نہایت منچلے سپاہی کے ہاتھ میں تھی سب پر طرہ یہ کہ کرنل موصوف نے نہ رسد کا کوئی معقول انتظام کیا تھا نہ اُن ندیوں اور دریاؤں کے عبور کرنیکا کوئی سامان ساتھ لیا تھا جو دو تین ہی ہفتے کے اندر طغیانی کی وجہ سے ناقابل گزار ہو جانیوالی تھیں ؛

کرنل مونسن کی پسپائی ۱۸۰۴ء

۱۷- جولائی ۱۸۰۴ء کو کرنل مونسن کو یہ حوصلہ شکن اطلاع ملی کہ ہلکر نے اپنی تمام فوج کو مجتمع کر لیا ہے اور انگریزی فوج پر پیشقدمی کرنی شروع کر دی ہے اور کرنل مرے کی وہ فوج جو جنرل ولزلی نے گجرات سے کرنل مونسن کی امداد کے لئے بھیجی تھی راستے میں کہیں رُکی رہ گئی ہے اس وقت کرنل مونسن کے لشکر میں صرف دو دن کا توشہ باقی تھا چنانچہ اُسنے فوری پسپائی کی ضرورت سمجھی - واپسی میں جہاں کہیں یہ فوج گھر کر کھڑی ہو جاتی تھی اور مقابلے پر اڑ جاتی تھی وہیں باوصف کثرت افواج کے ہلکر کو شکست ہوتی تھی - مقام رامپورہ پر کرنل مونسن کی کمک کو دو پلٹنیں اور بہت کافی مقدار رسد کی جنرل لیک کی بھیجی ہوئی پہنچ گئیں - لیکن کرنل مونسن اس مقام پر بلا وجہ چوبیس دن ٹھر گیا اور اس عرصے میں ہلکر نے ایک مرتبہ بھی اس پر حملہ نہیں کیا - اسکے بعد کرنل مونسن نے پھر پسپائی شروع کی اور یہ پسپائی ایسی ذلت خیز ہوئی کہ ابتدائی پسپائی شروع ہونے سے پچاس دن کے بعد کرنل مونسن کا صرف ایک سپاہی بچ بچا کر کسی طرح آگرہ آ کر پہنچا - اس وقت سے ۲۳ سال پہلے کرنل کماک بھی اسی طرح اناڑی پن سے سندھیا کے علاقے کے قلب میں گھستا چلا گیا تھا اور اسی طرح مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا جیسے اس وقت کرنل مونسن ہوا تھا مگر اُسنے ایک دلیرانہ مجارحت کی حقیقی تدبیر پر عمل پیرا ہو کر سندھیا کو شکست کامل دیدی تھی اور سندھیا نے اپنی توپیں - سامان حرب خیمہ و خرگاہ کے ساتھ اپنی نیکنامی کو بھی اس لڑائی میں غارت کر دیا تھا اگر اس فوج کا قائد بھی ویسا ہی زیرک اور قابل ہوتا تو کرنل مونسن کی اس فوج کے سر بھی اُسی قسم کی فتح و ظفر کا سہرا رہتا اور لارڈ ولزلی کو پانچ پلٹنیں پیدل اور چھ کمپنی توپ خانے کے لئے سوگوار نہ ہونا پڑتا - کرنل بیلی کے دستے کا حیدر علی

(صفحہ ۴۷۳)

باب پنجم
فصل پنجم

کے ہاتھوں جو استیصال کامل ہوا تھا اسکے بعد سے یہ دوسری ذلت تھی جو انگریزی فوج کو میدان جنگ میں اٹھانی پڑی تھی اور تمام ہندوستان میں اس کے گیت بن گئے تھے جو ہر جگہ گائے جاتے تھے۔ راجہ بھرت پور جس نے سب سے پہلے برطانیہ کے اتحاد کی طرف اُس وقت ہاتھ بڑھایا تھا جبکہ انگریزوں کی کامرانی کا زمانہ تھا اُسی نے سب سے پہلے انگریزوں کا ساتھ اُس وقت چھوڑ دیا جبکہ انگریزوں کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔

ہلکر کا محاصرۂ دہلی ۱۸۰۴ء

اس فتح سے پھول کر ہلکر نے نوے ہزار فوج کے ساتھ متھرا پر پیش قدمی کی۔ جنرل لیک نے اپنی فطری مستعدی کے ساتھ اس خلاف امید یورش کا مقابلہ کرنیکے لیئے اپنی رجمنٹوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں ہلکر نے ایک دلیرانہ منصوبہ یہ گانٹھا کہ شہر دہلی پر قبضہ کرلے اور کسی طرح شہنشاہ دہلی کو اور اُسکے نام کے ساتھ جو اقتدار اب تک لگا ہوا تھا اُسے اپنے ہاتھ میں لے آئے۔ چنانچہ اُس نے اپنے رسالے کو جنرل لیک کی توجہ مصروف رہنے کے لیئے متھرا پر چھوڑا اور ۷۔ اکتوبر ۱۸۰۴ء کو اچانک دہلی کے دروازوں کے سامنے آدھمکا۔ یہ شہر دس میل کے احاطے میں آباد تھا اور اسکی حفاظت کے لیئے بوسیدہ دیواروں اور شکستہ بُرجوں کے سوا سے کچھ نہیں تھا اور اسمیں ایک لاکھ میل مطلق العنان مخلوق کی آبادی تھی۔ حفاظتی فوج خود اتنی کمزور تھی کہ دوسروں کو کیا امداد پہنچا سکتی تھی اور فوج کو فصیلوں پر رسد تقسیم کردی جاتی تھی۔ لیکن کرنل اختر لونی نے کلائیو کی سی جرات دیا مردی کے ساتھ اس شہر کو ایک ایسے دشمن کے مقابلے میں نو دن تک بچائے رکھا جسکے ساتھ بیس ہزار فوج تھی اور ایکسو توپیں تھیں۔ آخر کار ہلکر نے مایوس ہو کر اپنی فوجیں محاصرے سے ہٹالیں اور اپنی پیدل فوج اور توپوں کو اپنے نئے اتحادی راجہ بھرت پور کے علاقے میں بھیجکر اپنے سواروں کو لیکر کمپنی کے علاقے واقع دوآبہ کو لوٹنے کے واسطے چل کھڑا ہوا۔

جنرل لیک نے بھی اپنی پیدل فوج کو جنرل فریزر کی سپردگی میں ہلکر کی پیدل فوج کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لیئے چھوڑا اور چھ رسالے دیسی

(صفحہ ۲۷۴)

اور انگریزی سواروں کے اور سواری کا توپ خانہ لیکر ہلکر کے تعاقب میں چلا اور
اُسے دن رات میں ایک لمحے کا آرام نہیں لینے دیا ہلکر نے عام طور سے جنرل لیک
کے رسالوں سے بیس یا بائیس میل آگے رہنے کی ترکیب ڈال رکھی تھی اور اپنی
پیشقدمی میں بے پناہ مواضعات میں برابر لوٹ کھسوٹ کرتا چلا جاتا تھا۔
لیکن ایک مرتبہ چوبیس گھنٹے دو اسپہ کوچ کے بعد جنرل لیک نے ایکدم میں
پچاس میل کا فاصلہ طے کر کے ۱۷- نومبر سنہ ۱۸۰۴ء کو اُسے فتحگڑھ پر جا پکڑا۔ دشمن
کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور اُنکے سوار بڑے اطمینان کے ساتھ اُنکے برابر
سو رہے تھے کہ گراب کے چند فیروں نے متعاقبین کی آمد کی اطلاع دی۔ ہلکر
جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور چند سواروں کو اپنے ہمراہ لیکر سر پر
پاؤں رکھکر بھاگا اور اپنی بقیہ فوج کو چھوڑ دیا کہ جو بن آئے وہ کرے۔ چنانچہ وہ ہر جسکا
منہ اُٹھا اُدھر ہی چل پڑا۔ کچھ ہی عرصے میں ہلکر اپنی پیدل فوج سے ملنے کے لئے
پلٹ پڑا لیکن اسنے جمنا کو پھر عبور کر کے معلوم کیا کہ اسکی پیدل فوج کو سخت
شکست ہو چکی تھی۔ جنرل فریزر نے چھ ہزار فوج سے اُسکی پیدل فوج پر حملہ کر دیا تھا

ڈیگ کی لڑائی سنہ ۱۸۰۴ء

جسمیں ۲۴ پلٹنیں تھیں بہت سی سوارہ فوج بھی اور
ایکسو ساٹھ توپیں تھیں اور اُس پر مکمل فتح حاصل کی تھی
مگر اس فتح میں انگریزی فوج کو اپنے جنرل کا گراں بار نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔
اس آویزش کے دوران میں قلعہ ڈیگ پر سے انگریزی فوج پر بڑی سخت
آگ راجہ بھرتپور کی طرف سے برسائی گئی تھی چنانچہ اس لڑائی کے سلسلے میں
وہ قلعہ بھی فوراً گھیر کر فتح کر لیا گیا تھا؛

محاصرۂ بھرت پور

اب ہلکر کی کم نصیبی اپنی حد کو پہنچی تھی جنرل
جونز نے ناقابل کرنل مرے کی جگہ فوج کی قیادت لے لی تھی
اور ہلکر کے تمام قلعہ جات مالوے میں تسخیر کر کے فاتحانہ پیشقدمی کرتا ہوا بالآخر
جنرل لیک سے آملا تھا۔ وہ زبردست لشکر جسکے ساتھ ہلکر تمکنت کے ساتھ
جمنا کے کنارے چار مہینے پہلے نمودار ہوا تھا اب بالکل منتشر ہو چکا تھا
اور اُسکی تمام طاقت کا استیصال بالکل ناگزیر نظر آرہا تھا کہ تمام انگریزی مفاد

واعتراض پر جنرل لیک کے اس مہلک ارادے سے پانی پھر گیا کہ بھرت پور کا محاصرہ
کرلیا جائے۔ یہ شہر آٹھ میل کے دور میں بسا ہوا تھا اور اسکے گرد بہت اونچی
اور نہایت موٹی مٹی کی دیوار کا ایک حصہ بندھا ہوا تھا جسکی حفاظت
کیلئے جگہ جگہ برج بنے ہوئے تھے اور اس مٹی کی دیوار کے گرد ایک نہایت
گہری خندق پانی سے بھری ہوئی تھی اور قلعے کے اندر راجہ بھرت پور کی آٹھ ہزار فوج
اور ہلکر کا بقیۃ السیف لشکر تھا۔ جنرل لیک نے ہر فہمایش کی طرف سے بالکل کان
بند کرلئے اور بغیر قلعہ شکن توپ خانوں کے یا کسی تجربہ کار میر تعمیرات کے بل کے بغیر موقعہ کا
معاینہ کئے ہوئے نہایت سرگرمی سے محاصرے کی کارروائی شروع کردی۔ چار متواتر
حملے بندرہ ہفتوں کے اندر اس قلعے پر کئے گئے جسمیں انگریزوں کو تین ہزار دو سو
مقتول اور زخمیوں کا نقصان اٹھانا پڑا جسمیں ایکسو تین صرف افسر ہی افسر تھے۔
۲۱ اپریل ۱۸۰۵ء کو محاصرہ اٹھالیا گیا۔ اسکے بعد راجہ نے جب اپنے اس نقصان کا
اندازہ کیا جو اسکو ہلکر کے استحصال بالجبر سے اور دوران محاصرہ میں اپنے
اضلاع کی آمدنی بالکل بند ہوجانے سے اٹھانا پڑا تھا تو اس نے برطانوی گورنمنٹ
سے مفاہمہ کرنا چاہا۔ چنانچہ بہت ہی جلد ایک معاہدہ اس شرط پر طے کرلیا گیا کہ
راجہ چار قسطوں میں بیس لاکھ روپے اس فوج کشی کے مصارف کے لئے ادا
کرے جو اسکے خلاف کام لینے میں گورنمنٹ کے خرچ ہوے تھے۔ لیکن اس فوج کشی
کے ثمرات ہماری اس ناکامی کی ذلت کو نہیں مٹا سکے کیونکہ اس کی یادگار دکن کے
دور دراز صوبوں میں بھی برطانوی گورہ سپاہیوں کے سبلے تکے بیانوں میں برابر
دہرائی جاتی تھی جنکو مورچوں اور فصیلوں پر سے نیچے پھینک پھینک دیا گیا تھا۔

سندھیا کی مخاصمانہ روش

سندھیا کی مخاصمانہ روش کی وجہ سے امن قائم کرنیکی کارروائی
میں اور بھی جلدی کیگئی۔ سرجی الجن کائل کے صلحنامے
کی رو سے سندھیا اس بات کا پابند ہوگیا تھا کہ اپنے تمام دعاوی اُن راجاؤں پر
سے اٹھالے جنھوں نے گورنمنٹ برطانیہ سے معاہدات اتحاد کرلیئے تھے۔ لیکن
جب فہرست سندھیا کے سامنے پیش کی گئی تو اسمیں رانائے گوہد اور قلعہ گوالیار
کا نام دیکھکر اسے سخت اشتعال پیدا ہوا۔ اسنے اس خیال کو نہایت نفرت سے

ساتھ دیکھا کہ راناے گوہد کو خود مختار رئیس سمجھا جائے اور اسکو قلعہ گوالیار بھی حوالے کردیا جائے دراں حالیکہ یہ رانا سندھیا کا باجگذار تھا اور یہ قلعہ صرف اپنے استحکام کی وجہ سے سندھیا کو عزیز نہیں تھا بلکہ اسلیئے بھی قابل قدر تھا کہ یہ شہنشاہ دہلی کا شخصی عطیہ تھا۔ جنرل ولزلی نے گورنر جنرل کے سامنے یہ تصدیق کی کہ سندھیا نے اس صلحنامے پر بلا کسی صراحت کے بعد دستخط کیئے ہیں کہ یہ ریاست اور یہ قلعہ اسی سے متعلق رہیگا اور لارڈ ولزلی کو اسکا علم نہیں ہوگا اسلیئے لارڈ موصوف نے گوہد کو ایک خود مختار ریاست قرار دیا ہے جنرل ولزلی نے یہاں تک کہدیا کہ میں بذات خود اپنی زبان اور اپنے وعدے کا پاس کرنیکے لیئے اور اپنا اعتبار قائم رکھنے کے لیئے گوالیار اور گوہد کیا ان سے دس گنا علاقہ قربان کردینے کے لیئے تیار ہوں۔ میجر مالکم جو سندھیا کے دربار کا برطانوی رزیڈنٹ تھا اُسنے بھی اس معاملے میں خاص طور سے زور دیا لیکن لارڈ ولزلی جو دراصل غلط مسلک اختیار کیئے ہوئے تھا اپنی تجویز پر اڑا رہا اور یہاں تک تحکمانہ انداز اختیار کیا کہ سندھیا کو مجبوراً امر تسلیم خم کرنا پڑا مگر یہ نقصان ہمیشہ سندھیا کے دل کو ایک پھوڑے کی طرح دکھ دیتا رہا۔

برطانیہ کے خلاف اتحاد کرنل مونسن کی منحوس پسپائی اور محاصرۂ بھرت پور کی ناکامی نے تمام ہندوستان میں ایک سنسنی پیدا کردی تھی۔ اسائی کے فاتحین کو ہلکر نے آگرے تک مار کر بھگایا تھا اور گوالیار کے فاتحین کو ایک مٹی کے قلعے کے سامنے میدانوں میں ناکام پڑا رہنا پڑا تھا اسلیئے یہ خیال عام طور سے دلوں میں جاگزیں ہوگیا تھا کہ اب کمپنی کے اقبال کو زوال ہورہا ہے۔ چنانچہ ایک مخاصمانہ اتحاد انگریزوں کے خلاف قائم کیا گیا جسمیں سندھیا۔ ہلکر۔ امیر خاں اور راجہ بھرت پور شریک تھے سندھیا نے انگریزوں کے اتحادیوں پر حملہ کرنے کی اور ساگر پر یورش کرنیکی جرأت کی۔ (صفحہ ۲۷۶) سندھیا کے وزیر سرجی راؤ کے ایما سے مسٹر جنکنس رزیڈنٹ کا پڑاؤ لوٹ لیا گیا اور رزیڈنٹ موصوف کو نظربند کردیا گیا۔ علاوہ براں سندھیا نے چالیس ہزار کی ایک سپاہ فراہم کی اور بھرت پور کی طرف اس حیلے سے

پیشقدمی شروع کی کہ برطانوی گورنمنٹ اور راجہ بھرتپور کے درمیان گفتگوے صلح طے کرنیکو جارہا ہے۔ لارڈ ولزلی کو اُس توہین سے بہت صدمہ ہوا جو سندھیا کی ان تجاویز سے گورنمنٹ برطانیہ کو برداشت کرنی پڑی تھی لیکن لارڈ ولزلی اور جنرل ولزلی دونوں بھائی اس وقت سندھیا کے ساتھ کسی قسم کی بدمزگی پیدا ہونیسے بچنا چاہتے تھے کیونکہ فوج کی اخلاقی حالت بہت پست ہورہی تھی اور شمال مغربی سرحد بالکل غیر محفوظ ہورہی تھی۔ برطانوی رزیڈنٹ نے سندھیا کو بھرت پور کی طرف دریائے چمبل عبور کرنے سے یہ سمجھاکر باز رکھنا چاہا کہ ایسی حرکت سے یقیناً جنگ پیش آکر رہے گی اسلئے سندھیا کو اپنے دارالحکومت کی طرف واپس ہوجانا چاہئے۔ لیکن سندھیا نے اپنے خزانے کے بالکل خالی ہونیکا عذر پیش کیا اور جنرل ولزلی نے لارڈ ولزلی کو یہ یقین دلایا کہ دراصل گذشتہ نقصانات کی وجہ سے سندھیا بہت کچھ مفلسی میں گرفتار ہوگیا ہے چنانچہ جنرل مذکور کے مشورے کے مطابق اُسکو سرکاری خزانے سے معقول رقم دیدیگئی جسپر وہ راستے سے لوٹ کر سبل گڑھ آگیا۔

کچھ ہی عرصے بعد ہلکر اور امیر خاں بھی اپنے تیس ہزار سواروں کے ساتھ سندھیا سے آملے۔ ان اتحادیوں نے سندھیا سے روپیہ طلب کیا مگر اُسکا خزانہ خالی ہوچکا تھا اسلئے اُسنے اُنہیں اپنے سپہ سالار امباجی انگلیا کو لوٹ لینے کی اجازت دیدی جسنے اُسکی ملازمت میں دو کروڑ روپیہ جمع کرلیا تھا اور سندھیا کے خسر شرجی راؤ نے امباجی کو سخت اذیتیں پہنچاکر پچاس لاکھ روپیہ اُس سے اُگلوا ہی لیا۔ اس بدکردار شرجی راؤ کی سفاکیوں سے نفرت کھاکر سندھیا نے اُسکو برخاست کرکے امباجی ہی کو اسکی جگہ مقرر کردیا اور اس عہدے پر متعین ہوتے ہی امباجی نے اپنے آقا میں اور ہلکر اور امیر خاں میں جو معاہدۂ اتحاد ہوا تھا اُسکو فسخ کرادیا اور اسطرح برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ سمجھوتہ ہوجانیکا راستہ کھول دیا۔ سندھیا کو بھی اب کسی فائدے کی امید تو رہی نہیں تھی بلکہ کمپنی کے ساتھ جھگڑا کرنے سے ہر طرح کے نقصان کا ہی خطرہ لگا ہوا تھا اسلئے وہ بھی پھر میل ملاپ ہوجانیکا دل سے خواہشمند تھا۔ ادھر

لارڈ ولزلی کو بھی اچھا سا سمجھوتہ ہو جانیکی فکر تھی جس سے سلطنت کے روز افزوں فوجی اخراجات میں تخفیف کی جا سکے - اُسنے یہ عزم کر لیا تھا کہ بنظر مصلحت سیاسی گوہد اور گوالیار کو بھی سندھیا کے قبضے میں دیدے اور چھ ہفتے کے اندر تمام اختلافات کا اچھی طرح باہمی تصفیہ ہو جاتا اور ہندوستان کا امن و امان ایک مستحکم بنیاد پر قائم ہو جاتا لیکن ۳۰ جولائی ۱۸۰۵ء کو لارڈ ولزلی کا عہد حکومت لارڈ کارنوالس کے ہندوستان پہنچ جانے سے ختم ہو گیا اور لارڈ ولزلی کی حکمت عملی کے تمام منصوبے الٹ پلٹ ہو کر رہ گئے -

لارڈ ولزلی کا عہد حکومت - کمپنی کی تاریخ میں سب سے زیادہ قابل یادگار ہے اُسنے سلطنت کو ہر سمت سے خطرات سے گھرا ہوا پایا تھا اور اسنے اپنے جانشین کو وہی سلطنت نہایت محفوظ حالت میں سپرد کی اور کمپنی کا رسوخ و اقتدار ہندوستان میں ایسے عروج پر پہنچ گیا جیسا آج تک کبھی نہیں پہنچا تھا - اُسنے حیدر آباد کی فرانسیسی فوج کا بالکل استیصال کر دیا - میسور کی بادشاہت کو الٹ دیا اور معبراً ہند کا مالک بن گیا - اُس نے سندھیا کی پرخطر فرانسیسی پلٹنوں کو برطرف کر دیا اور سندھیا کے مقبوضات ہند کو برطانوی صوبہ بنا لیا - اسنے مرہٹے سرداروں کی قوت کو ایسا توڑا کہ وہ پھر اُبھر ہی نہ سکے اسنے کمپنی کے علاقے اور وسائل دونے کر دیئے - اسنے سلطنت کو قائم کرنے اور مستحکم کرنیکی خاص قابلیت کا اظہار کیا اور اگر اُس سے پہلے وارن ہسٹنگز اور اُسکے بعد لارڈ ڈلہوزی نہیں آئے ہوتے تو لارڈ ولزلی ہی ہندوستان کا سب سے بڑا گورنر جنرل کہلائے جانیکا مستحق تھا - لارڈ ولزلی نے یہ عزم بالجزم کر لیا تھا کہ ہندوستانی رئیسوں کے اُن خونریز تنازعات کو بالکل مٹا کر رہیگا جنکی وجہ سے اورنگ زیب کی وفات کے بعد سے ایک صدی کے عرصے میں ہندوستان کے سرسبز ترین صوبے برباد ہو کر چٹیل میدان بن گئے تھے - بقول اُسکے بھائی ڈیوک آف ولنگٹن کے لارڈ ولزلی نے اچھی طرح اس بات کو سمجھ

(صفحہ ۲۰۰)

باب پنجم
فصل پنجم

لیا تھا کہ جب تک ہندوستان میں ایک زبردست سلطنت ایسی نہیں پیدا ہو جائیگی جو اپنی قوت اور اپنے وسائل اور اپنے فوجی استحکام کی وجہ سے سب پر غالب آکر سبکو اپنی روک تھام میں رکھے اُس وقت تک کسی قسم کی مستقل حکمت عملی سے بھی یہ ممکن نہیں ہوگا کہ زبردست کی زبردست کے مقابلے میں حفاظت کی جاسکے یا ہندوستان کے رئیسوں کو اپنی اپنی اختیاری حیثیتوں پر قانع رکھکر ملک میں امن قائم رکھا جاسکے۔ یہ زبردست سلطنت کمپنی بنتی چلی جارہی تھی۔ مگر کمپنی اب بھی ایک تجارتی جماعت تھی جسکی طبیعت میں فوجی کارروائیوں کا ڈر بیٹھا ہوا تھا۔ کیونکہ ایسی کارروائیوں سے کمپنی کی وہ رقم جو کھم میں پڑجاتی تھی جس سے مال تجارت کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور کمپنی کی اصطلاح میں غیر معمولی رقوم گھٹانی بڑھانی پڑتی تھیں۔ لیڈن ہال سٹریٹ کے قالب میں تجارت کی روح اب بھی جلوہ گر تھی برخلاف اسکے لارڈ ولزلی کا اصول عمل یہ تھا کہ جب تک کمپنی کو اس بڑی سلطنت میں شاہانہ حکومت کی حیثیت حاصل ہے اس وقت تک کمپنی کے شاہانہ فرائض کمپنی کے تجارتی اغراض پر غالب رہنے چاہئیں۔ ان متضاد مطمح نظر نے انڈیا ہاؤس میں لارڈ ولزلی کی طرف سے بڑے مخالف خیالات پیدا کردیئے تھے۔ علاوہ بریں ایوان حکومت نے بھی اسی میں مصلحت سمجھی تھی کہ توسیع مملکت کی مخالفت کی جائے اور بغیر مجلس انتظامیہ کی منظوری کے دیسی رئیسوں کے ساتھ ہر قسم کے اتحاد سے احتراز کیا جائے۔ اور ایوان حکومت کو یہ امید تھی کہ ان احکام کا اتباع کرکے انگریز لوگ امن سے دیسی رئیسوں کے ساتھ گزارہ کرسکینگے اور اپنے تجارتی منصوبوں کو بلا خرخشہ پورا کرسکینگے۔ لیکن اس قاعدے کی صریحی مخالفت کرکے لارڈ ولزلی راس کماری سے ستلج تک ہر جگہ جنگبازی میں مصروف رہا ایک کے بعد دوسرے رئیس کا زور توڑتا چلا گیا اور کمپنی کو نصف ہندوستان کا مالک اور نصف ہندوستان کا حامی و نگہبان بنادیا۔ مجلس انتظامیہ کے ممبروں کو لارڈ ولزلی کے ہمہ گیر منصوبوں نے اور دلیرانہ اولوالعزمیوں نے

(صفحہ ۲۲)

بدحواس کر دیا تھا اور اُسکا دست لارڈ کاسلریو صدر جماعت نگران کار بھی انگریزوں کی وسیع مملکت اور گراں بار ذمہ داریوں کو تشویش کی نظر سے دیکھنے لگا تھا، ہلکر کے ساتھ لڑائی ایک نہ ایک دن ہوتی ضرور تھی مگر اس جنگ کا اعلان ہوتے ہی گویا لارڈ ولزلی کے قصوروں کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا لندن کے لیڈن ہال اسٹریٹ میں انتہا درجے کا خوف پیدا ہوا اور فوراً یہ تجویز کی گئی کہ لارڈ ولزلی کو واپس بلا لیا جائے اور پھر صورت حالات کو اُس معیار پر لانیکی کوشش کیجائے جو ۱۷۹۲ء کے ضابطے کے مطابق قائم کر دیا گیا تھا۔ یا بالفاظ دیگر ہندوستان کی سیاسی گھڑی کی سوئیاں بارہ سال پیچھے ہٹا دی جائیں۔

لارڈ ولزلی کی واپسی انگلستان پر ایک کوشش یہ بھی ہوئی تھی کہ اسکو بھی ملزم گردانا جائے۔ ایک شخص مسٹر پال جو قوم کا درزی تھا ہندوستان میں قسمت آزمائی کرنے گیا تھا اور لکھنؤ کے بدمستی و تعیش کے ساون بھادوں میں خوب دولت جمع کر کے لایا تھا اور اپنے روپے کے زور سے پارلیمنٹ میں ممبری حاصل کر لی تھی اور لارڈ ولزلی کے خلاف سخت بدکرداری اور سنگین جرائم کے الزامات اُسنے پارلیمنٹ میں پیش کیئے تھے مگر میعاد پارلیمنٹ کے ختم ہو جانیکی وجہ سے وہ الزامات بھی جگہ کی جگہ رہگئے اور دوسرے انتخاب میں جب پال کا انتخاب نہیں ہوا تو اُسنے خودکشی کر لی۔ اسکے بعد لارڈ فاکسٹن نے اس الزام کی تجدید کی لیکن جو تجویز لارڈ ولزلی کو ملزم گردانے کی پیش کی گئی تھی وہ (۳۱) کے مقابلے میں ۱۱ ۸۲ رایوں سے نامنظور ہو گئی۔ مگر ادھر کینہ توز مجلس مالکان نے لارڈ ولزلی کے خلاف تجویز ملامت کو (۱۹۵) کے مقابلے میں (۹۲۸) رایوں سے منظور کر لیا۔ لیکن تیس سال کے بعد جب تعصب پر حق غالب آگیا تو مجلس انتظامیہ نے اسکے مراسلات کو شائع کرتے وقت بالاتفاق منظور شدہ تجویز کے ذریعے سے لارڈ ولزلی کو یہ اطمینان دلایا کہ مجلس موصوفہ کی رائے میں لارڈ ولزلی اپنے تمام دوران حکومت میں جو کچھ کیا صرف اس وجہ سے کیا کہ ہندوستان

(ر)فاہ عام اسکے مدنظر تھی اور سلطنت برطانیہ کے اغراض و مفاد اور انگریزوں کی قومی عزت کا قائم رکھنا اُسکا نصب العین تھا۔ اور مجلس انتظامیہ اسکے شاندار عہد حکومت کے کارناموں کو بھی اُسی عزت و وقار کی نظروں سے دیکھتی ہے جس نظر سے دوسرے انگریز لوگ دیکھتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی مجلس موصوفہ نے اسکو بیس ہزار پونڈ کا انعام پیش کیا اور یہ حکم دیا کہ انڈیا ہاؤس میں اُسکے حسن خدمات کی یادگار کے طور پر اسکا مجسمہ نصب کیا جائے۔

باب ششم

فصل اول

لارڈ کارنوالس اور سر جارج بارلو

لارڈ کارنوالس کا مختصر عہد حکومت اور وفات

ہندوستان کی تمام مشکلات میں مسٹر پٹ کا حقیقی مشیر اور صلاح کار لارڈ کارنوالس رہا تھا۔ جب وارن ہیسٹنگز کی کارروائیوں سے کمپنی کے مقبوضات معرض خطر میں آگئے تو لارڈ کارنوالس کو ازسرنو اُنکو محفوظ بنانے کے لیئے بھیجا گیا تھا۔ دوسری مرتبہ ۱۷۹۷ء میں جب سر جان شور کی کمزوری سے افسروں کی بغاوت پیش آگئی تھی اور گورنمنٹ کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا تھا پھر لارڈ کارنوالس سے یہ خواہش کی گئی تھی کہ وہی ہندوستان جائے چاہے صرف ایک سال کے لیئے جائے۔ اُنکی پھر ۱۸۰۵ء میں تیسری مرتبہ اصرار سے اصرار کیا گیا کہ وہ گورنر جنرل کے عہدے کا انصرام قبول کرے اور سلطنت ہند کو اُس تباہی سے بچالے جو لارڈ ولزلی کی آزپروری کی وجہ سے اُسپر منڈلا رہی تھی۔ اگرچہ تیس سال تک امریکہ۔ ہندوستان اور آئرلینڈ

میں برابر خدمات ادا کرنے سے اُسکی صحت جسمانی بہت کمزور ہو گئی تھی مگر
وہ اپنی طبیعت کے موافق دعوتِ فرض سے انکار نہیں کرسکتا تھا چنانچہ وہ
۳۰- جون ۱۸۰۵ء کو کلکتے پہنچا جس وقت کہ ملک الموت کا ہاتھ اُسکی طرف
بڑھتا ہوا صاف نظر آرہا تھا۔ اُسکے چوبیس گھنٹے کے اندر لارڈ ولزلی کی قسمت
میں یہ معلوم کرنیکا صدمہ لکھا ہوا تھا کہ اُسکی تمام حکمت عملی کا سلسلہ ایک دم الٹ
پلٹ کردیا جانیوالا ہے۔ لارڈ کارنوالس نے آتے ہی یہ اعلان کیا کہ گورنمنٹ کا
منشاء خاص یہ ہے کہ تمام دیسی رئیسوں کو پھر اُنکی اصلی قوت۔ قابلیت اور خود
مختارانہ حیثیت پر بحال کردے اور یہ خیال اُنکے دل سے محو کردے کہ انگریزوں کا
کوئی ارادہ کسی دیسی ریاست پر انگریزی حکومت قائم کرنیکا نہیں ہے۔ بالفاظ
دیگر وہ کشتیٔ سلطنت کو ۱۸۰۵ء میں ۱۷۹۳ء کے احکام زائچہ کے مطابق چلانا چاہتا تھا

لارڈ کارنوالس کا اصول عمل

لارڈ کارنوالس تری کے راستے سے ملک میں دورہ
کرنے چلا اور ۱۹- ستمبر ۱۸۰۵ء کو لارڈ لیک کے پاس
ایک مراسلہ بھیجا جسمیں اُسنے اُس طرز عمل پر اظہار ناپسندیدگی کیا جو لارڈ لیک
نے اختیار کر رکھا تھا۔ اُسنے یہ ہدایت کی کہ خاندان ہلکر کے تمام ممالک اسی وقت
واپس کردیئے جائیں جسوقت جسونت راؤ معقولیت کا پہلو اختیار کرلے -
گوہد اور گوالیار سندھیا کو واپس کردیا جائے مسٹر جنکنس رزیڈنٹ گوالیار (صفحہ ۲۸۰)
کو جو سندھیا نے عزت کے ساتھ نظربندی میں رکھ چھوڑا تھا اور لارڈ ولزلی
نے اسکی خلاصی کا مطالبہ قائم کر رکھا تھا اگر اُس مطالبے سے انگریزوں میں
اور سندھیا میں صلح ہونے سے کوئی حرج پڑتا ہو تو اُس مطالبے سے بھی
درگذر کیا جائے جے پور کے ساتھ انگریزوں نے جو معاہدہ کرلیا تھا اُسے
کالعدم کردیا جائے۔ شہنشاہ اور اُسکے متعلقین کو کلکتے کے قریب کسی محفوظ
شہر میں روانہ کرکے دہلی مرہٹوں کو واپس دیدیا جائے۔ دریائے چمبل کے
شمال میں جتنے رئیسوں کے ساتھ معاہدات اتحاد قائم کیئے گئے تھے اُن
سبکو فسخ کردیا جائے اور انگریزی حمایت سے محروم ہوجانے میں جو نقصان
ان رئیسوں کو برداشت کرنا پڑے گا اُن کی تلافی کے لیئے انکو اس انگریزی

باب ششم
فصل اول

علاقے میں سے بقدر حیثیت اضلاع حوالے کردیئے جائیں جو جمنا پار انگریزوں نے حاصل کیا تھا جہاں تک انگریزوں کی آخری سرحد قائم ہونیوالی تھی۔

لارڈ کارنوالس کی وفات ۱۸۰۵ء

قبل اسکے کہ یہ مراسلہ لارڈ لیک کو پہنچے لارڈ کارنوالس اپنی قبر میں پہنچ چکا تھا۔ اس مراسلے کا مضمون اسنے اپنے سکرٹری کو اس وقت لکھوایا تھا جس وقت وہ اس درجہ جسمانی اور قلبی کمزوری میں مبتلا تھا کہ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ مرد بہ اصول عمل کی اس بے ہنگام اور فوری تبدیلی کے نتائج اور حدود اثر کو بھی پورے طور پر سمجھ سکتا تھا یا نہیں۔ غازی پور پر وہ کشتی سے اترا اور وہیں ۵۔ اکتوبر ۱۸۰۵ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ لارڈ کارنوالس میں وارن ہسٹنگز یا لارڈ ولزلی کی سی اپج ہرگز نہیں تھی اور بہ حیثیت گورنر جنرل کے اس کی قابلیتوں کا اندازہ زیادہ کرکے کیا گیا ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ ہندوستان کے حاکموں میں سے اپنی غیر جانب داری اور راستبازی۔ اپنی مردانہ کاری۔ اور اپنی تمام کارروائیوں کو انصاف اور اعتدال پسندی کا پابند رکھنے میں کسیکو بھی یوربین اور ہندوستانی اہل سیاست اور اہل الرائے کا اعتماد اس درجے نہیں نصیب ہوا جتنا لارڈ کارنوالس کو تھا۔

سر جارج بارلو اور اسکا اصول عمل

کونسل کے اعلیٰ ممبر سر جارج بارلو نے عارضی طور پر لارڈ کارنوالس کی وفات پر انصرام حکومت کو سنبھال لیا۔ کئی سال تک سر جارج بارلو سلطنت کے اکثر صیغوں کی افسری کر چکا تھا اسلیئے اسکا تجربہ ہندوستانی معاملات میں بہت وسیع تھا۔ تین متواتر گورنر جنرلوں نے سر جارج بارلو کی قابلیت و مستعدی کی تعریفیں کی تھیں اور اگرچہ وزارت نے نہایت عقلمندی کے ساتھ پھر یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ کسی مقامی حاکم کے ہاتھ میں زمام حکومت ہند نہیں دی جائیگی مگر اس موقع پر لارڈ ولزلی کی سفارش کا اثر وزارت پر ہوگیا اور اسنے سر جارج بارلو کو ہندوستانی حکومت کے اعلیٰ ترین منصب سے سرفراز ہونیکا موقع دیدیا۔ لیکن سر جارج بارلو صرف اول درجے کا ملکی حاکم تھا جو ہر ماتحت صیغے کی افسری کے لیئے نہایت موزوں ہو سکتا تھا لیکن

اُسمے شاہانہ انداز سیاست کی ہوا بھی نہیں لگی تھی جسکی ایک سلطنت کے انتظام کے لیئے ضرورت تھی۔ جب تک سر جارج بارلو لارڈ ولزلی کے شاہانہ مزاج سے زیر اثر رہا اُس وقت تک وہ لارڈ موصوف کی زبردست اور ہمہ گیر حکمت عملی کا دل سے مقلد رہا اور اسکی طبیعت اسقدر لارڈ ولزلی کی طبیعت کے مطابق ہوگئی تھی کہ جب لارڈ ولزلی کی حکمت عملی کو انڈیا ہاؤس نے مسترد کر دیا تو سر جارج بارلو کے لارڈ ولزلی کے بعد گورنر جنرل بنائے جانیکی امیدیں بھی منقطع ہوگئیں۔ یہ واقعہ اُس سے لارڈ کارنوالس نے بیان کیا اور اُسکا لازمی اثر سر جارج بارلو پر یہ پڑا کہ اُسنے بھی لارڈ ولزلی کے خلاف حکمت عملی کا مسلک اختیار کر لیا اور اُسی روش کا ایسا جانبدار بنگیا کہ پھر اُسے کسی دوسرے راستے پر لگایا جانا ہی ناممکن ہوگیا۔ سر جارج بارلو نے جتنی جلد ممکن ہوا لارڈ لیک کو اپنے اس منشاء سے مطلع کر دیا کہ دیسی ریاستوں کے ساتھ تمام معاہدات اتحاد کو فسخ کیا جانا چاہیئے اُنکے معاملات میں مداخلت کرنیکے تمام حقوق سے دست بردار ہوجانا چاہیئے اور جمنا پار کی تمام ریاستوں سے جتنے تعلقات قائم ہیں اُنکو قطع کر ڈالنا چاہیئے۔ لارڈ ولزلی کی تجویز یہ تھی کہ انگریزی مملکت کی حفاظت و سلامتی کو انگریزی حکومت کو سب پر غالب کر کے امن عامہ قائم کر لینے سے حاصل کرنا چاہیئے لیکن سر جارج بارلو کا خیال یہ تھا کہ اگر دیسی ریاستوں کو ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچنے کے لیئے آزاد چھوڑ دیا جائیگا تو اُنھیں انگریزوں کی طرف توجہ کرنیکی یا اُن پر حملہ کرنیکی فرصت ہی نہیں ملیگی اور اسطرح بھی انگریز بالکل محفوظ و مامون رہ سکینگے اس کوتہ اندیشانہ اصول عمل کی مسٹر مٹکاف عارضی گورنر جنرل نے بعد کے زمانے میں ان الفاظ کے ساتھ توضیح کی تھی۔

(صفحہ ۱۲۸)

> یہ وہ ذلت ہے جسکی تلافی نہیں ہوسکتی۔ وہ معاہدے ہیں جن سے حفاظت میسر نہیں ہوسکتی اور وہ صلح ہے جس سے امن نصیب نہیں ہوسکتا۔

سندھیا کے ساتھ صلح ۱۸۰۵ء

سندھیا بھی کلکتہ گورنمنٹ کے ساتھ پھر تصادم ہونے سے اتنا ہی پہلو بچانا چاہتا تھا جتنا خود گورنر جنرل اُنکو

باب ششم
فصل اول

ٹالنے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ سندھیا نے لارڈ لیک کے مستقر پر ایک سفیر عین اُسوقت
بھیجا جبکہ وہ ہلکر کے تعاقب میں روانہ ہونیوالا تھا۔ ۲۵- دسمبر ۱۸۰۵ء کو ایک
معاہدہ مرتب کیا گیا جسکی شرائط کی روسے گوہد اور گوالیار سندھیا کو واپس
دیے گئے۔ انگریزی گورنمنٹ اور سندھیا کی مملکت کے درمیان دریائے
چمبل بطور سرحد کے قائم کیا گیا اور انگریزوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ راجگان
جودھ پور و اودے پور سے کوئی معاہدہ نہیں طے کرینگے جن دونوں پر سندھیا
کو اپنے باجگزار ہونیکا دعوے تھا۔ شمالی ہندوستان میں مور و ملخ کی طرح وہ
تلوار کے دھنی بھرے پڑے تھے جن میں سے اکثر اُن فوجوں سے تعلق رکھتے
تھے جو سندھیا اور راجہ ناگپور نے توڑ دی تھیں اور بہت سے اُس بے قاعدہ
فوج کے سپاہی تھے جنہیں کمپنی نے اپنی ملازمت سے علیٰحدہ کر دیا تھا۔ اس لئے
باوجود اپنی زمانہ حال کی شکستوں کے بھی ہلکر کو بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار
پیدل فوج جمع کر لینے میں کوئی دقت نہیں پیش آئی لارڈ لیک اپنے رسالے
اور سکھ و پیدلوں کو لیکر ہلکر کے تعاقب میں روانہ ہوا اور تعاقب کے دوران
میں پہلی مرتبہ دریائے ستلج کے کناروں پر انگریزی فوج کو وہی سپہ سالار لیکر گیا
جس نے پہلی مرتبہ جمنا کے کناروں پر اپنے لشکر کا پڑاؤ ڈالا تھا۔ ستلج کو عبور
کرکے لارڈ لیک کی ملاقات رنجیت سنگھ سے ہوئی۔ یہ چوبیس سال کا سکھ سردار
پنجاب میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد قائم کرنے میں مصروف تھا۔ دریائے بیاس
کے کناروں پر جنرل لیک نے رنجیت سے ایک معاہدہ طے کیا جسکی رو سے
رنجیت نے وعدہ کیا وہ ہلکر کو آئندہ کوئی امداد نہیں دیگا بلکہ اُسے فوراً
پنجاب خالی کر دینے پر مجبور کریگا۔ اب ہلکر ایک بے یار و مددگار مفرور کی
طرح انگریزوں کے آگے آگے سکھوں کے متبرک مقام امرتسر تک آگیا اور
یہاں اُسنے اپنا سفیر جنرل لیک کی خدمت میں عاجزانہ التجائے صلح کے ساتھ
بھیجا کیونکہ وہ ہر قسم کے شرائط پر طے کر لینے کو تیار تھا۔

سر جارج بارلو کی خاص ہدایت کے مطابق ایک صلحنامہ کا مسودہ ہلکر کے سامنے پیش کیا گیا	ہلکر کے ساتھ ذلت آمیز صلحنامہ ۱۸۰۵ء

(صفحہ ۲۰۲)

جسکی شرائط کے مطابق ہلکر کو اُسکی پوری قوت پر بحال کر دیا گیا تھا۔ اُسکے وہ تمام علاقے واپس کر دیئے گئے تھے جو اُسکے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اُن تمام رئیسوں کے معاملات میں مداخلت کرنے سے انگریزی گورنمنٹ نے اپنے حقوق سے دستبرداری کی تھی جن پر ہلکر کو اپنے باجگزار ہونیکا دعوے تھا اُس کے لیئے یہ پابندی رکھی گئی تھی کہ وہ رامپورہ اور بوندی پر سے اپنے تمام دعاوی سے دستبردار ہو جائے کسی یورپین کو اپنی ملازمت میں نہ رکھے۔ ہندوستان کو ایک مقررکردہ راستے سے واپس آئے اور آئندہ کے لیئے کمپنی اور اُسکے اتحادیوں کے علاقہ پر ہر قسم کی دستبرد سے باز رہے۔ ہلکر اس وقت اپنی اقبالمندی کی طرف سے بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ اسلیئے اُسکے لیئے یہ شرائط نعمت الٰہی سے کم نہیں تھیں لیکن اُنکی ناقابل اعتبار نرمی نے اُسے یہ یقین دلایا کہ ایسی شرطیں صرف ڈر کے مارے پیش کی جاسکتی ہیں اور اُسکا وکیل ان مزید مطالبات کے ساتھ انگریزی لشکر میں آیا کہ اٹھارہ ضلع اور ہندوستان میں ہلکر کو دیئے جائیں۔ اور جے پور سے خراج وصول کرنیکی آزادی ہلکر کو دی جائے مگر یہ دونوں شرطیں جنرل لیک نے نامنظور کر دیں۔ اس طرح وکلا کی آمد و رفت میں تازہ مشکلات پیدا ہو گئیں یہاں تک کہ لارڈ لیک نے از سر نو فوجی کارروائی اور تعاقب کرنیکی دھمکی دی اُسپر صلحنامے کو ہلکر کی طرف سے تصدیق کر کے فوراً جنرل موصوف کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ مگر سندھیا اور ہلکر دونوں کے ساتھ جو معاہدات ہوے تھے اُن دونوں کی شرائط سر جارج بارلو کی ناخوشی کا باعث ہوئیں۔ اسکی رائے یہ تھی کہ چمبل کو مرہٹوں کی سرحد مقرر کرنیکے معنے یہ ہیں کہ اُسکے پار جتنی ریاستیں ہیں اُنکو مرہٹوں کی دستبرد سے بچانیکی ذمہ داری برطانوی گورنمنٹ کے سر رہتی ہے اسلیئے اُسنے مزید شرائط اُن صلحناموں میں ایسی بڑھائیں جنکی رو سے دریائے جمنا کے مغرب میں جتنی ریاستیں تھیں اُن سب کی حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری سے برطانوی گورنمنٹ نے اپنے تئیں بری الذمہ قرار دیا تھا۔ رامپورہ خوشی سے ہلکر کو واپس کر دیا گیا تھا اور ہلکر نے اس موقع پر شاہی سلامی کی توپیں سر کیں اور کہا کہ یہ انگریز بھی بڑے بد معاش ہوتے ہیں

ان پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئیے۔ راجہ بوندی کو بحیثیت ایک مستقل اور وفادار
اتحادی ہونیکے کمپنی کی طرف سے انتہادرجے کی احسان شناسی کے برتاؤ کا استحقاق
حاصل تھا کیونکہ اُسنے ہلکر کی دھمکیوں کی پروا نہ کرکے اُس وقت سے دو سال
پہلے کرنل مونسن کو اُسکی پسپائی کے وقت پناہ اور امداد دی تھی۔ لارڈ لیک نے
اُسکو بچانیکی انتہا درجے کی کوشش کی مگر سر جارج بارلو نے ہر فہمائش کی طرف سے
اپنے کان بند کرلیئے اور صلحنامے کی اُس شرط کو بالکل قلمزد کر ڈالا جو راجہ بوندی کو
ہلکر کے انتقام اور جبر و ستم سے بچانیوالی تھی ٭

راجہ جے پور

جے پور کے معاملے میں جو روش اختیار کی گئی وہ اُس سے بھی زیادہ
ذلت آمیز تھی۔ اول اول راجہ نے لارڈ ولزلی کے حمایتی معاہدے
کی پابندی اپنے اوپر عائد کی لیکن جسوقت کرنل مونسن ہلکر کے سامنے سے بھاگا
چلا آرہا تھا اوس وقت راجہ جے پور کی وفا شعاری میں کچھ تذبذب آگیا تھا اور
لارڈ ولزلی نے لارڈ کارنوالس کو یہ اطلاع دیدی تھی کہ اس نقض عہد نے
راجہ جے پور کو انگریزی حمایت کے حقوق سے محروم کردیا ہے۔ اُس کے
دوسرے سال ہلکر پھر راجہ جے پور کے علاقے میں داخل ہوا اور کمپنی کے خلاف
اُس سے استعانت چاہی لیکن لارڈ لیک نے راجہ کو یہ اطلاع دی کہ اگر وہ
ہلکر کی ترغیب و تحریص پر غالب آجائیگا تو اُسے پھر انگریزی حمایت کی برکت
نصیب ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس موعودہ حمایت کی امید پر راجہ نے تہ دل
سے معقول امداد اُن انگریزی فوجوں کو دی جو ہلکر کے تعاقب میں کوچ کررہی تھیں (دسمبر ۱۸۰۳)
لارڈ کارنوالس چونکہ بات کا دھنی تھا اسلیئے اسنے صاف کہدیا کہ جو وعدہ
لارڈ لیک نے کیا ہے اُسکا احترام واجب و لازم ہے۔ گو سر جارج بارلو نے اس
قسم کی کسی پابندی کے تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیا اور جب ہلکر قتل و غارت
پر آمادہ ہوکر جے پور کے علاقے میں گھسا تو سر جارج بارلو نے راجہ جے پور کو صاف
اطلاع دیدی کہ کرنل مونسن کی پسپائی کے زمانے میں جو نقض عہد اُسنے کیا تھا
اُسکی پاداش میں برطانوی حمایت اُسپر سے ہٹالی گئی ہے۔ لارڈ لیک کے اُس
طے کیئے ہوئے معاملے کے ساتھ گورنمنٹ نے جس حقارت کا اس وقت برتاؤ کیا

اُس سے لارڈ لیک کی طبیعت میں نہایت نفرت پیدا ہوئی کیونکہ وہ اسکو قومی خصوصیات کے زوال سے تعبیر کر رہا تھا اسلیئے لارڈ موصوف نے اپنے تمام سیاسی فرائض سے سبکدوشی حاصل کر لی ؛

ہلکر کی چیرہ دستیاں

صلحنامے کی رو سے ہلکر اسکا پابند تھا کہ ایک مقررہ راستہ سے ہندوستان کو واپس لوٹے اور کمپنی یا اُسکے اتحادیوں کے علاقے پر ہر قسم کی چیرہ دستی سے احتراز کرے۔ لیکن دوران جنگ کے بھتے کی بچت کرنے کے لیئے سر جارج بارلو نے لارڈ لیک کو یہ حکم بھیجا کہ بہت جلد پنجاب سے واپس چلا آئے اور جیسے ہی ہلکر کو یہ معلوم ہوا کہ انگریزی فوجیں ستلج سے پار اتر گئی ہیں ویسے ہی اُسنے پنجاب کے اضلاع جو اپنے غارت گر تھے دل کو چھوڑ دیا بلکہ کوئی شرط معاہدے کی ایسی باقی نہ چھوڑی جس سے بالقصد اُسنے اختلاف نہ کیا ہو۔ وہ ایک ماہ تک جے پور کے علاقے میں پڑا رہا اور جب اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ راجہ پر سے برطانوی حمایت کا سایہ اٹھا لیا گیا ہے اسوقت اُسنے راجہ جے پور سے اٹھارہ لاکھ روپے کا نذرانہ زبردستی وصول کیا اور اپنا بدلہ نکالنے بوندی کی طرف کوچ کر دیا۔ اس جنگ مرہٹہ کے منحوس اختتام نے اس سے زیادہ سنگین تنازعہ کا بیج بو دیا۔ لارڈ ولزلی کے اصول عمل کی دور اندیشی اُس بارہ سال کی طوائف الملوکی سے اچھی طرح ثابت ہو گئی جسکا دور دورہ اس اصول عمل کی مخالفت کرنیکے بعد سے شروع ہوا۔ اور الگ تھلگ رہنے کے اصول اور غیر جانبداری کی حکمت عملی نے ایک ایسی نئی غارتگر فوج کے پیدا ہو لینے میں مدد دی جسکے استیصال کرنیکے لیئے آخر کار ایک لاکھ کی زبردست فوج کی ضرورت پڑ گئی۔

راجپوتانے کی بربادی

اس عدم مداخلت کی حکمت عملی کے سقام بہت جلد ظاہر ہونے لگ گئے۔ رانا اودے پور کو ہند کی عظمت و شان کا آفتاب سمجھا جاتا تھا اور اُسکے خاندان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق پیدا ہو جانیکو معاشرتی امتیاز کا تمغہ جانا جاتا تھا۔ اس رانا کی خوبصورت لڑکی راجہ جودھپور سے منسوب ہوئی تھی اور اس راجہ کی بے وقت موت پر اس راجہ کے جانشین نے اس پر دعوے کیا مگر اُسکی شادی راجہ جے پور سے کر دی گئی۔ دو نوابوں قبیلوں نے

باب ششم
فصل اول
(صفحہ ۲۶۴)

تلوار سے فیصلہ کرنیکی ٹھان لی اور فریقین کی ایک لاکھ فوجیں سر میدان مقابلے کو آگئیں جنمیں صرف راجپوت ہی نہیں تھے بلکہ سندھیا کے مرہٹے اور امیرخاں کے پٹھان بھی تھے۔ فروری ۱۸۰۸ء میں راجہ جودھپور کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ لیکن اُسکے بعد ہی راجہ جودھپور نے پچاس لاکھ روپے کا وعدہ کرکے امیرخاں کو راجہ جے پور کی طرف سے توڑ لیا اور امیرخاں نے جے پور کے سرسبز و شاداب علاقوں کو برباد کرکے رکھدیا۔ باوجودیکہ رانا اودے پور نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا جو اُسکی معصوم بیٹی کی وجہ سے معرض وقوع میں آئی تھی مگر سندھیا اور امیرخاں نے اُسکے علاقے کو بھی لوٹنا شروع کردیا اور رانائے موصوف نے حد سے زیادہ مجبور ہوکر گورنر جنرل کی حمایت طلب کی اور اپنا نصف علاقہ اس امداد کے معاوضے میں پیش کرنا چاہا۔ اس وقت راجپوتانے کے ہر بن مو سے خون ٹپک رہا تھا۔ اور یہاں کے رو سا راجہ جودھپور جے پور رانا اودے پور اور ٹھاکر ظالم سنگھ مدار المہام کوٹہ نے برطانوی گورنمنٹ سے یہ کہکر امداد طلب کی کہ ہندوستان میں ہمیشہ ایک اعلیٰ حکومت ایسی رہی ہے جسکی طرف کمزوروں کی نظریں زبردستوں کی چیرہ دستیوں اور آزار پرو ریوں کے وقت امداد کے لئے اُٹھتی رہی ہیں۔ اس وقت کمپنی نے اُس اعلیٰ حکومت کی جگہ لے لی ہے اسلئے کمپنی اُس فرض کو ادا کرنیکی پابند ہے جو اس منصب اعلیٰ سے اُسپر عاید ہوتا ہے۔ اس وقت جو مرہٹے اور پٹھان تمام راجپوتانے کو لوٹ رہے تھے انہیں برطانیہ کی تلوار کے سامنے ٹھہرنیکی طاقت نہیں تھی اور گورنر جنرل کی ایک جنبش قلم سے فوراً امن قائم ہو سکتا تھا۔ لیکن اس قسم کی مداخلت انڈیا ہاؤس کے اصول عمل کے خلاف تھی چنانچہ رانا اودے پور کی درخواست نامنظور کی گئی اور اُسکو اپنا تمام علاقہ لوٹ سے بچانیکے لئے مجبور ہوکر اُسے اپنا چوتھائی علاقہ امیرخاں کے بھینٹ چڑھانا پڑا اور پٹھان لٹیرے کا پگڑی بدل بھائی بننے کی بھی ذلت گوارا کرنی پڑی۔

حیدرآباد

سرجارج بارلو کے عہد حکومت پر سب سے بڑا دھبہ راجپوتانے کو بے پناہ چھوڑ دینے کا ہے مگر اُسکو اپنی اُس تجویز کی وجہ سے خاصی نیکنامی بھی

باب ششم
فصل اول

حاصل ہوگئی جو اُسنے دکن میں امن قائم رکھنے کے لیئے اختیار کی تھی۔ نواب نظام الملک کا
قابل وزیر میر عالم انگریزوں کی غیر متزلزل جانب داری کی وجہ سے اپنے آقا کے
لیئے ایک مصیبت بنگیا تھا اسلیئے اُسکو اپنی جان بچانے کے لیئے ایک دفعہ مجبوراً
رزیڈنٹ برطانیہ کے پاس جاکر پناہ لینی پڑی۔ اسپر سنہ ۱۸۰۶ء میں نواب نظام الملک
نے فوراً سندھیا اور امیر خاں سے نامہ و پیام شروع کردیا اور کمپنی کی حکومت سے
علی الاعلان تمام تعلقات قطع کردینے کے ارادے سے فوجوں کا اجتماع شروع کردیا
اس وقت سر جارج بارلو کو یہ محسوس ہونے لگا کہ نواب نظام الملک کے ساتھ قطع
اتحاد سے ہندوستان کی سیاست گاہ میں برطانوی عروج و اقتدار کی بنیاد ہی
بالکل متزلزل ہوجائیگی۔ جو جگہ انگریزوں کو حیدرآباد میں حاصل ہے اُسکو چھوڑتے ہی
انگریزوں کے دشمن اُس جگہ قبضہ کرلینگے جسکا نتیجہ عالمگیر شورش و بے اطمینانی کی
صورت میں نکل کر رہیگا۔ اسلیئے اُسنے اس موقع پر عدم مداخلت کے اصول کو
بالائے طاق رکھدیا اور نواب نظام الملک کو صاف الفاظ میں یہ مشورہ دیا
کہ میر عالم کو اُسکے منصب وزارت پر بحال کردیں اور ریاست کے معاملات
میں برطانوی رزیڈنٹ کی بلاواسطہ مداخلت کو منظور کریں

(صفحہ ۲۸۵)

پیشوا

پونا کے معاملات میں بھی اُسکا طرز عمل اتنا ہی مستحق تعریف رہا۔ مجلس انتظامیہ
نے معاہدہ بسین کو تمام مصیبتوں کی جڑ سمجھ رکھا تھا اور وہ اس بات کی
خواہشمند تھی کہ مرہٹہ سیاسیات سے بالکل اپنے تیئں الگ کرلے اور
پیشوا کو مرہٹہ برادری کے سرپنچ کی حیثیت پر پھر بحال کردے۔ سر جارج بارلو
نے اپنی امکانی قوت کے ساتھ اس معاہدے میں کسی قسم کی ترمیم بھی ہونے
دینے کی مخالفت کی اور اُسنے اپنے آقاؤں کو صاف الفاظ میں یہ لکھ بھیجنے
کی جرأت کی کہ اگرچہ گورنر جنرل کو مجلس انتظامیہ کی ہر خواہش کی تکمیل کرنے
میں پوری توجہ کرنی لازم ہے مگر اُسپر اس تعمیل خواہشات سے بھی بڑھکر
ایک اور فرض ہے اور فرض حکومت برطانیہ کے اعلیٰ اقتدار کا
ہندوستان میں قائم رکھنا ہے اور اس اقتدار کو لارڈ ولزلی کے
مقرر کردہ دستور العمل مقام پونا کی خلاف ورزی کرنے سے یقیناً صدمہ

باب ششم
فصل اول

پہنچ جائیگا ؎

مالیہ

سر جارج بارلو کی فوری توجہ کی جس صیغے کو ضرورت تھی وہ مالیہ تھا کمپنی کی مالی مشکلات ہمیشہ اس جنگبازی سے بڑھ جایا کرتی تھیں جسمیں وہ مصروف ہوجاتی تھی۔ ایسی آمدنی میں کیا گنجایش نکل سکتی تھی جو صرف اراضی سے وصول ہوتی تھی اور جب کبھی خزانے پر کسی غیر معمولی مطالبے کا بار پڑتا تھا تو وہ قرض کے ذریعے سے پورا کیا جاتا تھا۔ جب صلح ہوجاتی اور فوجی مصارف میں کمی پڑجاتی تھی تو سوائے ایک مستثنیٰ حالت کے اور ہمیشہ مالیہ کی حالت بدستور درستی پر آجاتی تھی۔ لارڈ ولزلی کی وسیع پیمانہ پر جنگی کارروائیوں نے ریاست کے قرض کو بہت بڑھا دیا تھا اور انڈیا ہاؤس کو پھر تردد پیدا ہوا۔ اس بات پر تو کوئی نظر نہیں کی گئی کہ ان تمام لڑائیوں کا اختتام الحاق مملکت پر ہوا ہے جسکی آمدنی سے بہت جلد ان نقصانات کی تلافی ہوجائیگی جو دوران جنگ میں خزانے کو برداشت کرنے پڑے ہیں چنانچہ لارڈ ولزلی کے عہد حکومت میں ریاست کے قرضے کی مقدار ساڑھے آٹھ کروڑ تک پہنچ گئی تھی اور جتنا علاقہ ہاتھ آیا تھا اُسکی سالانہ آمدنی سات کروڑ تھی۔ جنگ کے ختم ہوجانے پر اور بیقاعدہ فوجوں کے توڑ دینے پر وہ تخفیف جس نے مجلس انتظامیہ کو لرزہ بر اندام کر رکھا تھا توفیر میں تبدیل ہوگئی جو تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ بیس سال تک برابر قائم رہی ؎

بغاوت ویلور ۱۸۰۶ء

ماہ جولائی ۱۸۰۶ء میں قلعہ ویلور کی دیسی سپاہ کے ہاتھوں یورپین افسروں کے قتل کردئے جانیسے کلکتہ گورنمنٹ کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ یہ قلعہ مدراس سے جانب مغرب ۸۸ میل پر واقع ہے اور سرحد میسور سے صرف چالیس میل ہے اور مجلس انتظامیہ کے معقول مشورے کے خلاف اس قلعہ کو ٹیپو سلطان کے خاندان کی سکونت کے لئے مقرر کیا گیا تھا اسلئے اسمیں بہت جلد اٹھارہ سو اس خاندان کے متعلقین اور تین ہزار میسور سے ہجرت کرنیوالے آکر بھر گئے۔ قلعے کی فوج میں تین سو ستر گورہ سپاہی تھے اور ہندوستانی سپاہیوں کی تعداد پندرہ سو تھی جنمیں سے اکثر مسلمان تھے اور کسی زمانے میں

(صفحہ ۲۸۶)

باب ششم
فصل اول

سلطان ٹیپو کی فوج میں رہ چکے تھے۔ ۱۰۔جولائی سنہ ۱۸۰۶ء کو دس بجے دن کے ہندوستانی سپاہیوں نے اچانک یورپین قیام گاہوں پر حملہ کیا اور جھلملیوں سے باڑھوں پر باڑھیں مارنی شروع کردیں یہانتک کہ اسی گورہ سپاہی مار ڈالے گئے اور اکیانوے زخمی ہوگئے۔ اس تمام خونریزی کے دوران میں ان باغیوں اور سلطان ٹیپو کے خاندان کے شہزادوں کے قیامگاہوں سے برابر نامہ وپیام کا سلسلہ قائم رہا اور بہت سے ان شہزادوں کے متعلقین اس قتل عام کے منظر میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہوئے دیکھے گئے۔ ہندوستانی سپاہیوں کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ان محلات سے بھیجا گیا اور عام مخلوق کے ایک غریو کے عالم میں قلعے پر سلطنت میسور کا پھریرا بھی اڑا دیا گیا۔ باقی کچھ یورپین اپنی جگہ پر بامردی سے اس وقت تک قائم رہے جب تک کہ انکی حفاظت کے لیئے کرنل جلسپی نہ آگیا یہ کرنل ارکاٹ کی فوج میں تھا جو اس قلعے سے آٹھ میل تھا۔ اسنے اس بغاوت کی خبر سنتے ہی فوراً اپنے انیسویں رسالے کو لیکر اپنے گھوڑے چھوڑ دئے اور اپنی گھوڑچڑھی توپیں بھی ساتھ لیتا گیا اور عین وقت پر پہنچکر یورپین محصورین کی جانیں بچالیں۔

اسباب بغاوت ویلور

جو کمیشن تحقیقات مقرر کیا گیا تھا اسنے اس بغاوت کے اسباب معلوم کیئے۔ نئے کمانڈر انچیف سرجان کریڈک نے اپنی آمد کے بعد ہی لارڈ ولیم بینٹنگ گورنر کی اجازت ایک ضابطہ نوا بنانے کے لیئے حاصل کرلی تھی مگر اسکے ساتھ ایک شرط یہ بھی لازمی رکھی گئی تھی کہ بغیر منظوری گورنمنٹ کے کسی نئے قانون کا اسمیں اضافہ نکیا جائے گورنر لاعلمی میں فوج کے اجیٹنٹ نے اپنی طرف سے بعض ایسے نئے قاعدے جاری کردئے جو اکثر سپاہیوں کے مذہبی عقائد کے خلاف تھے۔ لیکن ترہ بانہ ممانعت نے اُن کو خاص طور سے اشتعال دیا وہ ایک خاص قسم کی پگڑی کا رواج دینا تھا جو انگریزی ٹوپی سے بہت مشابہ تھی جس سے ہندوستانیوں کو خاص طور سے نفرت تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے جو اس ٹوپی کے خاص طور سے مخالف تھے سپاہیوں میں یہ خیال بڑھنے [illegible]

باب ششم
فصل اول

یہ نئی وضع کی پگڑی اُن سب کو زبردستی عیسائی بنانیکی کارروائی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ مشتعل اور وحشت زدہ سپاہی فوراً بغاوت و خونریزی پر آمادہ ہو گئے۔ مجلس انتظامیہ اس حادثۂ جانکاہ کی خبر سے بدحواس ہو گئی اور اُس وحشت زدہ انتقامی جوشش سے مغلوب ہو کر جو خطرے کے وقت میں پیدا ہو جایا کرتا ہے مجلس موصوفہ نے فوراً بلا ایک لفظ بھی جواب کا سنے ہوئے کمانڈر انچیف اور گورنر دونوں کو معزول کر کے واپس طلب کر لیا۔ لارڈ ولیم بنٹنگ گورنر نے اس ناانصافی کے خلاف احتجاج کیا کہ اُسکو ایک ایسی کارروائی کا شریک جرم سمجھکر سزا دی گئی ہے جس سے اُسکا سوائے اسکے اور کوئی تعلق نہیں تھا کہ اُسنے اُسکے بُرے نتائج کو روکنے کی ہر امکانی کوشش کی تھی۔ مجلس انتظامیہ نے اپنے جواب میں لارڈ موصوف کی ایمانداری بے غرضی مستعدی اور کمپنی کے اغراض کی نگہداشت میں سعی بلیغ کا اعتراف کیا مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی لکھا کہ :—

(صفحہ ۲۸۷)

چونکہ جو مصیبت لارڈ موصوف کے عہد حکومت میں پیش آئی ہے اُسنے لارڈ موصوف کو بھی اُس عام رائے اور واقعات کے ذیل میں رکھدیا ہے جن پر قابو رکھنا مجلس انتظامیہ کے حیطۂ اختیار سے باہر ہے اسلیئے یہ مجلس موصوفہ کی طاقت سے باہر تھا کہ اُس عام رائے اور اس رفتار واقعات کے اثرات کو بدل سکے۔

اشاعت دین مسیحی

کلکتے کی کونسل پر جو اس بغاوت کا دل دہلانے والا اثر پڑا اُسکے شکار بیچارے پادری بنگئے۔ سنہ ۱۷۹۳ء میں مسٹر کیری ایک عیسائی صیغۂ تبلیغ قائم کرنیکے لیئے کلکتے آیا تھا۔ اُس نے بڑی سرگرمی لیکن بہت کم کامیابی کے ساتھ سات سال تک اضلاع مالوہ میں کوشش کی۔ سنہ ۱۷۹۹ء میں مسٹر مارشمین اور مسٹر وارڈ انگلستان سے مسٹر کیری کی شرکت کے لیئے روانہ ہوئے مگر چونکہ اُن کے پاس پروانۂ راہداری نہیں تھا اسلیئے اُن کو اپنی آمد کے دوسرے ہی دن ملک چھوڑ دینے کا حکم مل گیا لیکن اُنکو ڈنمارک کی نو آبادی سرامپور میں پناہ ملگئی اور گورنمنٹ ڈنمارک نے

اپنی حمایت میں لے لیا۔ یہاں مسٹر کیری خود جاکر ان دونوں کا شریک کار ہوگیا اور یہاں ان تینوں نے ایک انجمن اخوان قائم کی جو سیرامپور مشن کے نام سے ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت کا مقدمۃ الجیش ہونیکا تاریخی امتیاز رکھتی ہے۔ انھوں نے دیسی بچوں کی مفت تعلیم کے لئے پہلے مدارس کھولے۔ انھوں نے چھاپے خانے کھولے اور بہت سے ہندوستانی رسوم الخط کے حروف ڈھلوا کر تیار کیئے۔ انھوں نے بنگالی سنسکرت اور دوسری زبانوں کی صرف و نحو تالیف کی اور ان زبانوں میں انجیل مقدس کے ترجمے شائع کیئے انھوں نے بنگالی زبان کی اشاعت و ترقی پر خاص توجہ کی اور وہ تصنیف شائع کی جو بنگالی زبان میں سب سے پہلے تصنیف ہوئی تھی۔ اور اس بنگالی علم ادب کی بنا ڈالی جس نے اس وقت کے بعد سے نہایت ترقی کرلی ہے۔ ان پادریوں اور انکے ہم مذہب کارکنوں کو اضلاع بنگال میں بلا تعرض پھرنے اور کار تبلیغ انجام دینے کی اجازت دیدی گئی تھی۔ اور ان لوگوں کو تبلیغ مسیحیت میں خاصی کامیابی ہوگئی۔ لیکن مجلس انتظامیہ اور اُسکے ہندوستانی ملازموں نے پادریوں کی کارگزاریوں کو ہمیشہ بدگمانی کی نظر سے دیکھا تھا صرف اسوجہ سے کہ ان کی وجہ سے ہندوستانیوں کے مذہبی عقائد کو ٹھیس لگتی ہے اور امن عامہ میں خلل پڑجاتا ہے۔ بغاوت ویلور کو بھی ہندوستانی سپاہیوں کے مذہبی عقائد کے ساتھ مداخلت سے تعبیر کیا گیا اور سر جارج بارلو نے اُس وقت کی مخدوش حالت سے متاثر ہوکر یہ ضروری اور لازمی سمجھا کہ سیرامپور مشن کے کارکنوں کے کاروبار میں مداخلت کی جائے۔ پھر ویلور کا وحشت خیز خطرہ دھیرے دھیرے زائل ہوگیا اور جو قیود ان پادریوں کے کام پر اُس وقت عائد کردی گئی تھیں وہ بھی رفتہ رفتہ اٹھتی چلی گئیں۔

(صفحہ ۲۸۸)

سر جارج بارلو کے عہد حکومت کا اختتام

مجلس انتظامیہ کو ہمیشہ سے یہی فکر رہا کرتی تھی کہ ہندوستان کا اعلیٰ ترین عہدہ خاص اُنھی کے ملازم کو مل سکے اور مجلس موصوفہ کے اصول عدم مداخلت پر کاربند ہونے میں جس زبردست سرگرمی کا سر جارج بارلو نے اظہار کیا تھا دہ

باب ششم
فصل اول

سرگرمی سر جارج بارلو کو لارڈ کارنوالس کا مستقل جانشین مقرر کر دینے کے لیئے مجلس موصوفہ کے سامنے سفارش کا کام دیگئی۔ مسٹر پٹ کے انتقال کر جانے اور وزارت کے ٹوٹ جانے سے جمہوریرست طبقہ (Whigs) کا قدم ڈاؤننگ اسٹریٹ میں گھس گیا اور ابھی اس فرقے کو انتخاب وزارت میں کامیاب ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گذرے تھے کہ اُسکو گورنر جنرل کی جگہ کے انتظام کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی۔ جماعت نگران کار کا صدر بھی چونکہ اپنی جگہ پر نیا آدمی تھا اسلیئے اُسنے بھی بالفعل مجلس انتظامیہ کی نامزدگی سے اتفاق ظاہر کیا اور سر جارج بارلو کے تقرر کا حکم لکھدیا گیا اور اُسپر دستخط ہو گئے۔ لیکن اُس کے دس ہی دن بعد نئی وزارت نے یہ اعلان کیا کہ وزارت کی طرف سے عہدۂ گورنر جنرلی کے لیئے لارڈ لاڈرڈیل کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ مجلس انتظامیہ کو یہ انتخاب صرف اسی وجہ سے ناپسند نہیں تھا کہ اس سے مجلس موصوفہ کی نامزدگی کا حقارت کے ساتھ استرداد ہوتا تھا بلکہ شخصی خصوصیات کی بنا پر بھی مجلس موصوفہ نے اس تقرر کے خلاف احتجاج کیا۔ لارڈ لاڈرڈیل انقلاب فرانس کا اس شد و مد سے علانیہ طرفدار تھا کہ اُسنے اپنا طبقۂ امرا کا خطاب اپنے نام کے ساتھ لگانا چھوڑ دیا تھا اگر اسپر بھی اُسکو معاف کر دیا جاتا تو بھی مجلس انتظامیہ ایسے شخص کو کیسے پسند کر سکتی تھی جس نے فوکس کی ہمیشہ وکالت کر کے مجلس موصوفہ کو ہمیشہ پریشان کیا ہو اور حال ہی میں لارڈ ولزلی کی آزادی تجارت کے اصول عمل کی تائید کر کے مجلس موصوفہ کا ناک میں دم کر رکھا ہو۔ غرض یہ کہ مجلس انتظامیہ نے اس تقرر کے منظور کرنے سے انکار کر دیا جس کے جواب میں وزارت نے سر جارج بارلو کی نامزدگی کو قلمزد کر دیا۔ فریقین میں کئی ہفتے تک نہایت ترش و تلخ اختلاف رائے جاری رہا مگر آخر کار اُس کا فیصلہ اس طرح ہو گیا کہ جماعت نگران کار کے صدر لارڈ منٹو کا تقرر بہ حیثیت گورنر جنرل ہند فریقین کی رضامندی سے عمل میں آگیا ہلہ

فصل دوم

لارڈ منٹو کا عہد حکومت - بیرونی سفارتیں

لارڈ منٹو گورنر جنرل ۱۸۰۷ء

لارڈ منٹو اس تقرر سے کئی سال پہلے سے سلطنت کے معاملات
کے انصرام میں مصروف رہ چکا تھا جس وقت وہ سر گلبرٹ الیٹ
کہلاتا تھا اُس وقت وہ بھی اُن منتظمین میں شریک تھا جنکو ایوان عام میں وارن ہسٹنگز پر
مقدمہ چلانیکی کارروائی سپرد کی تھی اور سر ایلیجا امپے پر مقدمے کی پیروی کاری اسکو خاص
طور پر سرکار کی طرف سے سپرد کی گئی تھی۔ اسکے بعد وہ وائنا دار الحکومت آسٹریا میں
مختار کل وزیر رہا اور گذشتہ بارہ ماہ سے جماعت نگران کار کا صدر تھا اور اس
عہدے پر ہندوستانی گورنمنٹ کے انداز اور طرز انصرام کا اُسنے نہایت عمیق نظر کے
ساتھ مطالعہ کیا تھا۔ وہ ایک فاضل عالم اور نہایت معاملہ فہم اور حقیقت شناس
مدبر تھا۔ اگرچہ وہ اپنے خیالات میں نہایت میانہ رو اور اعتدال پسند تھا مگر اُسمیں
اُس مستقل مزاجی کی کمی نہیں تھی جسنے اسکو اپنے پیشرو حاکموں کے مقابلے میں معاملات کو
سلجھانیکی بے نظیر قابلیت کی وجہ سے ممتاز کر دیا تھا۔ اسکا تقرر مجلس انتظامیہ نے
اس مفاہمے کے ساتھ منظور کیا تھا کہ وہ لارڈ ولزلی کے اصول عمل سے احتراز
کرے اور لارڈ کارنوالس اور سر جارج بارلو کے نقش قدم پر چلے۔ ہندوستان
میں پہنچتے ہی اُسنے پہلا کام رحم کا کیا۔ مدراس پہنچکر اُسے معلوم ہوا کہ ویلور کے چھ سو
باغی اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔ اعلیٰ حکومت نے اُنکے لیئے عبور دریائے
شور کی سزا تجویز کی تھی جو موت کے برابر تھی لیکن لارڈ منٹو نے زیادہ مہربانی کی
روش اختیار کر کے اُنکو بطور سزا کے صرف ملازمت سے خارج کر دیا اور آئندہ
کے لیئے ممنوع الخدمت قرار دیدیا۔

(صفحہ ۲۸۹)

بندیلکھنڈ میں طوائف الملوکی

کلکتہ پہنچکر اُسکی توجہ بصیغۂ ضروری اس طوائف الملوکی کی

باب ششم
فصل دوم

کی حالت کی طرف منعطف ہوئی جو اُسکے پیشرو کے کمزور اصول عمل کی وجہ سے بندیلکھنڈ پر طاری ہوگئی تھی۔ اس تمام ملک کو اُن تیغ آزماؤں نے روند کر رکھدیا تھا جنکا گزر اوقات غارتگری پر منحصر تھا اور ڈیڑھ سو گڑھیوں پر ڈیڑھ سو سرداروں کا قبضہ تھا جو برابر ایک دوسرے کے خلاف آویزش میں مصروف رہتے تھے۔ اس ملک کے باشندے جو فطرۃً جری اور آزاد قوم سے تھے اُن قانونی اور مالی ضابطوں سے متنفر ہوگئے تھے جو انگریزوں نے اُس ملک میں رائج کر دیئے تھے اور اپنے گاؤں اجاڑ کر بھاگ گئے تھے اور اکثر اُن لیٹروں کے گروہوں میں شریک ہوگئے تھے جو ملک بھر میں مور و ملخ کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ ملک کے دو سب سے بڑے قلعے کالن گڑھ اور اجیگڑھ پر دو ایسے سرداروں کا قبضہ تھا جو برطانوی گورنمنٹ سے مقابلے کے لیئے تیار رہتے تھے۔ لارڈ لیک نے ان دونوں قلعوں کے قبضے کو ملک کے قیام امن کے لیئے ضروری سمجھا تھا اور سرجارج بارلو سے انکی تسخیر کی اجازت مانگی تھی لیکن سرجارج بارلو کا یہ خیال تھا کہ تھوڑی سی مملکت تھوڑے سے اقتدار اور تھوڑی سی آمدنی کو بھی اس خیال سے قربان کر دینا بار نہیں گزرتا کہ خود کو ایک محدود حلقے کے اندر امن و اطمینان حاصل رہے۔ چنانچہ یہ قربانی کر دیگئی مگر وہ امن و اطمینان اب بھی کوسوں دور رہا ان دونوں سرداروں نے جو ان قلعوں پر قابض تھے لیٹروں کے چند نہایت سربرآوردہ سرغناؤں کے ساتھ مل کر اُس قطعۂ مملکت پر قانونی استحقاق قبضہ حاصل کرا دیا جو انھوں نے غصب کر لیا تھا جسکے ساتھ ہی انھیں یہ اجازت بھی مل گئی کہ اپنے باہمی تنازعات کو زبان تیغ سے طے کر لیا کریں ؎

لارڈ منٹو کی زوردار کارروائی

لارڈ منٹو کو انصرام حکومت سپرد ہوئے پانچ ہفتے نہیں گذرے تھے کہ اُسنے اپنی یہ رائے بذریعہ تحریر کے ظاہر کی کہ سرداران بندیلکھنڈ پر برطانوی حکومت کو صرف اپنا سیاسی اقتدار ہی قائم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ برطانوی گورنمنٹ کی عزت و نیکنامی کا تقاضہ یہ ہے کہ اندرونی بدنظمی کے تدارک کے لیئے بھی ضرور مداخلت فرمائے چنانچہ صرف اتنا اعلان کہ برطانوی حکومت اپنا پورا حاکمانہ اقتدار صوبہ بھر میں

(صفحہ ۲۹)

زبردستی قائم کرنے پر آمادہ ہوچکی ہے اس بات کے لئے کافی ہوگیا کہ بہت سے سردار اطاعت کرنیکے لئے جھک پڑے اور اپنے تمام تنازعات کو برطانی فیصلے کے لئے رجوع کردیا۔ کالنگرھ کا مشہور قلعہ جسنے آٹھ صدی پہلے محمود غزنوی کے حملوں کو کامیابی کے ساتھ رد کردیا تھا اور جسکے سامنے پیشوا کا سپہ سالار دو سال تک ناکام محاصرہ ڈالے پڑا رہا تھا اب ایک ہی زبردست حملے میں انگریزوں کے تسخیر ہوگیا۔ اسی طرح اجیگڑھ کا قلعہ بھی قبضے میں آگیا اور بندیلکھنڈ کو پھر عافیت و خوشحالی نصیب ہوگئی ؎

رنجیت سنگھ

لارڈ منٹو کو ہندوستان میں رہتے ہوئے سال بھر کا عرصہ گزرا تھا کہ اسکے سامنے پھر عدم مداخلت پر عمل کرنیکی دشواریاں پیش آئیں کیونکہ اب رنجیت سنگھ کے حالات اسکی خاص توجہ کے متقاضی ہوتے چلے تھے پانی پت کی لڑائی لڑکر ابدالی کے ہندوستان سے چلے جانیکے بعد پنجاب ایک بدنظمی کا آماجگاہ بنگیا تھا اور اسی زمانے میں ایک نیم مذہبی نیم جنگی گروہ موسومہ سکھ برادری کو اپنی قوت بڑھانے اور مستحکم کرنیکا موقعہ مل گیا۔ یہ تمام گروہ علٰحدہ علٰحدہ برادریوں میں تقسیم تھا۔ ہر برادری مثل کہلاتی تھی اور ہر برادری کا سرپنچ جنگ کے وقت سپہ سالار اور امن کے وقت چودھری ہوتا تھا۔ انھی برادریوں میں سے ایک کے سردار چیرت سنگھ نے اپنے ہمسایوں کے علاقوں پر دھیرے دھیرے دستبرد شروع کی اور اسکے بیٹے مہا سنگھ نے بھی اپنے والد کے فاتحانہ نقش قدم پر چلنا شروع کیا۔ مہا سنگھ کا ۱۷۹۲ء میں ایک ہی بیٹا رنجیت سنگھ چھوڑکر انتقال ہوگیا جس نے سترہ برس کی ہی چھوٹی سی عمر میں وہ فاتحانہ زندگی شروع کردی جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایسی سلطنت قائم ہوگئی جو حیدر علی یا سیواجی کی سلطنتوں کے برابر تھی ؎

رنجیت سنگھ کی سرہند پر دستبرد

رنجیت سنگھ نے شہر لاہور پر قبضہ کرنیکی ترکیب ڈال لی اور تمام سکھ مثلوں کو ملا جلاکر ایک کردینے میں کامیاب ہوگیا۔ ۱۸۰۶ء تک اسکی مملکت دریائے ستلج کے کناروں پر پھیل چکی تھی اور اسنے للچائی ہوئی نظروں سے صوبہ سرہند کو دیکھا جو دریائے ستلج کے

باب ششم
فصل دوم

تقریباً بیس سکھ سرداروں کے قبضے میں تھا۔ جس وقت جنرل پیرن نے سندھیا کے اقتدار کو دریائے ستلج تک وسعت دی تھی اس وقت ان سکھ سرداروں کو مجبور ہو کر سندھیا کے زیر حکومت آجانا پڑا تھا لیکن مرہٹہ حکومت کے زوال پر ان سرداروں کی باجگذاری برطانوی حکومت کی طرف منتقل ہو گئی اور یہ اپنے تئیں کمپنی کا ماتحت سمجھنے لگے اور اپنے تئیں کمپنی کی حفاظت و حمایت کا مستحق جاننے لگے۔ رنجیت سنگھ نے اپنے فطری احتیاط کے ساتھ اس معاملے میں قدم رکھنا شروع کیا۔ اول اول اُسنے چند سکھ سرداروں کو اسکی ترغیب دی کہ وہ اپنے تنازعات کا تصفیہ کرانیکے لئے اُسکی ثالثی کی استدعا کریں۔ اس طرح اسے سرہند میں مع ایک فوج کے داخل ہونیکا حیلہ مل گیا۔ اسی قسم کی ایک مہم سے ۱۸۰۸ء میں واپس آکر اُسنے آنکھیں بند کرکے ہر سمت سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ قلعوں پر اور علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور جتنی توپیں جہاں سے اُسکے ہاتھ لگ سکیں سب اپنے ساتھ لیگیا۔

(صفحہ ۲۹۱)

سکھ سرداروں کی برطانوی گورنمنٹ سے استعانت ۱۸۰۸ء

ان متواتر یورشوں نے سکھ سرداروں کو نہایت خوفزدہ کر دیا اور مارچ ۱۸۰۸ء میں ایک وفد دہلی کو روانہ ہوا تھا کہ برطانوی حکومت کی حمایت طلب کرے کیونکہ اسی حکومت کا باجگذار وہ سب سکھ سردار اپنے تئیں مرہٹہ حکومت کے زوال کے وقت سے سمجھتے رہے تھے۔ رنجیت سنگھ کو بھی گورنر جنرل کے خیالات کا اس معاملے میں پتا لگانیکی فکر تھی اور اس نے گورنر جنرل کو ایک مراسلہ دوستانہ ارتباط قائم کرنیکے موضوع پر لکھا جسکے آخری فقرے یہ تھے کہ جمنا کے اس کنارے کا تمام علاقہ سوائے اُن خاص مقامات کے جن پر آپ کا قبضہ ہے میرا ہے۔ اسکو میرا ہی سمجھئے۔ صوبہ سرہند کے دلیرانہ مطالبے نے یہ مشکل سوال پیدا کر دیا کہ آیا یہ تدبیر کے موافق ہے یا مخالف کہ ایک ایسے حوصلہ مند اور من چلے سردار کو جس نے دس سال کے قلیل عرصے میں دس بارہ ہمسر رئیسوں کی قوت کو توڑ کر ایک پوری سلطنت قائم کر دی ہے اجازت دیدی جائے کہ اپنی اس فوج کا انگریزی سرحد سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال سکے جسمیں اس وقت ہندوستان کے

باب ۲ فصل دہم

بہترین نبرد آزما شامل ہیں۔ چنانچہ لارڈ منٹو نے دلیرانہ یہ ذمہ داری اپنے سر لیلی کہ سرہند کی سکھ ریاستوں کو برطانوی حمایت میں لے لیا اور رنجیت سنگھ کو پنجاب کے اندر بند کر کے رکھدیا۔

سفارت لاہور

۱۸۰۷ء میں جو معاہدہ ٹلسٹ نپولین اور شاہ روس کے درمیان طے پایا تھا اسکے بعض خفیہ شرائط کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ فرانسیسیوں کو ہندوستان پر حملہ کرنے میں آسانیاں بہم پہنچانیکی غرض سے رکھی گئی تھیں۔ اسلیئے محکمہ وزارت نے یہ عزم کیا تھا کہ فرانسیسیوں کے منصوبوں کی پیش بندی اس طرح کرلی جائے کہ مدافعانہ معاہدات فرماں روایان ایران افغانستان و پنجاب کے ساتھ طے کرلیئے جائیں۔ اس تمام سلسلہ نامہ و پیام میں سب سے زیادہ دشوار جو کام تھا وہ لارڈ منٹو نے مسٹر مٹکاف کے سپرد کیا جو ایک ہونہار نوجوان ملکی حاکم تھا اور جسنے سکول میں لارڈ ولزلی کی خاص نظر کے نیچے تربیت پائی تھی۔ مسٹر مٹکاف کو لاہور میں اس ایک بتھ پر دو ایسے کاج کے لئے بھیجا گیا تھا جو ایک دوسرے کے بالکل ضد تھے یعنی ایک رنجیت سنگھ کو اُن حریصانہ ارادوں سے باز رکھنا جو وہ صوبہ سرہند کے اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کرنیکے متعلق دل میں رکھتا تھا دوسرے اس سے وعدۂ اعانت اس کام میں لینا کہ وہ فرانسیسی فوجوں کو انگریزی علاقے میں پیشقدمی کرنے سے روکیگا۔ کچھ دیر تو مسٹر مٹکاف کے ساتھ لاہور میں مخاصمت اور بدگمانی کا برتاؤ کیا جاتا رہا اور آخر کار جب اُسسے اپنی سفارت کا مدعا بیان کرنیکی اجازت دیگئی تو اُسکو صاف الفاظ میں یہ سمجھادیا گیا کہ رنجیت سنگھ کو کسی مدافعانہ معاہدے پر تو کوئی اعتراض نہیں درانحالیکہ اُسمیں خود رنجیت سنگھ کا کوئی مفاد نہیں تھا اور کمپنی ہی کمپنی کا فائدہ تھا لیکن اسکے معاوضے میں کمپنی کو رنجیت سنگھ کی حکومت ستلج پار کی تمام سکھ ریاستوں پر تسلیم کرنی پڑیگی۔ مسٹر مٹکاف نے اسکا یہ جواب دیدیا کہ اسکو ایسا کوئی اختیار برطانوی حکومت نے نہیں دیا ہے کہ اس قسم کی مراعات کو منظور کرسکے۔ اسی اثنا میں جبکہ ابھی یہ نامہ و پیام جاری ہی تھا رنجیت سنگھ نے مقام قصور سے اپنا خیمہ و خرگاہ پار کرادیا۔ تیسری

(صفحہ ۲۹۲)

باب ششم
فصل دوم

مرتبہ پھر ستلج کو عبور کیا اور تین ماہ تک تمام صوبہ سرہند میں اودھم مچاتا پھرا مختلف
رئیسوں کو لوٹتا تھا اور انکو بالجبر اپنی حکومت تسلیم کراتا تھا۔

رنجیت سنگھ کو احکام واپسی

لارڈ منٹو کو فوراً رنجیت سنگھ کی نقل و حرکت روکنے کی
اور اگر مجبوری آپڑے تو فوجی کارروائی کرنیکی بھی ضرورت
محسوس ہوئی۔ علاوہ براں اب نپولین نے اسپین کے معاملات میں الجھنا شروع
کردیا تھا اور اگر اس سے پہلے اسکا دراصل کوئی ارادہ ہندوستان پر حملہ
کرنیکا تھا بھی تو وہ اس وقت بالکل فسخ ہو چکا تھا۔ اب چونکہ برطانوی حکومت کو
رنجیت سنگھ سے کوئی امداد نہیں طلب کرنی تھی اسلئے لارڈ منٹو کچھ گرم گفتگو کرنیکے قابل
ہوگیا اور اُسنے فوجی مظاہرہ کرنیکا عزم کرلیا۔ کمانڈر انچیف کو ہدایات بھیجدی گئیں
کہ وہ فوجوں کو دریائے ستلج کے کناروں پر کوچ کرنیکے لئے تیار رکھے اور اس سکھ
سردار کو ایک مراسلہ اس مضمون کا بھیجا گیا کہ جنگ مرہٹہ کے ثمرات کے طور پر جو
حقوق و اختیارات سندھیا کو ہندوستان کے شمال میں حاصل تھے وہ سب کمپنی کی
طرف منتقل ہو چکے ہیں۔ صوبۂ سرہند کی سکھ ریاستیں برطانوی حمایت میں آچکی ہیں
اسلئے مہاراجہ کو اپنی فوجیں اُن علاقوں پر سے ہٹا لینی چاہئیں جن پر اُسنے اپنی
حال کی تاخت و تاراج میں قبضہ کرلیا ہے اور آیندہ کے لیئے اپنی فوجی کارروائیوں
کو ستلج کے داہنے کنارے تک محدود رکھنا چاہئے اس مہم سے واپس ہوکر رنجیت سنگھ
کو امرتسر واپس آنے کی جلدی تھی تاکہ میدان جنگ کی کلفتوں کو حرم سرا کی الفتوں
سے دور کرے حیدر علی کی طرح وہ بھی جب کبھی جنگ کے جوش و خروش سے
خالی ہوتا تھا تو نفسانی تفریحات و مشاغل کا بندہ رہتا تھا۔ رنجیت سنگھ کے
امرتسر پہنچنے کی شام کو ہی مسٹر مٹکاف اُسکی خدمت میں گورنر جنرل کا مراسلہ لیکر
حاضر ہوا لیکن رنجیت سنگھ نے اُسے دیکھتے ہی کہا کہ آج کی رات عیش و سرور میں
بسر کرنیکی ہے اور فوراً ناچ راگ کا سلسلہ شروع ہوگیا اور رنجیت سنگھ نے اپنے
خاص شغل کے لیئے وہ تند کشید منگائی جسکا وہ عادی تھا اور رات ڈھلنے نہیں
پائی تھی کہ وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بیخبر ہوگیا۔

رنجیت سنگھ کی روبراہی سنہ ۱۸۰۸ء

جو خط گورنر جنرل کی طرف کا مسٹر مٹکاف نے

باب ششم
فصل دوم
(صفحہ ۲۵۳)

پیش کیا تھا وہ کئی ہفتے تک کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا یہاں تک کہ ۲۲ - دسمبر سنہ ۱۸۰۸ء کو مسٹر مٹکاف نے رنجیت سنگھ کی ملاقات کا مطالبہ کیا اور یہ صاف الفاظ میں اطلاع دیدی کہ برطانوی سپاہ میدان سنبھالنے کو تیار ہے اور بہت جلد رنجیت سنگھ کی فوجوں کو سرہند سے نکال باہر کر دیگی۔ کچھ دیر تک رنجیت سنگھ نے اس اطلاع پر ضبط کیا لیکن آخر کار جب وہ اپنے جوش کو روک نہ سکا تو اپنے کمرے سے جھپٹ کر باہر نکل گیا اور اچھل کر قاش زین پر در آیا اور ایک جوش جنون میں تمام احاطے میں گھوڑے کو دوڑاتا پھرا اور اسی اثنا میں اُسکے وزرا مسٹر مٹکاف کے ساتھ بحث مباحثے میں مصروف رہے۔ اسکے بعد دو مہینے تاخیر بالقصد اور تعویق بالارادہ میں صرف ہو گئے لیکن مسٹر مٹکاف بھی اٹل ہو کر سرہند کے تخلیہ کابل پر اڑا رہا۔ آخر کار مجبور ہو کر رنجیت سنگھ سیدھے راستے پر آیا اور ۲۵ - اپریل سنہ ۱۸۰۹ء کو اسنے اس معاہدے پر دستخط کئے جسکی ایک شرط یہ تھی کہ برطانوی حکومت کبھی رنجیت سنگھ کے علاقے کی یا اُسکی رعایا کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی اور رنجیت سنگھ ان ریاستوں سے کوئی تعلق نہیں رکھیگا جو برطانوی حمایت میں آچکی ہیں۔ یہ معاہدہ صرف پندرہ سطروں کا تھا اور اب تک جتنے معاہدات معرض وجود میں آچکے ہیں اُن میں سب سے زیادہ مختصر ہے۔ برطانیہ کے تمام ہندوستانی تاریخی کارناموں میں کوئی واقعہ اتنا زیادہ اولوالعزمانہ دلبستگی کے قابل نہیں ہے جتنا یہ کہ ایک چوبیس سال کے نوجوان نے ایک زبردست حوصلہ مند حکمران کو اپنی پوری رفتار کے زور میں سے پکڑ کر ایک جگہ باندھ دیا۔ اس معاہدے کے بعد جب برطانوی فوجیں واپس ہوئیں تو کچھ فوج لدھیانے میں چھوڑ دی گئی جو بعد کو انگریزوں کی شمال مغربی سرحدی چھاؤنی بنگئی اور وہ برطانوی جھنڈا جو لارڈ ولزلی نے جمنا کے کناروں پر نصب کیا تھا چھ سال بعد لارڈ منٹو کے ہاتھوں ستلج کے کنارے پر اُڑنے لگا۔

سفارت کابل

سفارت کابل کو اس شان و شوکت کے ساتھ آراستہ کیا گیا تھا کہ دربار کابل پر اس دولت کی عظمت و حشمت کا رعب پڑ جائے جسکے ہاتھ میں اندنوں ہندوستان کی زمام حکومت تھی۔ اسکی سرکردگی

باب ششم
فصل دوم

مسٹر منٹوارسٹ انفسٹن کے سپرد کی گئی تھی جو لارڈ ولزلی کے مدرسۂ تدبیر کا تعلیم یافتہ تھا۔
اس زمانے میں افغانستان کا حاکم شاہ شجاع تھا جو اُس زمان شاہ کا بھائی تھا
جسنے لارڈ ولزلی کے زمانے میں ہندوستان پر یورش کی تھی۔ شاہ شجاع نے اس
سفارت کی نہایت عزت وشان کے ساتھ آؤبھگت کی لیکن اُسکی مجلس شورای
نے صاف جواب یہ دیا کہ اس مشن کی غرض زیادہ تر کمپنی کے اغراض و مفاد سے
وابستہ ہے اور افغانستان کو فرانسیسیوں سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ
معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کمپنی کو جواب دینے سے پہلے خود فرانسیسی افغانستان کو کیا
پیش کر سکتے ہیں۔ یہ نامہ و پیام ابھی جاری ہی تھا کہ شاہ شجاع نے کوتاہ اندیشی کرکے
جو مہم کشمیر فتح کرنیکو بھیجی تھی وہ شکست کھاگئی۔ شاہ شجاع کے مدعی بھائی نے کابل
و قندہار پر قبضہ کر لیا اور پشاور پر پیشقدمی شروع کردی تھی۔ شاہ شجاع کی فوج کا
کشمیر کی مہم میں ستیاناس ہوگیا تھا اور اُسکا خزانہ بالکل خالی ہوگیا تھا اسلیئے اُسنے
بڑی آرزو کے ساتھ برطانوی گورنمنٹ سے مالی امداد طلب کی اور مسٹر انفنسٹن
نے گورنمنٹ کو دس لاکھ روپے کا عطیہ منظور کر لینے کا مشورہ بھی دیا۔ اس
روپے سے شاہ شجاع نئی فوج بھرتی کرکے اپنی کھوئی ہوئی عظمت پھر حاصل کر سکتا تھا

(صفحہ ۲۹)

اور غالباً اس وقت کا یہ دس لاکھ روپیہ گورنمنٹ ہند کو اُس کئی کروڑ روپے
کے بار سے بچا لیتا جو اسی شاہ شجاع کو پھر تخت نشین کرنیکے لیئے تیس سال بعد برداشت
کرنا پڑا۔ مگر چونکہ فرانسیسی حملے کا خطرہ جاتا رہا تھا۔ اور اسکی ضرورت نہیں رہی تھی
کہ بلاد جہ اُس فرمانروا کو اپنا بنایا ہی جائے جسکے قبضے میں اسوقت باب الہند
یعنے کابل تھا اسلیئے اس استدعا کو نامنظور کردیا گیا۔ شاہ شجاع کو اپنے بھائی کے
ہاتھ سے شکست فاش اُٹھانی پڑی اور وہ بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزیں
ہوا اور کمپنی کا وظیفہ خوار بنگیا۔

معاملات ایران

فرانسیسیوں کے منصوبوں کا رد عمل کرنیکے لیئے تیسری سفارت
ایران بھیجی گئی تھی۔ شاہ ایران نے بالقصد اپنے تئیں روس
کے ساتھ جنگبازی میں پھنساکر اپنے کئی قیمتی صوبے ہاتھ سے کھو دیئے تھے۔ پھر
شاہ ایران نے نپولین سے امداد کی استدعا کی اور نپولین نے جنرل گاردن کو

ایک بڑے فوجی عملے کی فوجوں کے قواعد سکھانیکے لئے اور بہت سے
انجینروں کو پیمائش وغیرہ کے کام کے لئے بھیجا تھا۔ اسکے بعد ایک معاہدہ
شاہ ایران اور نپولین کے درمیان طے پایا جسکی شرائط یہ تھیں کہ جو
فرانسیسی فوج ایران میں سے ہوکر گزرے اسکی رسدرسانی کا ایران کی
طرف سے انتظام کیا جائے اور کچھ ایرانی فوج بھی اسکی ساتھ شریک کار ہوجائے
جزیرۂ قسق واقع خلیج فارس جو بوشہر سے تینتیس میل کے فاصلے پر تھا فرانسیسیوں
کے حوالے کردیا جائے اور اگر شاہ فرانس خواہش کرے تو تمام ملک ایران سے
تمام انگریزوں کو باہر نکال دیا جائے۔

سفارت طہران سنہ ۱۸۰۸ء

برطانوی محکمہ وزارت نے فرانسیسی سفارت کو ہندوستان
پر یورش کرنیوالی فرانسیسی فوج کا پیش خیمہ سمجھا اور دربار
طہران میں ایک سفارت بھیجکر ان مخاصمانہ توڑ جوڑ کا رد عمل کرنا چاہا اور لارڈ
منٹو اور جنرل ولزلی نے بالاتفاق اس کام کے لیئے کرنل ملکم کا نام تجویز کیا جو مشرقی
زبانوں اور مشرقی معاملات کی معلومات کی وجہ سے اور اُس ہردلعزیزی کی وجہ
سے جو وہ اپنی پہلی سفارت میں حاصل کرچکا تھا کلکتے سے طہران بھیجے جانیکے لیئے
خاص طور سے موزوں تھا لیکن محکمہ وزارت کی یہ رائے ہوئی کہ بمقابلہ
کمپنی کے کسی سفیر کے خاص شاہ انگلستان کا کوئی نمائندہ زیادہ اثر و اقتدار
رکھیگا چنانچہ محکمہ موصوف نے مسٹر ہارفرڈ جونس کو منتخب کیا جو کسی زمانے میں
برطانیہ کی طرف سے بوشہر کا قونصل رہ چکا تھا اور سر ہارفرڈ اپریل سنہ ۱۸۰۸ء میں
اس کام کے لیئے بمبئی آکر پہنچا لیکن لارڈ منٹو کلکتہ پہنچنے کے بعد یہ طے کرچکا
تھا کہ برطانوی حکومت ہند کا نمائندہ بناکر کرنل مالکم کو بھیجا جائے اسلیئے
سر ہارفرڈ کے بمبئی پہنچنے پر اُسنے اُسے یہ ہدایت کی کہ اس وقت تک بمبئی
میں ٹھیر کر انتظار کرے جب تک کہ کرنل مالکم کی سفارت کا نتیجہ نہ معلوم ہوجائے۔
ایران پہنچکر کرنل مالکم نے اُس زبردست رسوخ کو بالکل نظر انداز کردیا جو فرانسیسی
مشیر کو دربار ایران میں حاصل ہوچکا تھا اور ایک تحکمانہ انداز اختیار کرلیا
جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُسکو شیراز سے آگے بڑھنے سے روکدیا گیا اور شہزادے کے

باب ششم
فصل دوم
(صفحہ ۲۹۵)

ساتھ نامہ و پیام کرنیکی اُس سے خواہش کی گئی۔ کرنل مالکم کو اس کارروائی پر بدمزگی پیدا ہو گئی اور اُسنے اپنی سفارت سے دست برداری کرلی۔ اور ساحل پر واپس آکر مع اپنے عملے کے کلکتے کو واپس چلا آیا۔ اسکے بعد لارڈ منٹو نے سر ہارفرڈ جونس کو ہدایت کی کہ مع اپنے عملے کے اپنی سفارت پر روانہ ہو؛

سر ہارفرڈ جونس کی کامیابی

اس حکم کی ترسیل کے دس دن بعد کرنل مالکم کلکتے آکر پہنچا وہ دربار ایران پر جوشش انتقام سے خار کھا رہا تھا اور اُسنے آتے ہی لارڈ منٹو کے یہ بات گلے اتارنیکی کوشش کی کہ فرانسیسی رسوخ کا رد عمل کرنیکا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ فوجی مظاہرہ کیا جائے اور اُسی وقت ایک بحری مہم جزیرہ قرق پر قبضہ کرلینے کے لئے روانہ کردینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر نہایت تاکیدی احکام پے در پے سر ہارفرڈ جونس کو بھیجے گئے کہ وہ فوراً ایران کو چھوڑ دے بلکہ اُسے یہ بھی دھمکی دیگئی کہ اگر اُسنے تعمیل حکم میں تساہل کیا تو گورنمنٹ ہند اُسکی سفارت سے بے تعلقی ظاہر کردیگی اور اسکے پروانے کو منسوخ کردیگی۔ لیکن قبل اسکے کہ یہ احکام سر ہارفرڈ کو پہنچتے وہ اپنا کام ختم کرچکا تھا۔ اور شاہ ایران سے ایک معاہدہ بھی طے پا گیا تھا۔ فرانسیسی سفارت کو ایران سے رخصت کردیا گیا تھا اور پیرس سے سفیر ایران کو واپس طلب کرلیا گیا تھا۔ یہاں تک کارروائی ہو جانے پر لارڈ منٹو کے بھی سمجھ میں آگیا کہ سر ہارفرڈ جونس کو سلطنت انگلستان نے پورا اعتماد رکھکر بھیجا تھا اور اسکے مواعید کے ساتھ قومی عزت وابستہ تھی اسلیئے لارڈ منٹو نے بھی اس معاہدے کی تصدیق کردی۔ ساتھ ہی اسکے لارڈ منٹو کو یہ بھی محسوس ہونے لگا کہ تمام ایشیا کی نظر میں ہندوستانی گورنمنٹ کی عزت و آبرو اس بات سے خاک میں مل گئی کہ سلطنت انگلستان نے اپنی طرف سے سفارت بھیجنے کی ضرورت سمجھی اور وہ سفارت کامیاب بھی ہو گئی اور لارڈ منٹو اسکو اپنا فرض اولیں سمجھا تھا کہ ویسے ہی بے داغ حکومت شاہی حقوق۔ اور حاکمانہ اقتدار گرد و پیش کی فوجوں اور ریاستوں کے متعلق اپنے جانشین کے سپرد کرکے جائے جیسے کہ مکمل اور بے داغ حالت میں اُسے اپنے پیشرو سے ملے تھے؛

کرنل مالکم کی دوسری سفارت

چنانچہ نہایت حماقت مگر بڑی شان وشوکت کے انداز سے ایک دوسری سفارت ایسی ترتیب دیگئی جو شاہی سفارت کو گہن لگادے اور میر سفارت کرنل مالکم کو اس خاص غرض سے بنایا گیا کہ وہ کمپنی کی گورنمنٹ کو پھر اسی مقام عروج تک پہنچادے جو ہمیشہ سے اُسے حاصل تھا۔ کرنل مالکم کی شاہ ایران اور اُسکے درباریوں نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ آؤ بھگت کی لیکن شاہ کے حضور میں وہ شاہ انگلستان کا سفیر بھی موجود تھا جسکے متعلق کالک لگانے میں ہندوستانی گورنمنٹ نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ خطرناک تصادم اغراض کا ناگوار خطرہ پیدا ہوگیا تھا اور ایران کے درباریوں نے دو ہمچشم سفارتوں کو حصول مراعات کے لیئے بالمقابلہ آمادہ دیکھکر ایک کو دوسرے سے بھڑانا چاہا تاکہ نذرانہ وتحائف کا مینہ برسنے لگے لیکن سر ہارفرڈ اور کرنل مالکم کی معاملہ فہمیوں نے تمام الجھنوں کو سلجھا دیا اور دربار ایران کی تمام سازشوں اور فسادوں کی ایک پیش نہ جانے دی اور محکمہ وزارت نے اسکے بعد ہی دونوں سفارتوں کو واپس طلب کرلیا اور سر گوراوسلے کو شاہ انگلستان کی طرف سے شاہ ایران کا مشیر مقرر کرکے بھیجدیا۔ کرنل مالکم کی سفارت پر بائیس لاکھ صرفہ ہوا اور سر ہارفرڈ کے مشن کا صرفہ بھی کمپنی ہی کے ذمے لگایا گیا جو سولہ لاکھ سے کم نہیں بیٹھا تھا۔

(صفحہ ۲۹۲)

فصل سوم

لارڈ منٹو کا عہد حکومت۔ امیر خاں۔ مدراسی افسروں کی بغاوت

امیر خاں اور ناگپور

رنجیت سنگھ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اُسپر دستخط ہو جانیکے

چار ہی ماہ بعد ایک اور موقع ایسا پیش آگیا جسمیں اُسکا امتحان ہوگیا کہ آیا
عدم مداخلت کے اصول پر عمل درآمد ہونا ممکن تھا یا نہیں۔ امیر خاں لٹیرے
نے دس سال کی تاخت وتاراج میں ایسی ریاست قائم کرلی جسکی سالانہ آمدنی
پندرہ لاکھ تھی۔ اُسکو سنٹرل انڈیا کے پٹھانوں کا سردار سمجھا جانے لگا اور
وہ بھی رئیس وقت ہونیکا دم بھرنے لگا۔ مگر اسکی فوج اسکے وسائل کے
مقابلے میں بہت زیادہ تھی اور جب وہ راجپوتانے کو نچوڑ چکا تو اُسنے اضلاع
بعید پر اپنی تاخت وتاراج کے لیئے نظر دوڑائی اور سب سے پہلے ناگپور
کو اپنی دستبرد کے لیئے تاکا۔ ہلکر کی طرف کے چند مصنوعی دعاوی کو تسلیم کرانے
کے حیلے سے امیر خاں نے نربدا کو چالیس ہزار سوار اور چوبیس ہزار پنڈاریوں
کے ساتھ عبور کیا۔ راجہ ناگپور کمپنی کا بیشک دوست تھا مگر اُسکا کمپنی کی حمایت
پر کوئی حق نہیں تھا لیکن لارڈ منٹو نے بلا تامل یہ فیصلہ کرلیا کہ ایک ایسے
مداخلت کار و حوصلہ مند مسلمان رئیس کو جسکے ساتھ بڑی جرار سپاہ ہو
یہ اجازت نہیں ملنی چاہئے کہ وہ راجہ ناگپور کی مملکت کو تباہ کرکے اپنی
حکومت اُس علاقے پر قائم کرلے جو نواب نظام الملک کے علاقے سے ملحق ہے۔
کیونکہ دونوں مسلمان ہمسائے ملکر آسانی سے ایسے منصوبے پختہ کرسکتے
ہیں جو کمپنی کے اغراض کے لیئے مہلک ثابت ہوں گے۔ اگرچہ راجہ نے
انگریزوں سے امداد نہیں طلب کی تھی مگر اُسکے علاقے کی حفاظت کرنیکے لیئے
دو انگریزی فوجیں میدان جنگ میں بھیجدی گئیں۔ بہر حال اکیلی ناگپور کی
فوج نے بھی امیر خاں کو دو مرتبہ شکست دی لیکن امیر خاں تیسری مرتبہ
پھر لوٹا اور اُسنے راجہ کی فوج کو چوراگڑھ میں گھیر لیا اور اُسکے پنڈاریوں نے
علاقے کو لوٹنا شروع کردیا۔ اب برطانوی فوج نے برابر امیر خاں کی فوج پر
بڑھنا شروع کیا اور کرنل کلوز نے اُسکے دارالحکومت اور اُسکے علاقے
پر قبضہ کرلیا اور اس وقت امیر خاں کا استیصال کامل یقینی نظر آنے لگا۔
لیکن اسی موقع پر انگریزی فوجوں کو خلاف اُمید میدان جنگ سے واپس
طلب کرلیا گیا کیونکہ لارڈ منٹو کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ مبادا مزید توسیع

صفحہ ۲۹۰

مخاصمت سے ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں جو مجلس انتظامیہ کی ناخوشی کا
باعث بن جائیں۔ غرض یہ کہ امیر خاں کو ۱۸۰۹ء میں پھر اپنی زور آزمائی
کے لیئے آزاد چھوڑ دیا گیا اور سات سال تک اور بھی صوبۂ وسط ہند
اُسکے سامنے بے پناہ رہا۔ لیکن اس عدم مداخلت کے اصول کے خلاف
اب خاص انڈیا ہاؤس میں بھی مخالف ہوائیں چلنے لگی تھیں اور
مجلس انتظامیہ نے لارڈ منٹو کی امیر خاں کے معاملے میں اعتدال پسندی پر
صرف اعتراض ہی نہیں کیا بلکہ یہاں تک لارڈ منٹو کو مشورہ دیدیا کہ راجہ
ناگپور کے ساتھ معاہدہ طے کرنیکی کوشش کرے۔"

سر جارج بارلو گورنر مدراس

لارڈ ولیم بینٹنک کی جگہ گورنری مدراس پر
سر جارج بارلو کا تقرر عمل میں آیا۔ بیس ماہ تک
جو سر جارج بارلو نے گورنر جنرلی کا کام عارضی طور پر انجام دیا تھا اس عرصے
میں اُسنے اپنی سرد مہری اور تمکنت کی وجہ سے ارتباط معاشرت میں سرگرمی
و شوق کے ساتھ حصہ لینے میں احتراز کرنے سے اپنے ہموطنوں کو اپنی طرف
سے بیگانہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اسکو کبھی وہ شخصی اقتدار نہیں حاصل ہو سکا جو
ریاست کے کاروبار کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے لیئے ہر ملک میں
عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً ضروری ہے۔ اپنی ہر مرضی کی جسطرح
وہ بے عذر اطاعت کرانی چاہتا تھا وہ ہر شخص کو اسلیئے ناگوار گزرتی تھی کہ
اُسے عامیانہ اظہار تحکم سمجھا جاتا تھا در آنحالیکہ لارڈ ولزلی کی اسی خود مختاری
کے لیئے ہر شخص یہ توجیہہ کرتا تھا کہ یہ ایک حوصلہ مند طبیعت کی فطری شان
عظمت ہے۔ مدراس میں سر جارج بارلو اپنی بیگمانہ اور غیر منصفانہ کارروائیوں
اور اُس تکبر و پندار کی وجہ سے جو بڑا عہدہ رکھنے کے سبب سے
اُس نے اختیار کیا تھا۔ نہایت بدنام ہو گیا چند عہدہ داران
ریاست اور خاص معتمدین کے حلقہ سے باہر کسی
سے ملتا نہ تھا۔ لیکن سب سے زیادہ فوج کی بغاوت
کا واقعہ ایسا سخت ہو گیا جس نے اُس کے دامن حکومت پر کبھی نہ مٹنے والا

باب ششم فصل سوم

بدنامی کا دھبہ لگا دیا تھا۔

یورپین افسروں کی بغاوت

نصف صدی کے اندر یہ تیسری باری تھی کہ کمپنی کی گورنمنٹ یورپین افسروں کی سرکشی کی وجہ سے بیخ و بن سے ہل گئی۔ مدراس فوج کے افسروں میں بے چینی کے خیالات پہلے ہی سے اس وجہ سے موجود تھے کہ مدراس اور بنگال کے فوجی افسروں کی تنخواہوں میں بڑا ذلت آمیز فرق تھا اور فوج میں جتنی بااختیار افسریاں تھیں وہ سب گویا شاہی فوج کے اراکین کے اجارے میں آگئی تھیں۔ اس بے چینی کا جوش کمانڈر انچیف میجر جنرل میکڈول کے طرز عمل سے اور بڑھ گیا۔ مجلس انتظامیہ نے کمانڈر انچیف کو کونسل میں نشست دینے سے انکار کر دیا تھا اور یہ نشست مع اپنے نہایت معقول بھتے کے اس عہدے کے ساتھ ہمیشہ مخصوص رہتی چلی آئی تھی۔ اور کمانڈر انچیف کو اس محرومی سے اتنا صدمہ ہوا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار اپنے ماتحت افسروں کے سامنے کرنے سے بھی باز نہ رہ سکا:

اجارۂ خرگاہ کی منسوخی

سنہ ۱۸۰۵ء کی جنگ کے اختتام کے بعد سے مجلس انتظامیہ برابر تخفیف اخراجات کی متقاضی تھی اور یہاں تک دھمکی دے چکی تھی کہ اگر مدراس گورنمنٹ نے اس تخفیف پہ عمل درآمد کرنے میں پس و پیش کیا تو مجلس موصوفہ چھری اپنے ہاتھ میں لیکر کاٹ چھانٹ خود شروع کر دے گی۔ لارڈ ولیم بینٹنگ اور سر جان کریڈک نے جو کفایت شعاری کی تجاویز سوچی تھیں اُنمیں ایک یہ بھی تھی کہ اجارۂ خرگاہ کو منسوخ کر دیا جائے۔ (صفحہ ۲۹۸) اس اجارے کی شرائط کے مطابق مختلف رجمنٹوں کے قائدوں کو ایک مقررہ بھتہ اس غرض سے ماہانہ مل جایا کرتا تھا کہ وہ اپنے سپاہیوں کے لیئے میدان جنگ میں، اور چھاؤنیوں میں خیمہ و خرگاہ کا انتظام کر دیا کریں۔ فوج کے میر سامان سے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے اس مسئلے پر رپورٹ طلب کی اور اس افسر نے یہ رائے ظاہر کی کہ اس اجارے کی حقیقت تجربے سے ایسی ثابت ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے ہر فوج کے قائد کی نظر میں اپنا ذاتی مفاد بمقابلہ اپنے فرائض کے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے۔ اس اظہار

رائے پر تمام افسروں میں ایک آگ سی لگ گئی اور انھوں نے کمانڈر انچیف
سے یہ مطالبہ کیا کہ کوارٹر ماسٹر جنرل یعنے میر سامان مذکور کو فوجی افسروں
اور شریفوں کے چال چلن نیت پر دھبہ لگانیکے الزام میں فوجی عدالت کے
سامنے ماخوذ کیا جائے۔ چنانچہ کوارٹر ماسٹر جنرل کو فوراً گرفتار کر لیا گیا مگر
اُس نے گورنر سے رجوع کیا اور گورنر نے کمانڈر انچیف کو اُسکی خلاصی کی ہدایت
کی کمانڈر انچیف نے اس حکم کی تعمیل بیشک کی مگر اُسکے ساتھ ہی ایک روبکار
نہایت غیر معمولی سخت الفاظ میں جاری کیا جس میں گورنمنٹ کی اس مداخلت پر
احتجاج کیا گیا تھا اور میر سامان کے اس طرز عمل پر اظہار نفرت کیا گیا تھا کہ
اُس نے باوجود فوجی افسر ہونیکے فوج کے اعلیٰ ترین افسر کے حکم کے خلاف ملکی
قوت سے استمداد کی۔ بجائے اسکے کہ سر جارج بارلو اس روبکار کو ایک ایسے
سپہ سالار کے غصے کا اُبال سمجھکر حقارت کے ساتھ خاموش ہو جاتا جو اپنی ملازمت
سے سبکدوش ہونے ہی والا تھا اُسنے یہ غلطی کی کہ اسکے جواب میں ایک روبکار
جاری کیا جو فوجی روبکار کے برابر ہی سخت الفاظ میں لکھا گیا تھا اور کمانڈر انچیف
پر شعلہ فشانیٔ تقریر کا الزام اسمیں لگایا گیا تھا۔ ساتھ ہی اسکے میجر باؤلس
ڈپٹی اجیٹنٹ کو بھی معطل کر دیا گیا جسنے کمانڈر انچیف کے عوض فوجی روبکار پہ
دستخط کیئے تھے۔ میجر باؤلس کی جنبہ داری میں ایکدم فوجی افسروں نے بطور
ایک شہید مظلوم کے حصہ لینا شروع کر دیا اور اسکے طرز عمل کی مدح و ثنا کرنیوالے
مراسلے اُسکے پاس ہر سمت سے آنے شروع ہو گئے اور اُسکے نقصانات کی تلافی
کرنیکے لیئے چندے جمع کیئے جانے لگے ٭

عام بغاوت

کمانڈر انچیف کو ہندوستان سے روانہ ہوئے تین ماہ گزر گئے
اور وہ غرقاب بھی ہو گیا اور افسروں کا جوش بھی ایک حد تک
فرو ہونا چلا تھا کہ پھر سر جارج بارلو نے بجھتی ہوئی بھوبھل کو پھونک مار کر شعلہ زن
کر دیا جس وقت افسروں کا جوش زیادہ بڑھا ہوا تھا اُسوقت انھوں نے اپنی
شکایات کا ایک محضر نامہ گورنر جنرل کے نام تیار کیا تھا جو ابتک بھیجا نہیں گیا تھا
لیکن یکم مئی ۱۸۰۹ء کو سر جارج بارلو نے ایک روبکار نافذ کیا جس میں چار بڑے

باب ششم
فصل سوم

اور نہایت نیکنام افسروں کو معطل کیا گیا تھا۔ اور آٹھ کو اُنکے عہدوں پر سے
معزول کر دیا گیا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ ان سب نے اُس محضر نامے پر
دستخط کیئے تھے جسکا مضمون خفیہ طور سے گورنر تک پہنچا دیا گیا تھا اُسپر
جالنہ اور حیدر آباد کی فوجوں کے تمام افسروں نے ایک نہایت سخت الفاظ
میں یادداشت گورنمنٹ کے پاس بھیجی جسمیں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان افسروں کو
اُنکی اصلی حالت پر فوراً بحال کیا جائے تاکہ خانہ جنگی کے اُن خطرات کا سدباب
ہو سکے جن سے کمپنی کو اپنے مقبوضات کے جزو اعظم سے آخر کار محروم ہو جانا پڑیگا
مسلی پٹم میں کمپنی کی گورا فوج نے اپنے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا اور یہ تجویز
بالاتفاق منظور کر لی کہ جالنہ اور حیدر آباد کی فوجوں کے شریک ہو جائیں
اور مدراس پر پیشقدمی کر کے گورنمنٹ پر قبضہ کر لیں

(صفحہ ۲۹۹)

سر جارج بارلو کا استقلال

غرض یہ کہ سر جارج بارلو نے اپنی انتہا پسندی اور بے
عقلی سے فوج کو آزردہ کر کے بغاوت پر آمادہ کیا اور
خطرناک نازک حالت پیدا کر دی۔ لیکن اس شورش کے ساتھ جو طرز عمل
اُسنے اختیار کیا اسمیں بھی سر جارج بارلو نے ایسی غیر متزلزل پامردی کا ثبوت
دیا جو اُس حماقت کے لیئے بالکل تلافی کا کام دیگئی جس سے یہ بغاوت
پیدا ہوئی تھی۔ کرنل مالکم اور دوسرے تجربہ کار اور عزت دار افسروں نے
سر جارج بارلو کو یہ مشورہ دیا کہ اس وقت کی ضرورت کے سامنے سر ڈال دے
اور یکم مئی ۱۸۰۹ء کے اشتعال انگیز حکم کو واپس لیلے لیکن سر جارج بارلو اسپر
تل گیا تھا کہ سرکاری اقتدار کو خواہ کچھ ہی ہو جائے قائم کر کے رہیگا۔ سنہ ۱۸۱۰ء
میں اُسنے تمام فوجی افسروں سے یہ مطالبہ کیا کہ ایک اقرار نامے پر گورنمنٹ کی
اطاعت کرنیکے لیئے دستخط کریں ورنہ اُنکو اُنکی رجمنٹوں سے فوراً علیحدہ کر دیا جائیگا
ہندوستانی سپاہی اور ہندوستانی افسر نمکحلال رہے اور سوائے سرنگاپٹم کے اور کہیں کوئی تصادم
نہیں ہوا۔ سرنگاپٹم میں غیر مطمئن افسروں کی ماتحتی میں جو ہندوستانی رجمنٹیں تھیں
اُنھوں نے سرتسلیم خم کرنے سے انکار کیا اور اُن پر شاہی فوجوں نے گولہ اندازی
کی اور ڈیڑھ سو کے قریب مارے گئے اور زخمی ہو گئے۔ سر جارج بارلو کی ان

باب ششم
فصل سوم

سرگرم کارروائیوں نے افسروں کو بھی بدحواس کردیا اور اُنکو اپنے
بادشاہ اور اپنے ملک کے خلاف بغاوت کرنیکے بالکل کنارے پر
جاکر روک دیا۔ اُسکے ساتھ ہی لارڈ منٹو نے بہ نفس نفیس بغرض تحقیقات مدراس
پہنچنے کا اعلان کردیا تھا اور اُسکے انصاف و اعتدال پسندی پر جو عام
اعتماد تھا اُسنے افسروں کو پھر اپنا فرض منصبی سمجھ جانیکی طرف راغب کردیا۔

بغاوت فرو ہوگئی

حیدرآباد کی فوج جسنے سرکشی میں پیشقدمی کی تھی اپنے
کیئے پر بھی سب سے پہلے نادم ہوئی۔ اسکی مثال کی تقلید
دوسری رجمنٹوں اور رسالوں نے بھی کی۔ سرنگاپٹم کی باغی فوج نے اس
قلعے کو خود حوالے کردیا اور اس طوفان کے بعد جسنے حکومت کو سرنگوں کردینے
کی دھمکی دی تھی نہایت مکمل سکون طاری ہوگیا۔ لارڈ منٹو نے مدراس پہنچکر
ایک اعلان عام شائع کیا جسمیں افسروں کے مسلک کو نہایت مذموم قرار
دیا گیا تھا۔ لیکن نہایت نرم اور صلح جوئی کے الفاظ میں فوج کی عظمت اور
نیکنامی کو قائم رکھنے کی بھی تشویش ظاہر فرمائی گئی تھی۔ لارڈ منٹو نے سوائے
اکیس افسروں کے اور جملہ باغیوں کو معافی عام عطا کردی اور اُن اکیس میں
سے کسی کو معزول کردیا گیا اور کسی کو برخاست کردیا گیا۔ لیکن اُن سب کو
آخرکار ملازمتیں دیدی گئیں اور اُن کو آیندہ جنگ مرہٹہ اور جنگ
پنڈاری میں سات سال بعد اپنے دامن وفاداری پر سے نافرمانی کا
دھبہ مٹانیکا موقع اپنے جوہر مردانگی و شرافت دکھانے سے ملگیا۔
اس غدر کے موضوع پر انڈیا ہاؤس میں بڑا سخت اور بڑا طویل مباحثہ
ہوتا رہا جسکا اختتام سرجارج بارلو کی واپس طلبی پر آکر ہوا۔ اسی زمانے میں جبکہ
سرجارج بارلو کے عہد حکومت کے متعلق بحث مباحثہ ہوتا رہا تھا اور مسٹر
ایڈمنسٹن لیڈن ہال اسٹریٹ کا سب سے پرانا ممبر تھا۔ مسٹر ایڈمنسٹن نے
دو ملکی حکام اور تین گورنر جنرلوں کی ماتحتی میں کام کیا تھا اور ہندوستان میں
اعلیٰ ترین عہدوں پر علاوہ گورنری کے متعین ہوچکا تھا۔ اس مباحثے
میں مسٹر موصوف نے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی تھی :-

باب ششم
فصل سوم

میں اسکا سخت مخالف ہوں کہ اُن لوگوں میں سے گورنر منتخب کیئے جائیں جو ہندوستانی ملازمت سے تعلق رکھ چکے ہوں بلکہ کوئی ممتاز رتبہ اور شخصیت والا آدمی جو انگلستان سے اس عہدے کو پر کرنے کے لیئے روانہ ہوتا ہے تو اگر اُسمیں قابلیت اور لیاقت بھی کافی ہو تو وہ اپنے ساتھ بہت زیادہ رسوخ و اقتدار لیکر جاتا ہے اور اُسکی شخصیت ایسا خراج اعزاز و شان وصول کر لیتی ہے جو اُس شخص کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتا جس کو اُس سے پہلے کسی ادنیٰ عہدے پر دیکھا گیا ہو۔

بحری قزاقی کا انسداد

نصف کرۂ شرقی میں بحری قزاقی کا انسداد کرنا انگریزی قوم کا ہمیشہ سے خاص مشغلہ رہا ہے۔ اور لارڈ منٹو کو اپنے زمانے میں اپنی خاص توجہ اس کام کی طرف مبذول کرنیکی سخت ضرورت پڑی۔ عرب جو ممالک مشرق کے دلاور ترین سپاہی جفاکش ترین ملاح تھے دنیا کے بدنام ترین بحری قزاق بھی تھے۔ ساحل کے خاص قبیلے قاسمی نے حال ہی میں وہابی عقائد اختیار کر لیئے تھے اور اُنکا مذہبی جوش اُنکی قومی بہادری میں شامل ہو گیا تھا اور وہ اپنے قیدیوں کے سامنے صرف دو شرطیں پیش کرتے تھے کہ یا اسلام قبول کریں یا موت پر آمادہ ہو جائیں۔ اُنکے کمستولی جہاز جنمیں سے ہر ایک میں ڈیڑھ سو جانباز ہوتے تھے پرے باندھکر سمندر میں گشت کرتے تھے اور بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ کوئی ہندوستانی جہاز یا کشتی اُنکے تعاقب سے بچکر نکل سکتی ہو۔ اب تک ان عربوں نے نہایت دانائی کے ساتھ انگریزی جہازوں سے کسی قسم کا تعرض کرنے سے احتراز کیا تھا لیکن وہ کمپنی کے جہازوں سے بالکل بے تعلق رہنے سے روز بروز دلیر ہوتے چلے گئے اور کمپنی کے جہاز اسلیئے اُنکے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے تھے کہ اُنکو ان عربوں کے معاملات میں مداخلت کرنیکی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ بہرحال ان عربوں نے ایک بڑے تجارتی انگریزی جہاز کو گرفتار کر لیا اور جتنے یورپین اسپر سوار تھے

سب کے گلے کاٹ ڈالے اور اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ اُنکی نعشوں کو سمندر میں پھینکدیا۔ اسپر لارڈ منٹو نے بھی ان قزاقوں کی بیخ کنی کرنیکا عزم بالجزم کرلیا اور ایک زبردست مہم سنہ ۱۸۰۹ء میں اُنکے خاص قلعہ راس القائمہ کی تسخیر کے لیئے روانہ کی۔ اس قلعے کی مدافعت عربی بامردی کے ساتھ کی گئی اور اُسکی تسخیر انگریزی جانبازی کے ساتھ عمل میں آئی۔ وہ بندرگاہ مع اُس تمام قیمتی مال تجارت کے جو بہت سی قزاقانہ مہموں کا اندوختہ تھا اور وہ قزاقوں کے زبردست بیڑے سب کے سب جلا کر خاک سیاہ کردیئے گئے اور کچھ عرصے کے لیئے اس سمندر میں بحری قزاقی کا انسداد کامل ہوگیا تھا۔

جزائر مارشیس کی طرفسے غارتگری

خلیج بنگال میں مارشیس اور بوربن پر فرانسیسیوں کا قبضہ رہنے کیوجہ سے مشرقی سمندر میں برطانوی تجارت ہمیشہ اُس دستبرد کی شکار رہتی تھی جو اُن جزیروں سے مسلح ہوکر نکلنے والے غارتگر جہاز جاری رکھتے تھے۔ کلکتے کے سوداگروں نے سنہ ۱۸۱ء کی جنگ فرانس سے سنہ ۱۸۰۴ء تک جو نقصانات اس قزاقی کے کارن برداشت کیئے تھے اُن کا مجموعی تخمینہ چار کروڑ روپیہ کیا گیا تھا۔ کسی ناقابل توجیہہ حماقت کی وجہ سے محکمۂ وزارت نے ان جزائر کے خلاف کوئی بحری مہم روانہ نہیں کی تھی درآں حالیکہ محکمۂ موصوفہ نے ممالک مغرب کے تمام جزائر فتح کرلینے کی کارروائی کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستانی گورنمنٹ کی طرفسے ان مقامات کی تسخیر کرنیکی جتنی کوششیں کی جاتی تھیں اُنکی بھی محکمۂ وزارت نے ایک حد تک سختی کے ساتھ مخالفت کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ فرانسیسی مسلح جہاز ہمیشہ برطانوی تجارتی جہازوں کا شکار کھیلا کرتے تھے اور سطح سمندر کو مڈاگاسکر سے جاوا تک الٹ پلٹ کیئے ڈالتے تھے۔ ایکمرتبہ باوجودیکہ چھ انگریزی جہاز گرداوری کررہے تھے اور ہندوستانی بندرگاہوں پر سولہ چھوٹے سہ مستولیئے موجود تھے مگر فرانسیسی مسلح جہازوں نے چھ ہفتے کے اندر چھ تجارتی انگریزی جہاز لوٹ لیئے جن پر تیس لاکھ کا مال بار تھا۔ چنانچہ تجارت پیشہ طبقے کی طرفسے ایک محضرنامہ محکمۂ وزارت

(صفحہ ۳۰۱)

میں ارسال کیا گیا جسمیں تجارت کی غیر مصؤنی کی شکایت کی گئی تھی اور انگریزی بیڑے کی غفلت کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ اس درخواست پر محکمۂ وزارت نے گورنر جنرل اور امیر البحر کے نام تجارت کی حفاظت کرنیکے لیئے مناسب احکام صادر فرمائے۔ پہلے یہ خیال کیا گیا کہ مارشیس کی ناکہ بندی کر لینے سے مدعا حاصل ہو جائیگا لیکن فرانسیسی مسلح جہازوں نے اپنے بندرگاہ سے نکلکر کمپنی کے چھ شاندار تجارتی جہاز جو پچاس لاکھ سے زائد کی مالیت کے تھے عین ناکہ بندی میں سے گرفتار کر لیئے اور فاتحانہ تجبر کے ساتھ اپنا مال غنیمت لیئے ہوئے اپنے بندرگاہ میں داخل ہو گئے۔ اس پر ایک بحری مہم بھیجی گئی جس نے سب سے پہلے بہت معمولی سی کوشش کے بعد بوربن کو تسخیر کر لیا لیکن اس کارگزاری کا خمیازہ ایسی تابڑ توڑ مصیبتوں کی صورت میں اٹھانا پڑا جنکی نظیر نہیں مل سکتی اور ان آفتوں کو بلا تامل صیغۂ بحری کی لاعلمی اور قابلیت کے ساتھ منسوب کیا جا سکتا ہے۔ تین انگریزی سہ مستولے پکڑ لیئے گئے اور تین میں فرانسیسی بیڑے نے آگ لگا دی اور اس بیڑے نے اس سمندر میں اپنے قومی عز و وقار کو اسی طرح قائم رکھا جس طرح امیر البحر سفرن نے وارن ہیسٹنگز کے زمانے میں اپنی قوم کی ناک رکھ لی تھی۔ اس عرصے میں لارڈ منٹو نے ایک نہایت زبردست بحری مہم ترتیب دے لی جسمیں ۱۷ توپوں چڑھے جہاز تھے۔ تیرہ تین مستولوں کے جہاز تھے انکے علاوہ چھوٹے جہاز اور توپ چڑھی کشتیاں تھیں اور گیارہ ہزار کی ایک بری فوج تھی جسمیں چھ ہزار تین سو گورہ سپاہی اور دو ہزار جہازی اور ملاح تھے اور چار رضاکار رجمنٹیں تھیں۔ اس فوج کے مقابلے کے لیئے فرانسیسی جنرل صرف دہ ہزار فرنگی سپاہی اور کچھ نیم قواعد داں افریقی غلاموں کو جمع کر سکا اور چونکہ اس مایوسانہ آویزش میں اُسے اپنے بہادر جانبازوں کی جانیں قربان کرنی منظور نہیں تھیں اسلیئے اُسنے معقول اور منصفانہ شرائط پر ۱۸۱۰ء میں جزیرۂ مارشیس کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

فصل چہارم

لارڈ منٹو کا عہد حکومت۔ مہم جاوا۔ پنڈارے۔ نیا اجازت نامہ

(صفحہ ۳۰۲

مہم جاوا ۱۸۱۱ء

شہنشاہ نپولین نے جب ہالینڈ کو تسخیر کر لیا تو ممالک مشرق کی تمام ولندیزی نوآبادیات فرانس کے تصرف میں آگئیں۔ اور نپولین نے ان میں سے جو سب سے زیادہ معرکے کا مقام جزیرۂ جاوا تھا اُسکے استحکام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُسنے زبردست فوج جنرل ویندمس کی سرکردگی میں بھیجی جس پر اُسے پورا اعتماد تھا۔ جنرل موصوف نے وہاں پہنچکر پرانے قلعوں کی پوری طور پر مرمت کرائی اور بٹاویہ دار الحکومت جاوا کے قریب کئی نئے اور نہایت زبردست قلعے تعمیر کرائے۔ کسی خفیہ وجہ سے اس جنرل کی بجگہ جنرل جنین کو بھیجا گیا جسنے چار سال پہلے انگریزی دستے کے سپرد اس امید کی نوآبادی کر دی تھی۔ وقت رخصت شہنشاہ نپولین نے جنرل جنین کو یہ چار سال پہلے کی ہبیت ان الفاظ سے یاد دلادی تھی کہ

حضرت۔ یاد رکھیئے کہ کوئی فرانسیسی سپہ سالار دوسری مرتبہ اپنے تیئں مغلوب نہیں ہونے دیا کرتا ہے۔

لارڈ منٹو نے مجلس انتظامیہ سے اس جزیرے پر فوجکشی کی نکلی اجازت لیکر مسٹر فلس سے اس معاملے میں مشورہ کیا۔ کیونکہ مسٹر افلس گورنمنٹ پنانگ کا ممبر تھا اور اُسکو اپنے زمانے کے ہر یورپین کے مقابلے میں مجمع الجزائر مشرقی کے مختلف قبیلوں کی زبانوں کے۔ اصول زندگی کے۔ اور حالات کے متعلق بہت زیادہ معلومات تھیں۔ لارڈ منٹو کی اس مہم میں نوسے جہاز تھے جن پر چھ ہزار گورہ سپاہ اور تقریباً اسی قدر ہندوستانی سپاہ تھی اور اب تک مشرقی سمندروں کو جتنی بحری مہمیں گئی تھیں اُن سب میں زیادہ زبردست تھی۔

باب ششم
فصل چہارم

لارڈ منٹو بھی بطور رضاکار کے اس مہم کے ساتھ ہوا اور سہ ستو لیئے جہاز موڈیسٹی میں سوار ہو گیا جسکی کمان خود لارڈ موصوف کے بیٹے کے ہی سپرد تھی۔ یہ تمام بیڑہ بغیر کسی حادثے کے ۴۔ اگست سنہ ۱۸۱۱ء کو خلیج بٹاویہ میں لنگر زن ہو گیا۔ جنرل جینسن کی ماتحتی میں پوری فوج کی تعداد سترہ ہزار تھی جنمیں سے تیرہ ہزار کو ایک جگہ قلعۂ کورنیلس کی حفاظت کے لیئے جمع کر دیا گیا تھا۔ یہ قلعہ اپنی قدرتی جائے وقوع کی وجہ سے بھی نہایت زبردست تھا اور فن حرب کے استحکام نے اسکو بالکل ہی ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ قلعہ دو دریاؤں کے درمیان ایک خندق زدہ لشکر تھا ان میں سے ایک دریا کبھی پایاب نہیں ہوتا تھا اور دوسرے دریا پر جگہ جگہ برجوں اور مورچوں کی زد میں رکھی گئی تھیں۔ اس پورے لشکر کا محیط پانچ میل کا تھا اور اسکی حفاظت کے لیئے تین سو توپیں چڑھی ہوئی تھیں

(صفحہ ۳۰۳)

قلعہ کورنیلس کی تسخیر سنہ ۱۸۱۱ء

اول اول سر سیمویل اچمٹی سپہ سالار نے یہ کوشش کی کہ تدریجی پیشقدمی کے ذریعے اس قلعے کو تسخیر کیا جائے لیکن منطقہ حارہ کی دھوپ میں ایسی کوشش نہایت ناقابل عمل نظر آتی اور اس کوشش سے اُس وقت بالکل ہاتھ اُٹھا لینا پڑتا جبکہ بارش کے آغاز ہو جانے پر بٹاویہ کی دلدلوں کے رطوبی بخار کی وجہ سے تمام فوج ہی صاحب فراش ہوتی۔ اسلیئے یہ طے کر لیا گیا کہ ایکدم ہلہ بول کر اس قلعے کو فتح کر لیا جائے۔ اس موقع پر کرنل جلیسپی سر آمد ویلور کی دلیری و مردانگی کا پوری طور پر اظہار ہو گیا جسکے سپرد یہ جان جوکھم کا کام کیا گیا تھا۔ کرنل موصوف کی فوج ۲۶۔ اگست سنہ ۱۸۱۱ء کو آدھی رات کے بعد ہی چل کھڑی ہوئی اور نور کے تڑکے پہلے مورچہ پر آ پہنچی اور نوک سنگین اُسے فتح کر لیا۔ پھر اس فوج کی ہر قدم پر بڑھنے والی ہمت نے کئی مورچے پے درپے فتح کر لیئے یہاں تک کہ یہ بالکل دشمن کی محفوظ فوج کے مقابلے میں پہنچ گئی جہاں بارکوں کے سامنے ایک زبردست رسالہ مع ایک زبردست توپ خانے کے اپنی جگہ پر اڑا ہوا تھا۔ ان رسالوں کے اس مقام سے قدم اُکھیڑ کر کرنل خود اپنے سواروں اور توپچیوں کے

باب ششم
فصل چہارم

آگے آگے ہو گیا اور دس میل تک تعاقب کر کے دشمن کی تمام فوج کو بوجہ اتم منتشر کر دیا۔ اس طرح جاوا صرف ایک دن میں صرف ایک افسر کی کوشش سے فتح ہو گیا۔ فرانسیسوں کا میدان جنگ میں بہت سخت نقصان ہوا اور اُنکے چھ ہزار یورپین سپاہی اسیران جنگ کے طور پر ہاتھ آئے لیکن انگریزوں کو یہ فتح کچھ سستے داموں نہیں پڑی بلکہ اُنکے بھی مقتول اور زخمیوں کی تعداد نوسو تھی جنمیں سے پچاس صرف افسر ہی افسر تھے۔ مجلس انتظامیہ نے یہ ہدایت کی تھی کہ جزیرۂ جاوا کو فتح کرنیکے بعد اُسکے تمام قلعوں کو مسمار کر دیا جائے۔ آلات وسامان حرب کو دیسی باشندوں میں تقسیم کر دیا جائے اور جزیرے کو خالی کر کے انگریزی فوج چلی آئے۔ لیکن لارڈ منٹو اس بات کے لئے تیار نہیں تھا کہ دیسی باشندوں کے ہاتھوں میں ہتیار دیکر وہاں کے مستعمرین (Colonists) کو بالکل اُن کے پر انتقام جوش وخروش کے سامنے بے پناہ چھوڑ دے اور جزیرے میں بے تہذیبی کی حکومت قائم کرائے۔ چنانچہ اُسنے اس جزیرے پر قبضہ قائم رکھنے کا عزم کر کے اسکی حکومت مسٹر رافلس کے سپرد کر دی جس کے قابلانہ ومساوات پسند عہد حکومت میں کئی سال تک یہ جزیرہ برابر ترقی کرتا رہا۔

لارڈ منٹو کا جانشین

لارڈ منٹو ۱۸۱۲ء میں کلکتہ واپس آیا اور یہاں پہنچتے ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ اسکے عہدے پر دوسرے شخص کے آنیکا انتظام ہو چکا ہے۔ معمولی میعاد اس عہدے کے حاکم کے لئے سات سال رکھی گئی تھی اور لارڈ منٹو نے مجلسِ انتظامیہ سے اشارۃً یہ خواہش ظاہر کر دی تھی کہ اُسے اوائل ۱۸۱۲ء میں ہی سبکدوش فرما دیا جائے۔ لیکن شہزادۂ بلند اقبال کی مرضی یہ تھی کہ اس عہدے پر اپنے ایک منہ چڑھے ارل آف موئرا کا تقرر کیا جائے جو حال ہی میں ایک وزارت ترتیب دینے میں ناکام ہو چکا تھا۔ جماعت نگران کار کی تحکمانہ ہدایت کے مطابق مجلس انتظامیہ مجبور ہو کر لارڈ منٹو کے عہد حکومت کو ختم کر دینے کی تجویز منظور کر لی۔ چونکہ واقعات ایسے پیش آ گئے کہ لارڈ موئرا انگلستان سے اس وقت نہ روانہ ہو سکا جس وقت روانہ ہو جانیکی اُسسے امید تھی اور لارڈ منٹو

(صفحہ ۳۰۴)

باب ششم
فصل چہارم

اُس وقت کے تین چار ماہ بعد روانہ ہو سکا جو اُسکی واپسی کے لیئے مقرر کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس ذلت کا عمل درآمد ایک ایسے گورنر جنرل کے ساتھ کیا جانا جسکا عہد حکومت ناکامی سے بالکل مبرا رہا تھا اور جسنے عالمگیر اطمینان اپنی خدمات سے پیدا کر دیا تھا خود وزارت کی سفاہت اور فرماں روائے انگلستان کی کوتہ اندیشی پر دلالت کرتا تھا؛

پنڈارے

لارڈ منٹو کی جاوا سے واپسی کے بعد یہ ضروری نظر آنے لگا کہ پہلی مرتبہ پنڈاروں کی تاختوں کی سرکوبی کے لیئے انگریزی فوجوں کو باقاعدہ میدان سنبھالنے کے احکام دیئے جائیں۔ ان غارتگروں کی اصلیت کا پتہ اورنگ زیب اور مرہٹوں کی آویزشوں کے وقت تک چلتا ہے جنگی فوجوں کے ساتھ یہ گروہ لوٹ مار کی غرض سے میدان جنگ میں جایا کرتا تھا۔ جس وقت پیشوا نے مرہٹہ قوت کے ہندوستان میں قائم رکھنے کا اہتمام اپنے دونوں نائبوں یعنے سندھیا اور ہلکر کے سپرد کر دیا تو ان پنڈاروں نے بھی برائے نام اپنے تئیں ان دونوں کے لشکروں سے وابستہ کر لیا اور علیحدہ علیحدہ سندھیا شاہی پنڈارے اور ہلکر شاہی پنڈارے کے ناموں سے موسوم کیئے جاتے تھے لیکن انکو مرہٹہ لشکر کی حدود میں اپنا پڑاؤ ڈالنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان مرہٹہ سرداروں کو اسمیں فائدہ نظر آتا تھا کہ اپنی سپاہ کے ساتھ ایسے غارتگروں کا ایک گروہ لگا رکھیں جو کوئی تنخواہ نہیں مانگتے تھے اور صرف بے مرفہ غارتگری کی اجازت پر قانع رہتے تھے اور دشمن کی بربادی کی تکمیل کے لیئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ پنڈاروں نے اپنا فائدہ اسمیں دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنا ایک بالواسطہ سا دور کا تعلق کسی نہ کسی حکومت سے ضرور قائم رکھیں جسکے دامن میں وہ ضرورت کے وقت پناہ لے سکیں۔ مگر ان مشترک اغراض سے یہ لازمی سمجھو تا نہیں ہو گیا تھا کہ جب کبھی پنڈارے اسمیں اپنا فائدہ دیکھتے ہوں تو وہ خود اپنے سرپرستوں کے علاقے پر ہاتھ صاف کرنے سے احتراز کرتے ہوں یا جب کبھی مرہٹہ سرداروں کے دل میں آئی ہو تو وہ پنڈارے سرغنوں کو گرفتار کر کے اُن سے

مال غنیمت میں سے زبردستی اپنا حصہ بٹا لینے میں تکلف کرتے ہوں گے

پنڈارے سرغنہ

برطانوی حفاظت و حمایت کے وسط ہند پر سے اٹھ جانے
سے غارتگری کے لیئے بڑا میدان خالی ہوگیا اور پنڈاروں
کی قوت اور ہمت بہت بڑھ گئی۔ سندھیا کے دو وظیفے پنڈاری سرداروں
نے نواب بھوپال کی خدمت میں اپنی خدمات اسلیئے پیش کیں کہ راجہ
ناگپور کے علاقے کو لوٹنے کی کارروائی کی جائے۔ لیکن جب نواب نے
اُنکی خدمات لینے سے انکار کردیا تو ان دونوں نے فوراً راجہ ناگپور سے
بھوپال کے علاقے کو لوٹنے کی شرائط طے کرلیں۔ اس تاخت وتاراج
سے واپسی پر راجہ ناگپور نے بے تکلف اُنکے لشکر کو توڑ ڈالا اور
اُنکا تمام مال غنیمت چھین لیا۔ ان دونوں سرغنوں میں سے ایک
نے آکر سندھیا کے پاس پناہ لی اور اُسکے دونوں بیٹوں مسمیان
دوست محمد اور واصل محمد نے اُسکے منتشر خواجہ تاشوں کو پھر
جمع کرکے ازسرنو اپنے گروہ کو ترتیب دے لیا۔ دوسرا سرغنہ راجہ ناگپور
کی قید میں مرگیا اور اُس کے بھتیجے کی سرداری چیتو کی طرف منتقل ہوگئی
جس کو قحط کے زمانے میں بچہ سا خرید کر پنڈاروں نے اپنے پیشہ کی
باقاعدہ تعلیم و تربیت کی تھی۔ چیتو کی اعلیٰ قابلیت اور مردانہ ہمت
نے اُسے تمام گروہ کی سرداری کے رتبہ تک پہنچا دیا اور سندھیا کی جو
خدمات اُسنے انجام دی تھیں اُنکے صلہ میں اُسکو ایک جاگیر عطا ہوئی اور
نواب کا خطاب بھی عنایت کیا گیا۔ چیتو نے اپنا مستقر نیماڑ میں قائم کیا جو
دریائے نربدا اور سلسلۂ کوہ وندھیاچل کے درمیانی کوہستانی گڑھیوں میں
سے تھی۔ دوسرا پنڈاری سرغنہ کریم خاں ایک روہیلا پٹھان تھا جسنے رفتار
واقعات کے ساتھ ترقی کرکے سندھیا سے عطیۂ اراضی اور خطاب حاصل
کیا تھا۔ لیکن چونکہ کریم خاں مرہٹہ علاقے پر دستبرد سے احتراز نہیں کرتا
تھا اسلیئے سندھیا نے اُسکے بڑھتے ہوئے زور کو توڑ دینے کی ٹھان لی
اور اُسے ایک دعوت میں سے دغا سے گرفتار کرا لیا۔ اُسکو چار سال تک

(صفحہ ۳۰۵)

باب ششم
فصل چہارم

قید میں رکھا گیا۔ اور چھ لاکھ روپیہ فدیہ لیئے بغیر خلاصی نہیں دیگئی۔ کریم خاں کے آزاد ہوتے ہی پنڈاروں نے ہمیشہ سے زیادہ تعداد میں اُسکے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع کر دیا۔ چیتو کو بھی اُسنے کسی ترکیب سے اپنا شریک کرلیا۔ اور اُسنے امیر خاں سے بھی اتحاد کرلیا جو اُس وقت اپنے پورے زوروں میں تھا۔ ان کی مجموعی فوجوں کی تعداد ساٹھ ہزار سوار سے کم نہیں تھی۔ اور ہر کہ و مہ کا دل تمام وسط ہند میں اس ہولناک گروہ کے اجتماع سے لرزنے لگا تھا۔ اتفاق سے کریم خاں اور چیتو کی شرکت بالکل ہی چندروزہ ہوئی چونکہ چیتو کو کریم خاں کی ہمچشمی پر رشک تھا اسلیئے وہ سندھیا کے ایما سے اُسکا ساتھ چھوڑ کر چلا گیا اور سندھیا نے کریم خاں کو تنہا پاکر اُسکے لشکر پر حملہ کیا اور اُسکے زور کو بالکل توڑ پھوڑ کر رکھدیا۔

غارتگری کا طریقہ

مندرجۂ صدر سرغنہ تمام پنڈاروں کے مسلمہ سردار تھے اور جب اُنکے سالانہ خروج کا وقت آتا تھا تو دوسرے چھوٹ بھیّے انکے لشکروں میں اپنے گروہوں کو لیکر جا ملتے تھے۔ ان فوجوں میں وہ لوگ بھرتی ہوتے تھے جنکو بدمعاشیوں کی وجہ سے ہموطنوں نے نکال باہر کر دیا تھا۔ یا جو قرضخواہوں کے تقاضوں سے گھر چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے یا جو لوگ امن و سکون کی زندگی سے گھبراتے تھے اور فساد و غنیمت کی تلاش میں رہتے تھے۔ پنڈاروں کا جھنڈا دسہرے کے تہوار پر اُٹھایا جاتا تھا یعنے اواخر اکتوبر میں جبکہ بارش بند ہو چکتی تھی اور ندیاں پایاب ہو جاتی تھیں۔ بڑے تجربہ کار اور مسلمہ اولوالعزم سردار منتخب کیئے جاتے تھے جنکی ہر کردگی میں چار یا پانچ ہزار کا گروہ دیدیا جاتا تھا جو سب گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور چار چار چھ چھ گز کے بلم اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ کوئی خیمہ و خرگاہ نہیں رکھتے تھے اور وہ اپنے اور اپنے گھوڑوں کے لیئے کھانے دانیکا انتظام اُن مواضعات سے کرتے جاتے تھے جو وہ اپنی پیشقدمی کے سلسلے میں لوٹتے جاتے تھے۔ اُن میں ذات پات کے بھی جھگڑے بکھیڑے نہیں تھے نہ کوئی دھرم ایمان کا قصہ قضیہ پیش آتا تھا

باب ششم صفحہ ۳۰۶
فصل چہارم

اور اُنکے تمام دورِ زندگی کے کارناموں میں کہیں کسی فیاضی یا پشت پناہی کا داغ دھبا نہیں نظر آتا۔ وہ اکثر چالیس پچاس میل روزانہ کے حساب سے کوچ کرتے تھے اور چونکہ وہ ایک جگہ زیادہ قیام نہیں کرسکتے تھے اسلیئے ہر گانوں کی لوٹ مار کا قصہ نہایت ہی جھٹ پٹ طے کر دیا جاتا تھا۔ اور مردوں اور عورتوں کو اپنا مال متاع بتانیکے لیئے ایسی ایسی اذیتیں دی جاتی تھیں کہ نہ دید نہ شنید۔ ملک میں اُنکی پیشقدمی کی علامت یہ تھی کہ تباہی و بربادی کا ایک دھارا بہتا چلا جاتا تھا کیونکہ جو کچھ وہ اپنے ساتھ نہیں لیجا سکتے تھے اُسے جگہ کی جگہ برباد کر دیتے تھے۔

برطانوی علاقے پر حملہ ۱۸۱۲ء

کئی سال تک اُنکی غارتگرانہ تاختیں صرف نربدا کے حوالی اور نواب نظام الملک۔ پیشوا اور راجہ ناگپور کی سرحدوں تک محدود رہیں۔ لیکن جب یہ اضلاع کھوکھلے ہوگئے تو اُنکو اپنی تاختوں کا حلقہ وسیع کرنا پڑا اور ایک مرتبہ انھوں نے نربدا کے جنوب میں چار سو میل تک کے علاقے میں خوب بھاگ دوڑ کی اور بے روک ٹوک مال غنیمت سے لدے پھندے واپس آ گئے۔ ۱۸۱۱ء کا دسہرا پچیس ہزار پنڈارے سواروں کے اجتماع سے منایا گیا اور انمیں سے پانچہزار کا ایک رسالہ ناگپور کے دروازوں تک لوٹ مار کر آیا اور اسکے پورے ایک علاقے کو جلا کر خاک سیاہ کر آیا۔ دوسرے سال ۱۸۱۲ء میں ایک اور گروہ نے دوست محمد کی سرکردگی میں مرزاپور کا برطانوی علاقہ لوٹ لیا اور بے خطر بڑھتا ہوا گیا تک پہنچگیا جو پٹنے سے ۷۰ میل کے فاصلے پر ہے اور اس نئے میدان میں انھوں نے خوب ہی نذرانے وصول کیئے اور پھر دریائے سیوتی کے مخرج پر جا کر ایسے غائب ہوگئے کہ کسی ایک انگریزی سپاہی کو اُنکی ہوا بھی نہ مل سکی۔ یہ اُنکا پہلا حملہ برطانوی علاقے پر ہوا۔ اسکے ساتھ ہی دیسی ریاستوں پر وقتاً بوقتاً تاختوں نے لارڈ منٹو کو مجبور کیا کہ وہ مجلس انتظامیہ کو یہ توجہ دلائے کہ مجلس موصوفہ یہ غور فرمائے کہ آیا ان بدنظمیوں اور چیرہ دستیوں کے ہوتے ہوئے یہ مناسب ہے کہ سخت

غیر جانبداری کو قائم رکھا جائے یا یہ بہتر ہے کہ مصیبت زدہ مخلوق کی فریاد
وزاری کو سنا جائے اور ان پنڈاروں اور پٹھانوں کی زبردستیوں کے
مقابلے میں ان کمزور اور بے پناہ دیسی ریاستوں کی حفاظت کے لئے
میدان سنبھالا جائے جو برطانیہ کی حمایت کی طلبگار ہیں۔ ہندوستان
چھوڑنے سے پہلے لارڈ منٹو نے دوسرا مراسلہ مجلس انتظامیہ کو بھیجا جس میں
اسنے صاف الفاظ میں لکھدیا کہ ان پنڈاروں کی روز افزوں تعداد انکی مہتم بالشان
تنظیم اور انکی ہر لحظہ بڑھنے والی ہمت اس بات کی سخت متقاضی ہے
کہ انکی یقینی سرکوبی کے لئے نہایت وسیع پیمانہ پر کارروائی کی جائے ؎

لارڈ منٹو کی شخصیت

لارڈ منٹو کے عہد حکومت کی قدر کبھی جیسی ہونی چاہیئے تھی
ویسی نہیں کی گئی۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ اُسکا زمانہ لارڈ
ولزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کے نہایت زور شور اور شان شوکت والے زمانوں
کے درمیان آکر واقع ہوا تھا۔ لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ لارڈ منٹو کے
ہاتھ انڈیا ہاؤس کے دلنشین اصول عمل کی وجہ سے بندھے ہوئے تھے اور
لارڈ منٹو کو یہ اصول پسند نہیں تھا۔ اُسنے مجلس انتظامیہ کو یہ یقین دلادیا تھا کہ
انگریزوں کی طرف سے خواہ کتنے ہی مراعات دیئے جائیں یا علاقے واپس کیئے
جائیں مگر انکا ہرگز یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ دیسی ریاستوں میں توازن قوت یا
باہمی رواداری اُس وقت تک پیدا ہو سکے جب تک اُنکے ہاتھ میں
ذاتی عظمت وشان کو بڑھانیکے ذرائع موجود ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی
قوت یا سیاسی اقتدار کو گھٹا کر انگریزوں کا یہ امید رکھنا حماقت ہے کہ اُنکی
حفاظت کی صورتیں زیادہ پیدا ہو جائینگی۔ دیسی رئیسوں کے لیئے جنگ
غارتگری اور فتوحات مسلمہ اصول عمل ہے۔ وہ اسکو نہایت جائز وحق بجانب
مشغلہ اور ریاست کی شان بڑھانیکا خاص ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس مشغلے کی
اُنکو مذہبی احکام سے رخصت ملی ہوئی ہے بلکہ بعض موقعوں پر تاکید کی گئی
ہے اسلیئے وہ اسمیں انصاف کا کوئی لحاظ یا حیلہ پیدا کیئے بغیر مصروف ہو جاتے ہیں
اور فرائض انسانی کو وحشیانہ طریقے پر پس پشت ڈالدیتے ہیں۔ اعتماد عامہ کو

(صفحہ ۳۰۷)

بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور کوئی اخلاقی قوت سوائے حیوانی مدافعت
کے اُنکو ان ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتی۔ غرض یہ کہ اس قسم کی
پے درپے تصریحات و توضیحات سے اُسنے مجلس انتظامیہ کو اسپر آمادہ کر دیا
کہ وہ عدم مداخلت کے احمقانہ اصول عمل کو ترک کر دے اور وہ اعلیٰ ترین
اقتدار اقلیم ہند میں قائم کرے جو لارڈ منٹو کے جانشین نے اکمل
کر کے قائم کر دیا۔ پھر بھی لارڈ منٹو نے اس میں کمی نہیں کی کہ اپنے ہاتھ پہنچے
تک ٹراونکور میں۔ ناگپور میں۔ بندیلکھنڈ میں اور سرہند میں تو انگریزی
حکومت کا اقتدار مضبوطی سے قائم کر ہی دیا۔ اسکے ساتھ ہی یہ لارڈ منٹو
ہی کو فخر حاصل ہے کہ اُسکے عہد حکومت میں ہندوستانی سمندروں میں سے تمام
مخاصمانہ اور قزاقانہ جھنڈوں کا وجود کھو دیا گیا اور برطانوی قوت کا
وہ اقتدار حکومت تری پر قائم کر دیا گیا جسکو خشکی پر قائم کرنے سے اُسکو
ممانعت کر دی گئی تھی۔

نئے اجازت نامہ کے متعلق سلسلہ جنبانی۔

اب وہ وقت آتا جا رہا تھا جبکہ کمپنی کے
تجارتی اجارے کی تجدید کا سوال ایوان حکومت
کے سامنے پیش تھا۔ ابتدائی مباحثہ جو وزارت
اور لیڈن ہال سٹریٹ میں ہوا اُسمیں مجلس انتظامیہ نے بڑی لمبی چوڑی مراعات
طلب کی تھیں جو رفتہ رفتہ واپس لینی پڑیں لیکن پھر بھی مجلس موصوفہ اس
امر پر مصر رہی کہ اجازت نامے کی تجدید حسب سابق مکمل شرائط کے ساتھ
کی جائے۔ بہر حال جماعت نگران کار کے صدر نے مجلس موصوفہ کو یہ
اطلاع دیدی کہ وزارت نے یہ طے کر لیا ہے کہ آئندہ کے لئے انگلستان
کے دوسرے تاجروں پر ہندوستانی تجارت کا دروازہ بند نہیں کیا جائیگا
چنانچہ ہیر پھیر کے کمپنی اور وزارت کے درمیان امر تنقیح طلب صرف
یہی ایک رہگیا کہ شخصی تاجروں کی حوصلہ مندیوں کے لئے انگلستان کے
بندرگاہ بیرونی مال کی درآمد کے لئے کھلے رہنے چاہئیں یا نہیں۔
اور اسی خاص بات پر کمپنی بھی اڑ گئی۔ مجلس انتظامیہ کا کہنا یہ تھا کہ

باب ششم
فصل چہارم
(صفحہ ۳۰۸)

جب تجارت کے مال کی درآمد علاوہ لندن کے دوسری بندرگاہوں پر ہونے لگے گی تو اس سے بڑے بڑے کارخانے توڑ دینے پڑینگے اور ہزارہا مخلوق روٹیوں کو محتاج ہوجائیگی۔ اور اس کثرت سے مال محصول سائر چھپ چھپ کر ملک میں آنے لگیگا کہ اسکا کوئی علاج پھر نہیں ہو سکیگا جتنی تجارت ہے برباد ہوجائیگی اور کمپنی کے حصوں کی قیمت گھٹ جائیگی۔ کمپنی کی طاقت ہندوستان میں بالکل مفلوج ہوجائیگی اور ہندوستان کے باشندوں کی مرفہ الحالی خاک میں مل جائیگی اور صرف یہی نہیں ہوگا کہ ایشیا میں برطانیہ عظمیٰ کے اغراض کو صدمہ پہنچے بلکہ یہ بھی یقینی ہو کر رہیگا کہ برطانوی نظام ایشیا میں بالکل درہم وبرہم ہو جائے"

مجلس انتظامیہ کی مخالفت

مگر وزارت پر ان ہولناک ڈراونی صورتوں کا کوئی اثر نہیں پڑا جو اجارہ داری کی جدت طرازی کے کرشمے تھے بلکہ وزارت نے مجلس انتظامیہ کو صاف الفاظ میں یہ اطلاع دیدی کہ اگر علاوہ کمپنی کے باقی افراد قوم کی تجارتی حقوق دینے سے ہندوستان پر حکومت قائم رکھنا ناممکن نظر آئیگا تو اس قیام حکومت کے لیئے وزارت کوئی دوسرا ذریعہ تلاش کرے گی جسمیں کافۃ الناس کی بہبودی اور نظام مملکت کی سلامتی یہ دونوں صورتیں نکل آئینگی۔ لیکن منتظمین و مالکان کمپنی کسی طرح کی ایسی مراعات دینے پر راضی نہیں ہوتے تھے اور انھوں نے یہ اعتماد ظاہر کیا کہ ایوان حکومت کبھی اس امر پر رضامند نہیں ہوگا کہ چند اہل غرض کے نظریات کی تائید کرنیکے لیئے ایک ایسے سلسلۂ تجارت کو منسوخ کردے جو دو صدی سے برابر جاری چلا آرہا ہے اور بیسیوں احکام ایوان حکومت کے اسکی پشت پناہی پر ہیں۔ برخلاف اسکے کمپنی کے حصول اجارہ داری کے دعوے کی مخالفت تمام انگلستان بھر میں ہو رہی تھی۔ جو بیس سال پہلے اجارے کے

باب ششم
فصل چہارم

بعد سے گزر چکے تھے اس عرصے میں حرفت وتجارت نے زمانۂ ماسبق کے مقابلے میں بہت زیادہ ترقی کرلی تھی اور سوداگروں اور مالکان کارخانہ جات یہ مطالبے کر رہے تھے کہ انکو اُنکے اپنے بندرگاہوں سے اُنکے اپنے جہازوں کے ذریعے سے ہندوستان کے ساتھ آزادانہ درآمد برآمد مال کی کرنے دی جائے اور مطالبات نے اس قدر زور پکڑا تھا کہ وزارت کو اس قومی آواز کا بند کرنا ناممکن نظر آتا تھا۔ غرض یہ کہ ۲۲۔ مارچ ۱۸۱۳ء کو جماعت نگراں کار کے پریزیڈنٹ نے محکمۂ وزارت کی طرف سے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کی حکومت بیس سال تک کمپنی کے ہاتھ میں رہنے دی جائے۔ اور اسکو یہ بھی آزادی حاصل رہے کہ وہ اپنی تجارت کے سلسلے کو بھی جاری رکھے مگر اسکے ساتھ ہی تمام قوم کو بھی یہ اجازت رہے کہ وہ اس تجارت میں حصہ لے سکے۔ مگر چین کے ساتھ تجارت کرنیکے حقوق صرف کمپنی ہی کے پاس رہیں اور ہندوستان میں اہل یورپ کی آمدورفت پر جو قیود عائد ہیں اُنکو اس درجہ کم کردیا جائے کہ وہ منسوخ ہونیکے برابر ہوجائیں اس تمام تجویز کی مجلس انتظامیہ و مجلس مالکان نے بڑی شد و مد سے مخالفت کی اور انھوں نے پارلیمنٹ میں یہ عرضداشت کی کہ انکو اپنے دعوے کی تائید میں شہادتیں منتظمین کی طرف سے شہادتیں پیش کرنیکی اجازت دی جائے۔ پہلا گواہ جو پیش ہوا وہ بڈھا بوڑھا وارن ہیسٹنگز تھا جو اس وقت اسّی سال کی عمر میں تھا۔ آج سے چھبیس [26] سال پہلے اسی گواہ کو ایوان عام کی طرف سے ملزم بناکر ایوان خاص کے کٹھرے میں کھڑا کیا گیا تھا اور اُسپر سیہ کاریوں اور بدکرداریوں کے سخت الزامات لگائے گئے تھے۔ مگر وہ اُس زمانے کے تعصبات و مخالفت پر غالب آچکا تھا اور اب جس وقت ایوان عام میں داخل ہوا تو تمام ایوان اُسکی شخصیت اور اسکی حسن خدمات کی تعظیم کے لیے خود بخود سرو قد کھڑا ہوگیا۔ لیکن ہندوستانی حکمت عملی کے متعلق اُسکے خیالات اس زمانے سے تعلق رکھتے تھے جبکہ وہ ہندوستان

(صفحہ ۳۰۹)

میں انگریزی سلطنت کی بنا ڈال رہا تھا۔ وہ اس تغیر واقعات کو کیا سمجھ سکتا تھا جو انگلستان و ہندوستان دونوں مقاموں پر رونما ہو چکا تھا اسلیئے وہ فطرۃً تمام بدعات کا مخالف تھا۔ اسکے بعد لارڈ ڈین موتھ کی مسٹر چارلس گرانٹ کی۔ کرنل مالکم کی۔ کرنل منرو کی اور اُن تمام گواہوں کی شہادتیں ہوئیں جنہیں مجلس انتظامیہ نے پیش کرنیکے لیئے ایوان حکومت میں جمع کر رکھا تھا گروہ سب اسی اگلے زمانہ والوں کے ذیل میں آگئیں۔ ان سب نے یہ بیان کیا کہ ہندوستان کی آب وہوا اور وہاں کے باشندوں کے عادات وخصائل برطانوی مال کی مزید کھپت کے منافی ہیں۔ ہندوستانی تجارت اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے اور صرف کمپنی کے ہاتھ میں ہی رہنے سے اس تجارت سے کوئی بہتری کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اہل یورپ کی آزادانہ آمدورفت سے از سر نو استعمار (Colonization) کی نوبت آجائیگی جس سے دیسیوں پر وہی پہلا سا ظلم وتشدد ہونے لگیگا اور ہندوستان آخر کار انگریزوں کے ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ لیکن جتنی شہادتیں مجلس انتظامیہ نے پیش کیں اور جن جن ماہرین کی طرف رجوع کیا اُن سب سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ ایوان حکومت کو ملک کی آواز کے سامنے جھکنا پڑا اور ہندوستان کو تمام انگریزی قوم کی بلا قید جولانگاہ بنا دیا گیا۔

صیغۂ تبلیغ مذہب

کسی پہلی فصل میں یہ تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ سر جارج بارلو نے بغاوت ویلور کی بدحواسی کے زمانے میں سیرامپور مشن پر بعض قیود عائد کر دی تھیں لیکن لارڈ منٹو کی آمد پر وہ سب رفتہ رفتہ علیحدہ کر دی گئیں۔ لیکن جاوا سے واپس آکر بلا کسی سیاسی ضرورت کا کسی قسم کا خیال کیئے ہوئے لارڈ منٹو کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ صیغۂ تبلیغ کی بڑھتی ہوئی کارگزاریوں کے خلاف سختی سے کارروائی کرے اور اُسنے آٹھ ایسے پادریوں کو فوراً ملک چھوڑ دینے کا حکم دیدیا جنہیں سے زیادہ تعداد انگلستان سے تازہ وارد ہوئی تھی۔ مجلس انتظامیہ کو جو مخالفت انگلستان کے صیغۂ تبلیغ وصیغۂ تعلیم سے تھی وہ کچھ للہی بغض تک

باب ششم
فصل چہارم

پہنچگئی تھی اور اِن صیغوں کے موئدین کو یہ موقع اچھا ہاتھ آیا کہ تجدید اجازت نامہ کے مباحثے کے وقت اس معاملے میں ایوان حکومت کی مداخلت کی نوبت لائی جائے۔ چنانچہ اس مسئلے کا پیش کرنا مسٹر ولبر فورس کے سپرد کیا گیا جسنے ایک نہایت فصیح و بلیغ تقریر میں ایوان حکومت سے استدعا کی کہ اس امر کی اجازت دی جائے کہ مذہب عیسوی کی صداقتوں کو ہندوستانیوں کے سامنے پیش کر دیا جائے پھر انکو ماننا نہ ماننا اُن کے اختیار میں ہے لیکن تمام انڈیا ہاؤس نے اور سوائے چند مستثنیات کے اُسکی طرف کے پیش کیئے ہوئے تمام گواہوں نے اس بدعت کی بھی ایسی ہی زور شور سے مخالفت کی جیسی کہ آزاد تجارت کی کی تھی۔ اور پادریوں اور شخصی تاجروں کے ہندوستان میں گھُس پڑنیکو یکساں شدت کے ساتھ مذموم قرار دیا۔ لیکن ملک کی آواز معمولی سے زائد ہم آہنگی کے ساتھ اس اصول کے خلاف بھی بلند ہوئی کہ ہندوستان میں صرف اُسی ایک مذہب کی اشاعت روکی جائے جو اُسکے حکمرانوں کا مذہب ہے۔ ایوان حکومت میں ملک کے ہر گوشے سے ہر طبقے و ہر درجے سے عرضداشتوں کی اس موضوع پر بھرمار ہوگئی اور اس تجویز میں یہ ترمیم بھی بڑی کثرت رائے سے منظور ہوگئی کہ ہندوستان میں پادریوں کو بھی آمد و شد کی ویسی ہی آزادی ہے جیسی کہ تاجروں کو حاصل ہے ؛

(صفحہ ۳۱۰)

باب ہفتم

فصل اول

لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت۔ جنگ نیپال

ارل موئرا جو بعد کو مارکوئس آف ہیسٹنگز بنا	لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل ۱۸۱۳ء

باب ہفتم
فصل اول

دیا گیا تھا۔ ۴۔ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو حلف اطاعت لیکر کونسل میں بہ حیثیت گورنر جنرل کے بیٹھا۔ وہ اس وقت ۵۹ سال کی پختہ عمر تک پہنچ چکا تھا۔ دراز قد اور وجیہ تھا اور نارمنڈی کے قدیم خاندان شاہی سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اُسکا رئیسانہ انداز سب سے الگ نظر آتا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں وہ فوج میں داخل ہوا تھا اور امریکہ کی ہفت سالہ جنگ میں سات سال تک خدمات انجام دے چکا تھا۔ بعد کو اُسکی زندگی سلطنت کے اہم کاروبار سے تعلقات رکھنے میں صرف ہوتی رہی تھی اور وہ اپنے اس اعلیٰ عہدے پر سرفراز ہوتے وقت اپنے ساتھ تجربات کا بڑا ذخیرہ۔ نہایت زبردست اخلاقی قوت۔ اور نہایت سلجھی ہوئی اور معاملہ فہم طبیعت لایا تھا جسکے ساتھ ہی ایک اور امتیاز یہ بھی تھا کہ اُسے شہزادہ کا ذاتی دوست ہونیکا بھی اعزاز حاصل تھا۔ اپنی ممبری ایوان حکومت کے زمانے میں اُسنے لارڈ ولزلی کی جنگبازی پر اور تمام ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو قائم کرنے کی حریصانہ حکمت عملی پر سختی کے ساتھ اظہار ملامت کیا تھا۔ لیکن اُسنے ہندوستانی سلطنت کی موجودہ اور آئندہ حالات پر ایک غائر نظر ڈالی ہے کہ اُسکی اگلی رائے بالکل تبدیل ہوگئی اور ابھی اُسے ہندوستان میں رہتے بہت سے مہینے نہیں گزرے تھے کہ اُسنے اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر کی۔

ہماری غایت ہندوستان میں یہ ہونی چاہیئے کہ ہم برطانوی گورنمنٹ کو اگر علی الاعلان سب پر اعلیٰ نہ ظاہر کرنا چاہیں تو حقیقت میں سب سے زبردست ضرور بنالیں۔ اور دوسری ریاستوں کو اس امر پر مجبور کرلیں کہ وہ دو محکومانہ فرائض ہمیشہ ادا کرنیکے لیئے تیار رہیں۔ ایک یہ کہ اپنے پورے وسائل سے ہماری حکومت کو قائم رکھنے میں مدد کیا کریں دوسرے یہ کہ اپنے باہمی تنازعات کو ہماری ثالثی کے سپرد کردیا کریں۔“

ہندوستان کی حالت ۱۸۱۳ء

لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے اس مشرقی تخت کو کوئی پھولوں کا بچھونا نہیں پایا۔ اس اصول عدم مداخلت نے نئی نئی جنگوں کے بیج بو دیئے تھے جسکو لیڈن ہال اسٹریٹ میں سیاسی دور اندیشی کا کمال سمجھا جاتا تھا اور جسکو دیسی رئیس بزدلی کی علامت سمجھتے تھے۔ ہلکر کی وحشت مزاجی نے آخر اُسکو بالکل مخبوط الحواس بنادیا تھا۔ اُسکی سلطنت کی قوت بالکل کمزور ہوگئی تھی اور امیر خاں نے اپنے قدم جمالیئے تھے اور تخت کے لیئے وہ آسمانی اور ملک کے لیئے بلائے ناگہانی بنگیا تھا۔ سندھیا کی فوجیں برابر اپنے ہمسایوں پر دستبرد کرکے اپنی قوت بڑھانے میں مصروف رہتی تھیں۔ پیشوا اپنے وسائل اسلیئے بڑھا رہا تھا کہ پہلا موقعہ ہاتھ آتے ہی برطانیہ کا جُوا اپنی گردن پر سے اتار کر پھینکدے۔ پنڈارے غارتگر پانسو میل طول اور چارسو میل عرض کے ملک میں برابر تباہی و بربادی پھیلا رہے تھے۔ اور بنگال و بہار کی شمالی سرحد پر ایک نئی طاقت اُٹھکر انگریزی علاقوں پر حملے کررہی تھی اور نیپال کی پہاڑیوں میں سے نکلکر انگریزی علاقے پر بادل کی طرح چھائی چلی جاتی تھی۔ کمپنی کی فوج جو نئی کفایت شعاری کے خیال سے بہت کچھ تخفیف کی زد میں آچکی تھی بالکل اس قابل نہیں معلوم ہوتی تھی کہ سرحدات کی حفاظت کرسکے اور خزانہ خالی تھا۔

نیپال

پہلی اور فوری مشکل جو لارڈ ہیسٹنگز کو پیش آئی وہ نیپالیوں یا گورکھوں کی دست درازی تھی۔ وادی نیپال کوہ ہمالیہ کی آغوش میں آرام کرتی ہے۔ جسکے شمال میں کوہ ہمالیہ کی سربفلک چوٹیاں پہرہ دیتی ہیں اور جنوب میں اُسی پہاڑ کا پہلا اور سب سے نیچا سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس سلسلہ کوہی کے حاشیے پر ایک وسیع جنگل ہے جسمیں شروع سے آخر تک دیو قد درخت ہیں۔ اس جنگل کا عرض اٹھ سے دس میل تک ہے اور اسقدر گھنا ہے کہ ہوا کا کوئی جھونکا بھی اس کے وسط تک پہنچ نہیں سکتا۔ سڑے ہوے

باب ہفتم
فصل اول

پتوں کی اس میں خفونت اسقدر ہے کہ جانوروں کا تو کیا ذکر پرندوں کو بھی اسکے
اندر جانے کی جرات نہیں ہوتی۔ اس جھاڑی کے جنوب میں کوئی پانسو
میل لنبا اور بیس میل چوڑا ایک مسطح میدان چلا جاتا ہے جسے ترائی کہتے
ہیں اس ترائی کی زمین کو وہ چشمے آبیاری کرتے ہیں جو گرد و پیش کی
پہاڑیوں میں سے نکلتے ہیں۔ جب کاشت کی جاتی ہے تو اس زمین
میں بڑی زبردست پیداوار ہوتی ہے مگر سال کے اکثر حصے میں یہاں
وہ وبائی امراض جو دلدلوں سے مخصوص ہیں پھیلے رہتے ہیں۔

گورکھوں کی ترقی و عروج

چودھویں صدی عیسوی کے وسطی زمانے میں کئی
راجپوت قبیلے اس ملک میں گھس پڑے اور
یہاں کے اصلی باشندوں پر جو نیوار کہلاتے تھے اپنی حکومت قائم کرلی
اور کچھ زمانے کے اندر یہ سب قبیلے مل جلکر صرف تین قبیلوں میں تقسیم ہوکر
رہگئے۔ پلاسی کی لڑائی سے کوئی دس سال بعد گورکھا قبیلے کے سردار پرتھی
نرائن نے گرد و پیش کے دوسرے سرداروں کو مغلوب کرکے ایک نیا
خاندان حکومت قائم کیا جسکا دارالحکومت کھٹمنڈو میں رکھا گیا۔ اسکی
اولاد میں سے ایک شیر خوار بچہ سنہ ۱۸۰۰ء میں گدی نشین کیا گیا اور بھیم سین
نے ایک مجلس مدار المہامی اپنی صدارت میں قائم کی۔ بانیِ خاندانِ
حکومت نے جو فتوحات کا مذاق قوم میں پیدا کردیا تھا وہ اُتنے ہی
جوش و خروش کے ساتھ اب تک قائم تھا۔ ایک فوجی مہم لاسہ پر
بھیجی گئی اور مہاتما بدھ کا زندہ اوتار یعنے لامائے تبت اس انکسار
پر مجبور کیا گیا کہ اپنے ہندو فاتحین کو خراج دیا کرے۔ لیکن بدھ مذہب
کے دیوتا کے حامی شہنشاہ چین نے اس گستاخی کا بدلہ نیپال پر حملہ کرکے
لے لیا۔ اور نیپالیوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنے فرستادہ کے ہاتھ ہر تیسرے
سال اپنا خراج چین کو بھیجا کریں۔ اسکے بعد کھٹمنڈو کی مجلس حکومت نے اپنی فتوحات
کو جانب مشرق سکم تک بڑھایا اور مغرب میں ستلج کے بالائی حصے کے کوہستانی علاقے تک انکا
ایک سربرآوردہ سپہ سالار امر سنگھ بڑھتا چلا گیا جہاں اُس کی رنجیت سنگھ

(صفحہ ۳۱۲)

سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ لیکن اُسے کوٹ کانگڑا کا محاصرہ اُٹھاکر اپنے ملک کو فوراً اسلیئے واپس ہونا پڑا کہ اُسکے ملک پر برطانوی گورنمنٹ کا حملہ شروع ہوگیا تھا۔

برطانوی علاقے پر نیپالیوں کی دست درازی

جس جنگ کا اب ہم تذکرہ کرتے ہیں اُس سے کوئی پچیس سال پہلے کے عرصے میں گورکھوں نے ہندوستان کی طرف کے میدان میں پیشقدمی کرنی شروع کردی تھی، اور کم و بیش دو سو برطانوی مواضعات پر قبضہ کرلیا تھا اور اُنکے تمام خط سرحد پر سے برطانوی رعایا پر وقتاً فوقتاً یورشیں ہوتی رہتی تھیں۔ آخرکار اُنکی ہمت یہاں تک بڑھی کہ اُنھوں نے گورکھپور کے علاقے میں اضلاع بتول اور سیوراج پر قبضہ کرلیا۔ جو نواب وزیر اودھ نے ۱۸۰۲ء میں لارڈ ولزلی کے عہد حکومت میں کمپنی کو منتقل کردیئے تھے۔ لارڈ منٹو حتی الامکان اس کوشش میں رہا کہ زبان تیغ سے سوال و جواب کی نوبت نہ آنے پائے اور اُسنے وزارت نیپال کے ساتھ ایک مجلس مشاورت منعقد کرنیکی تجویز کی جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ لارڈ منٹو پر یہ واضح ہوگیا کہ نیپالیوں میں حق شناسی کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ چنانچہ جون ۱۸۱۳ء میں لارڈ منٹو نے ان اضلاع کی فوری واپسی کا مطالبہ کیا ورنہ گورنمنٹ ہند کو مجبوراً ہتھیار سنبھالنے کی ضرورت پڑیگی۔ لیکن نیپال کی مجلس حکومت نے ان اضلاع کے تخلیے سے صاف انکار کردیا۔ یہ جواب لارڈ ہیسٹنگز کے آجانیکے بعد کہیں آکر کلکتہ پہنچا اور تمام کاغذات کا بغور ملاحظہ کرلینے کے بعد اُسے یہ لازمی نظر آیا کہ ایک آخری مطالبہ اور یہ کرے کہ اضلاع متنازعہ کو پچیس دن کے اندر خالی کردیا جائے۔ یہ میعاد بھی گذر گئی اور کھٹمنڈو سے کوئی جواب نہیں آیا۔ آخرکار لارڈ ہیسٹنگز نے گورکھپور کے مجسٹریٹ کو یہ حکم بھیجا کہ گورکھا افسروں کو زبردستی نکال دے۔

گورکھوں کا عزم جنگ

لارڈ ہیسٹنگز کے آخری مراسلے سے کھٹمنڈو میں

باب ہفتم
فصل اول

ایک سنسنی پیدا ہو گئی اور مجلس حکومت کو یہ یقین ہو گیا کہ ان سرحدی مقامات کا قبضہ اب برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ صلح یا جنگ کی حیثیت میں مستحیل ہو کر رہیگا۔ اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے قومی مجلس شوریٰ طلب کی گئی۔ اس جلسے میں امر سنگھ نے یہ کہا:۔

(صفحہ ۳۱۳)

> میری زندگی صعوبات جنگ میں گذری ہے اور میں انکی مصیبتوں سے بالکل خوف نہیں کھاتا ہوں مگر میں برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ لڑائی مول لینے سے اظہار بیزاری کرتا ہوں اور مجھے یہ یقین ہے کہ وہ قطعات زمین اتنے بڑے بوجھ کے قابل نہیں ہیں۔ یاد رکھئے ہم لوگ اب تک صرف ہرنوں کا شکار کرتے رہے ہیں مگر یہ شیر کے شکار کا موقع ہے۔

لیکن مدار المہام اور اسکے جنبہ دار جنگ پر تلے ہوئے تھے اور انھوں نے گنگا سے شمال کے اضلاع کی حوالگی کا مطالبہ کرنیکا عزم بالجزم کرلیا اور جنگ کو ناگزیر بنا دینے کے خاص ارادے سے ایک فوجی دستہ بتول بھیجا جسنے پولیس افسر اور اسکے اٹھارہ سپاہیوں کو قتل کر ڈالا گورکھوں نے بیڑا میدان میں ڈالدیا تھا اور لارڈ ہیسٹنگز کے پاس سوائے اسکے اٹھا لینے کے کوئی چارۂ کار ہی نہیں رہا تھا اور تمام معاملہ اس تعجیل میں سر آپڑا تھا کہ لیڈن ہال اسٹریٹ سے استصواب کرنیکا وقت ہی نہیں مل سکتا تھا۔ برطانوی قوت کے سامنے اس طرح خم ٹھونک کر کھڑے ہو جانا گورکھوں کی ایسی جرأت اور گستاخی تھی جسپر یقین سا نہیں آتا تھا۔ انکی تمام فوج کی تعداد بارہ ہزار سے زائد نہیں تھی اور وہ بھی بڑے طویل خط سرحد پر پھیلی ہوئی تھی اور انکی بڑی سے بڑی توپ صرف دو سیر کا گولہ لیتی تھی۔ لیکن کئی سال کی متواتر فتوحات نے انکے دلوں میں گھمنڈ پیدا کر دیا تھا۔ انکی اصلی قوت انکے ملک کی دشوار گذاری اور انگریزوں کی اس ملک کے متعلق عدم معلومات تھی۔

لکھنؤ کا قرضہ

لارڈ ہیسٹنگز نے دیکھا کہ اسے مجبوراً ایک کراری

مدٔبھیڑ میں گھسنا پڑا ہے اور مٹھی بالکل خالی ہے۔ اس قسم کے تمام اگلے موقعوں
پہ گورنمنٹ قرضے کی طرف رجوع کرتی تھی لیکن اس وقت اگر قرضہ بالکل محال
نہیں تو سخت دشوار ضرور تھا کیونکہ گورنمنٹ کی درشتی ہنڈیاں نو دس
روپے سیکڑے کا بٹا کھا رہی تھیں اور بازار میں نقد روپیہ بارہ روپے
سیکڑہ سے کم پر کہیں نہیں مل رہا تھا۔ اس تذبذب کے وقت اُسنے
لکھنؤ کے اندوختے پر نظر ڈالی جو اسوقت سات کرور روپیہ تھا۔ نواب
وزیر کو اسکی فکر تھی کہ کسی طرح برطانوی رزیڈنٹ کے تحکمانہ دخل در معقولات
سے خلاصی پاسکے اور لارڈ ہیسٹنگز نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ اس
آئے دن کی پریشانی سے اُسے ضرور نجات دلادی جائیگی۔ اسوقت
جو نواب وزیر نے یہ سنا کہ گورنمنٹ مالی مشکلات میں مبتلا ہے تو اُسنے
بطور اظہار امتنان کے لارڈ ہیسٹنگز کی خدمت میں ایک کرور کا عطیہ
پیش کرنا چاہا۔ لارڈ ہیسٹنگز لکھنؤ روانہ ہوا مگر ابھی وہاں پہنچنے نہ پایا تھا
کہ نواب وزیر کا انتقال ہو گیا۔ لکھنؤ پہنچنے پر اُسکے گدی نشین بیٹے نے
اس پیشکش کی تجدید کی لارڈ ہیسٹنگز نے یہ تو مناسب نہ سمجھا کہ اس رقم کو
بطور عطیہ یا نذرانے کے قبول کرے البتہ اُسنے اسکو بطور سودی قرضہ
لے لینے پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن اسکو اس امداد سے بہت کم فائدہ
حاصل ہوا۔ پہلا قرضہ جو آٹھ فیصدی پر لیا گیا تھا جسکو گورنمنٹ چھ فیصدی
میں تبدیل کرنیکی کوشش کر رہی تھی اسمیں سے ابھی تک کوئی پچاس لاکھ روپیہ
باقی تھا۔ اور نائب صدر کونسل نے بغیر گورنر جنرل کی اطلاع و اجازت
کے لکھنؤ کے قرضے میں کی نصف رقم اُس پہلے قرضے کی ادائیگی کے کام
میں لے لی اس حماقت نے لارڈ ہیسٹنگز کے وسائل جنگ کی کونچیں کاٹ
ڈالیں اور اُسکو اپنی فوج کشی میں بہت برا دن دیکھنا پڑتا اگر وہ ایک
کرور اور مانگنے کی ذلت نہ گوارا کرتا جو بڑے پس وپیش کے بعد اسے دیا گیا۔

(صفحہ ۴۱)

پیش قدمی کا نقشہ

نقشۂ جنگ کے متعلق لارڈ ہیسٹنگز کی رائے میں یہ بڑی
غلطی تھی کہ تمام فوجی کارروائیوں کو صرف ایک خطۂ سرحد کی

حفاظت پر محدود کر دیا جائے جو کہ سو میل لمبا تھا کیونکہ اُسکی حفاظت کرنی
ایک ایسے سرگرم اور منچلے دشمن کے مقابلے میں ناممکن تھی۔ اُسکی سمجھ میں
انگریزوں کی فوجی شہرت صرف اُسی وقت قائم رہ سکتی تھی جبکہ گورکھوں
کے سب سے زبردست معرکے کے مقاموں پر کامیاب مجارحت کی جا سکے۔
چنانچہ اُسنے چار مقاموں پر چار مہمیں بھیجنی تجویز کی۔ مغربی مہم بالائے ستلج پر۔
مشرقی مہم خاص دار الحکومت پر اور دو دوسری مہمیں دو درمیانی مقامات
ویلور۔ اور جاوا میں بڑی شہرت و نیکنامی حاصل کرنے والے جنرل جلیسپی
کی ساڑھے تین ہزار فوج کی مہم سب سے پہلے میدان میں اُتری اور وادئ دھون کی
طرف بڑھی اس اثنا میں جنرل جلیسپی قلعہ کلنگا پر پہنچا جسکو چھ سو گورکھا فوج اپنے قبضہ
میں کیئے ہوئے تھی۔ لارڈ ہیسٹنگز نے جنرل مذکور کو یہ تنبیہ کر دی تھی کہ جہاں توپ خانے سے
تسخیر ممکن ہو وہاں پلہ بولنے کی غلطی ہرگز نہ کرے لیکن جنرل مذکور نے اپنی
طبیعت کی لا اُبالی اور دلاوری کے تقاضے سے یہی عزم کیا کہ قلعۂ کلنگا کو
پلہ بول کر فتح کرے۔ اور جس وقت وہ اپنے اُن سپاہیوں کے دل بڑھاتیکو
پھاٹک کے قریب پہنچا جنکے قدم گورکھا آتش باری سے ڈگمگانے لگے تھے
تو ایک گولی اسکے دل میں سے پار نکل گئی اور وہ اُنہیں قدموں ٹھنڈا ہو گیا
فوراً قریباً سے واپسی بجالائی گئی لیکن اس سے پہلے بیس افسر اور دو سو چالیس
سپاہی قتل اور زخمی ہو چکے تھے۔

تین دستوں کی ناکامیابی

مہینہ بھر تک دہلی سے بھاری توپ خانے کی آمد کا
انتظار کیا جاتا رہا۔ جب وہ آیا اور کام کرنے لگا
اور ایک جگہ راستہ بنا تو دوسرا حملہ بھی گورکھوں نے پسپا کر دیا جسمیں
چھ سو اسّی کا نقصان انگریزی فوج کو اٹھانا پڑا۔ آخر تین دن کی متواتر
گولہ باری نے قلعے کو ناقابل مدافعت بنا دیا اور بہادر گورکھا سپہ سالار
اپنے ستّر بچے ہوئے سپاہیوں کو لیکر قلعہ خالی کر گیا۔ اس دستے کی نیکنامی کو جنرل مارٹنڈل
نے بھی پھر زندہ نہیں کیا جسکے ہاتھ میں زمام قیادت بعد کو آگئی تھی۔ جنرل مذکور
کی ماتحتی میں پانچ ہزار ہندوستانی اور ایک ہزار یورپین سپاہ تھی مگر

دو ہزار تین سو گورکھوں نے اس جم غفیر کو ایک قدم نہیں آگے بڑھنے دیا۔ جنرل جے ایس وڈ کی فوج جو قلب نیپال میں گھس جانیکے لیئے پالپا ہوکر بھیجی گئی تھی اُسکو بھی اسی طرح ناقابلیت کے ساتھ مفلوج ہوکر پڑا رہنا پڑا۔ اسے یعنے ساڑھے چار ہزار گورہ اور ہندوستانی سپاہی صرف بارہ سو گورکھا فوج کے مقابلے میں عہدہ برآ نہو سکے۔ لارڈ ہیسٹنگز کا بڑا خاص بھروسا جنرل مارلے کی آٹھ ہزار فوج پر تھا جسکا مقام مقصود دارالحکومت تھا جو انگریزی سرحد سے صرف سو میل پر واقع تھا لیکن جنرل مارلے اپنی کمزوری میں سب سے ہی سبقت لے گیا۔ دو دستے مشرق و مغرب کی طرف بغیر احتیاط و پیش بندی کے بھیجدیئے گئے تھے اور گورکھوں نے اُنکی خاطرخواہ مدارات کی۔ سپاہی تو میدان چھوڑکر بھاگ کھڑے ہوئے اور افسر اپنی فطری پامردی کے ساتھ ان میں کام آگئے اور توپیں سامان حرب اور ذخائر سب کچھ دشمن کے قبضے میں آگیا۔ بدبخت جنرل مارلے نے پسپائی شروع کردی اور اگرچہ دو یورپین رجمنٹیں اُسکی کمک کے لیئے آپہنچی تھیں مگر وہ کسی طرح جھاڑی کے اندر قدم بڑھانے پر رضامند نہیں ہوا اور ایک دن علی الصباح گھوڑے پر سوار ہوا اور بغیر کسی دوسرے افسر کو زمام قیادت سپرد کیئے ہوئے سرپٹ دیناپور کی چھاؤنی میں آکر دم لیا۔ جنرل مارج وڈ جو جنرل مارلے کی جگہ بھیجا گیا تھا وہ بھی اپنے پیشرو کی طرح فوجی روح سے خالی تھا اور اس تمام فوج کی خدمات بالکل بیکار گئیں۔

(صفحہ ۳۱۵)

ان شکستوں کے اثرات

کمپنی کے ہندوستان میں ہتھیار اُٹھانیکے وقت سے یہ پہلی فوجکشی تھی جسمیں کمپنی کی سپاہ دشمن کی سپاہ سے اسقدر تعداد میں زیادہ ہو۔ انگریزوں کی ناکامی کی اصل وجہ اُنکے قائدوں کی سخت ناقابلیت ہوئی۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اس موقعے کی نزاکت کو نہایت تشویش کی نظروں سے دیکھا اور اپنے روزنامچے میں یہ اندراج کردیا کہ اگر ہمکو اس جنگ میں ناکامی ہوگئی تو یہ ہماری سلطنت کی سرنگونی کی طرف پہلا قدم ہوگا۔ یہ خبریں بڑے اہتمام کے ساتھ تمام ہندوستان میں پھیلائی گئیں اور اُنھوں نے دیسی رئیسوں کی پژمردہ اُمیدوں میں از سر نو جان ڈالدی

باب ہفتم
فصل اول

اور اُن سب نے فوجی مظاہرے کرنے شروع کر دیئے۔ پیشوا نے خفیہ سفیر تمام درباروں میں حتیٰ کہ پنڈاریوں تک کے پاس بھیجے اور اسکی سربراہی میں گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف ایک خفیہ معاہدہ امداد باہمی کا طے پایا۔ سندھیا فوجیں انگریزی سرحد پر قواعد کرنے لگیں۔ امیر خاں نے پچیس ہزار سوار اور پیادہ کی جمعیت سے انگریزی علاقے سے بارہ منزل پر اپنا لشکر لا ڈالا۔ رنجیت سنگھ بیس ہزار فوج کے ساتھ ستلج کے پایاب راستوں پر آپڑا۔ اور بیس ہزار پنڈارے بھی ہر موقع پر ہتھ پھیری کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اس نازک موقع کا تدارک کر سکنے کے لئے مدراس کی جتنی فوج میسر ہوسکتی تھی سب دکن کی سرحد پر بھیجدی تازہ پیدل سپاہ بھرتی کرنی شروع کی اور نئے بیقاعدہ رسالے بھی تیار کیئے اور کل سپاہ کی تعداد اسی ہزار تک پہنچادی۔ لیکن بقول ہندوستانیوں کے اس وقت تک کمپنی بہادر کا اقبال زور پر تھا۔ رنجیت سنگھ کو تو افغانوں کی یورش کے ناگہانی خطرے کی وجہ سے اپنے گھر جانا پڑا۔ سندھیا کے دونوں سپہ سالار بہت کچھ اختلاف کے بعد ایکدوسرے پر ٹوٹ پڑے پنڈارے سرغنہ آپس میں لڑ مرے اور امیر خاں نے جودھپور کا علاقہ لوٹنے میں زیادہ فائدہ دیکھا اور جو کچھ مصیبت کی گھٹائیں چھائی رہگئی تھیں اُنکو جنرل اخترلونی کی فتح کی ہوا بندھ جانے سے بالکل ہی صاف اُڑا دیا۔

(صفحہ ۳۱۶)

جنرل اخترلونی کی کارگذاری

اس قابل سپہ سالار کی فوج کو اس کام پر متعین کیا گیا تھا کہ گورکھوں کو اُس علاقے سے نکال باہر کر دے جو اُنھوں نے بالائے ستلج میں حاصل کر لیا تھا اور جہاں کی گورکھا فوج کا سپہ سالار امر سنگھ تھا۔ گویا گورکھوں کا سب سے قابل سپہ سالار انگریزوں کے سب سے قابل سپہ سالار کے مقابلے میں تھا۔ میدان کارزار ایک وحشتناک سنگلاخ علاقہ تھا جسمیں کئی یکے بعد دیگرے سلسلے پہاڑوں کے ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے ہمالیہ کی سر بفلک چوٹیوں تک

پہنچ جاتے تھے اور اُنکے بیچ بیچ میں جگہ جگہ گہری گھاٹیاں اور اُنمیں جھاڑیاں آجاتی تھیں۔ جنرل اختر لونی نے اپنے دشمن کی شجاعت کا اور اُسکے اعلیٰ درجے کے موقع کے فوائد کا صحیح اندازہ کر لیا تھا اسلیئے اُسنے اپنی غرض حاصل کرنیکے لیئے استقلال سے مگر نہایت آہستگی و احتیاط سے پیشقدمی شروع کی۔ اختر لونی نے لڑائی شروع کرتے ہی قلعۂ نالاگڈھ کو تیس گھنٹے کی مسلسل آتشباری کے بعد تسخیر کر لیا جسمیں صرف ایک یوروپین سپاہی ضائع ہوا۔ اسکے بعد پانچ مہینے تک برطانوی فوجوں کی بہادری کا برابر سے گورکھا فوجوں کی جانبازی نے مقابلہ کیا۔ اور برطانوی انجنیروں کے تمام داؤں پیچ کا گورکھا پختہ کاروں نے برابر توڑ اور کاٹ کر کر دیا۔ اب تک کمپنی کی فوج کو جتنی خدمات ادا کرنی ہوئی تھیں اُن سب میں یہ نہایت صبر آزما اور محنت طلب تھی ایک ایسے مقام پر جو سطح سمندر سے پانچہزار فٹ سے زائد بلند تھا۔ سال کے نہایت ہی سخت موسم میں۔ دو دو دن کی متواتر برف باری کے درمیان انگریزی مقدمتہ الجیش کو برابر توپوں کی گاڑیوں کے راستے نکالنے کیلیئے چٹانیں اُڑانے اور سڑکیں بنانے میں مصروف رہنا پڑتا تھا۔ کئی کئی دن ایسے گذر جاتے تھے کہ آدمی اور ہاتھی ان توپوں کو عمودی چوٹیوں پر گھسیٹنے میں برابر مصروف رہتے تھے۔ لیکن سپہ سالار کی ہمت مردانہ اور اس کام کی دقت طلبی نے تمام فوج میں ایک پامردی کی روح پھونک رکھی تھی اسیطرح پے درپے دلیرانہ و قابلانہ جنگی چالوں اور تدبیروں سے ہر چوٹی پر انگریزی فوج چڑھ گئی اور ہر قلعہ تسخیر ہو گیا اور صرف ایک قلعۂ ملون باقی رہ گیا۔

جنرل اختر لونی تو اس طرف مصروف کار تھا اور اُدھر لارڈ ہیسٹنگز نے کرنل گارڈنر کی سرکردگی میں تھوڑی سی بے قاعدہ فوج صوبہ المورڑہ پر قبضہ کرنیکے لیئے بھیجدی تھی۔ کرنل گارڈنر بڑی قابلیت کا سپہ سالار تھا اور جنگ مرہٹہ میں بہت سے کارہائے نمایاں کر چکا تھا۔ اسلیئے اپنی نئی ہندوستانی سپاہ کی مدد سے تمام صوبۂ المورڑہ سے گورکھوں کو مار کر نکال باہر کیا اور امر سنگھ اور کھٹمنڈو کے بیچ میں حائل ہو کر امر سنگھ کو ہر طرح کی کمک

باب ہفتم
فصل اول

سے بالکل محروم کر دیا۔ اکثر گورکھا سرداروں نے امر سنگھ سے یہ التجا کی کہ جنرل
اختر لونی سے کوئی شرائط طے کر لے مگر اُس بوڑھے جانباز نے انکی نصیحت کی
طرف سے منھ پھیر لیا چنانچہ اکثر نے آکر اپنے تئیں انگریزی لشکر میں حوالے کر دیا۔
امر سنگھ صرف اپنے دو سو بہادروں کے ساتھ ملون میں قلعہ بند ہو گیا
لیکن جس وقت قلعہ شکن توپ خانہ اس قلعے پر آتشباری کرنیوالا تھا امر سنگھ
کو اس کس مپرسی اور تنہائی کی حالت میں اُن بہادروں کی جانوں کا قربان
کرنا گوارا نہیں ہوا جنہوں نے آخر وقت تک اسکا ساتھ نہیں چھوڑا تھا
چنانچہ اُسنے وہ شرطیں منظور کر لیں جو اُسکے بہادر دشمن نے پیش کی تھیں۔
جنرل اختر لونی نے اپنے دشمن کی قابلیت اسکی بہادری اور اپنے ملک کی
حفاظت کرنے میں اظہار وفاداری کی قدر کرکے امر سنگھ کو یہ اجازت دیدی
کہ وہ مع اپنے ساتھیوں کے اپنے ہتھیار لیئے ہوئے اپنے جھنڈے اڑاتا
ہوا اور اپنا ذاتی مال ومنال ساتھ لیکر قلعے سے نکل جائے۔

(صفحہ ۲۱۷)

دوسری گورکھا فوجکشی

اپنے قابل ترین سپہ سالار کی اس بے بسی کو دیکھکر اور
اپنے سب سے قیمتی مقبوضات کے نقصان کو اندازہ
کرکے نیپال کی مجلس حکومت کے دل سے اپنے پہاڑی قلعوں کی وقعت
بالکل جاتی رہی اور وہ گفتگو سے صلح کرنے پر رضامند ہو گئی۔ گورکھے قائم
مقام سگولی پر آگئے اور ۲۔ دسمبر ۱۸۱۵ء کو ایک صلحنامے پر دستخط کر دیئے۔
اور یہ وعدہ کیا کہ مجلس حکومت کی طرف سے اسکی تصدیق دو ہفتے کے اندر
ہو کر آجائیگی چنانچہ تکمیل صلح کے اعزاز میں کلکتہ میں سلامی کی توپیں بھی سر کردی
گئیں۔ مگر مصدقہ صلحنامہ واپس نہیں آیا۔ امر سنگھ اور اوسکا بیٹا کھٹمنڈو پہنچ
چکے تھے اور انہوں نے مجلس حکومت کو اس امر پر مجبور کیا تھا کہ جنگ کو
جاری رکھا جائے اور چپہ چپہ زمین پر جی توڑ کر لڑا جائے۔ چنانچہ دوسری
فوجکشی ناگزیر ہو گئی اور لارڈ ہیسٹنگز کو نہایت تعجیل میں فوج اسلیئے
جمع کرنی پڑی کہ بارش شروع ہونے سے پہلے دار الحکومت پر ایک
ضرب کاری لگائی جا سکے۔ سرحد پر بیس ہزار فوج جلد جمع کر دیگئی اور

جنرل اختر لونی کو اُسکی قیادت سپرد کردیگئی۔ جس نے اپنے معمولی حزم و احتیاط کے
ساتھ پیشقدمی شروع کردی۔ پہلے ہی دن میں جب اختر لونی نے جب گورکھا
مورچوں کو ناقابل تسخیر پایا تو دشمن کے بازو کو الٹ دینے کا عزم کیا
اور ۱۴۔ فروری ۱۸۱۶ء کی رات کو بالکل سناٹے میں ایک دستہ فوج کو
لیکر ایک ایسی تنگ و تاریک گھاٹی میں سے ہو کر چلا جسمیں بیس آدمی پوری
فوج کو اپنی جگہ پر روک سکتے تھے۔ اس گھاٹی سے گزر کر یہ دستہ دو دن
رات بے آب و دانہ اور بے پناہ اس انتظار میں ٹھیرا رہا کہ دوسرا
دستہ بھی آملے۔ پھر دونوں دستے قلعۂ کلورن پور پر بڑھے جو کھٹمنڈو سے
پچاس میل پر واقع ہے۔ یہاں گورکھا فوج کو شکست فاش نصیب ہوئی۔
اب مجلس حکومت کا جنگی غرور بالکل ٹوٹ چکا تھا اور صلحنامے کی باقاعدہ
تصدیق کرکے نہایت تیزی کے ساتھ بھیجدیا گیا اور دوسری مارچ ۱۸۱۶ء
کو ایسی شرائط پر صلح ہوگئی جو اعتدال کی وجہ سے بے نظر ہیں۔ گورکھے
انگریزوں کے تمام مخالفین میں سب سے زیادہ بہادر ہی نہیں بلکہ سب سے
زیادہ انسانی دشمن ثابت ہوئے اور وہ اپنی بات کے بھی سب سے زیادہ
پکے نکلے ہیں۔ ہندوستانی رئیسوں کے دوسرے معاہدوں کی طرح کبھی اس صلحنامہ
۱۸۱۶ء کی خلاف ورزی نہیں کی گئی ہے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کی مصیبت
سے ناجائز فائدہ اٹھانیکے بجائے ان بہادروں نے ایک زبردست فوج
انگریزوں کو اس غدر کے فرو کرنے میں امداد دینے کے لیے بھیجی تھی۔

(صفحہ ۱۸

فصل دوم

لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت۔ دیسی رئیسوں کے ساتھ معاملات جنگ مرہٹہ و پنڈاری

پٹھان اور پنڈارے

لارڈ ولزلی کے اصول عمل کو مجلس انتظامیہ نے نہایت

باب ہفتم
فصل دوم

سختی سے ناپسند کیا تھا لیکن اسکی عمدگی اُن مصیبتوں سے اچھی طرح ثابت ہوگئی جو اس حکمت عملی کو ترک کردینے سے نازل ہونے لگیں اور تمام وسط ہند کو پٹھانوں اور پنڈاروں نے تباہ وبرباد کرکے رکھدیا۔ امیر خاں پٹھان نے ایک باقاعدہ حکومت قائم کرلی تھی مگر ابھی غارتگرانہ عنصر اُسمیں نمایاں تھا۔ اُسکی فوج کی تعداد دس ہزار پیدل اور پندرہ ہزار سوار کی تھی جسکے ساتھ ایک زبردست توپ خانہ تھا اور چونکہ اُسکا اصل منصوبہ یہ ہوتا تھا کہ وہ رئیسوں اور ریاستوں سے نذرانے وصول کرتا پھرے اسلیئے وہ ہمیشہ محاصرے کی اور میدانی لڑائیوں کے تمام آلات حرب سے تیار ہوکر خروج کرتا تھا۔ پنڈاروں کی غرض عالمگیر اور بے صرفہ غارتگری ہوتی تھی اور وہ تمام ملک میں اس درجہ سرعت سے جھاڑو دیتے چلے جاتے تھے کہ انکی نقل وحرکت کا اندازہ محال ہوتا تھا اور کسی طرح اُنکے تعاقب میں کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ لارڈ ہیسٹنگز نے ہندوستان پہنچکر خاص قلب ہند میں پچاس ہزار پنڈاروں اور پٹھانوں کو قتل وغارت پر گزر اوقات کرتے پایا اور انکی غارتگرانہ تاختیں اتنے بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں جو انگلستان سے بھی وسعت میں زیادہ تھا۔

مجلس انتظامیہ کی خدمت میں گورنر جنرل کی عرضداشتیں

لارڈ ہیسٹنگز کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ لارڈ منٹو سے بھی زیادہ زوردار الفاظ میں مجلس انتظامیہ پر اس غارتگر طاقت کے روز افزوں خطرات کو اچھی طرح واضح کردے۔ اُسنے صاف الفاظ میں لکھدیا کہ ہندوستان کو اُس وقت تک خوشحالی نصیب نہیں ہوسکتی جبتک انگریزی گورنمنٹ کسی ایسے اتحاد کی سرپرست نہو جائے جسکے حیطۂ اختیار میں ہر قسم کی قوت آجائے اور اس قابل نہو جائے کہ اپنی پوری قوت کو ہر نقض امن کی سرکوبی کرنے میں صرف کرسکے۔ لیکن اس اصول عمل کی کونسل کے دونوں ممبروں نے بڑے اہتمام سے مخالفت کی۔ ایک ممبر مسٹر ایڈمنسٹن میں باوجود اپنے تجربے کے ساتھ ہی اعلیٰ درجے کی انتظامی قابلیت ضرور موجود تھی مگر اسمیں ایک مدبر سلطنت کی ذہنی قابلیتیں نہیں تھیں

اور وہ سرجارج بارلو کی رجعت پسند حکمت عملی کا مقلد تھا۔ دوسرے ممبر مسٹر ڈِ وشویل میں سرجارج بارلو کی تمام تنگ خیالیاں موجود تھیں مگر اپنے مقتدا کی قابلیتوں کا ایک شمہ بھی نہیں تھا۔ لارڈ ہیسٹنگز کی عرضداشت کے جواب میں مجلس انتظامیہ نے اپنے پرانے اصول عدم مداخلت پر قائم رہتے ہوئے لارڈ موصوف کو صاف الفاظ میں ممانعت کردی کہ پنڈاروں کے خلاف کسی اتحاد عام میں یا جارحانہ کارروائی میں ہرگز شرکت نکرے خواہ اسکی غرض اُنکا استیصال کامل ہو خواہ اُنکی طرف سے کسی آئندہ خطرے کی مدافعت ہو۔ مجلس موصوفہ نے لارڈ ہیسٹنگز کو یہ حکم دیدیا کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار نکرے جس سے سندھیا کے ساتھ بگڑ بیٹھنے کا احتمال پیدا ہو یا سیاسی تعلقات کے موجودہ انداز میں کسی قسم کا تغیر و تبدل روا رکھے۔ اُس حکمت عملی کے سلسلے کو قائم رکھے جسکا سرجارج بارلو نے اتباع کیا تھا۔ فوج کی قوت کو گھٹا دے اور سخت کفایت شعاری پر عمل پیرا ہوتا رہے۔

(صفحہ ۳۱۹)

مجوزہ اتحاد ۱۸۱۴ء

اس جواب کے پہنچنے سے پہلے لارڈ ہیسٹنگز اس ارادے سے راجہ ناگپور کے ساتھ حمایتی معاہدے کے متعلق نامہ و پیام شروع کر چکا تھا کہ پنڈاروں کو نربدا کے عبور کرنے سے روک دیا جائے۔ مجلس انتظامیہ نے پانچ چھ سال پہلے اس قسم کے معاہدے کو پسند فرما لیا تھا مگر اب راجہ اس تجویز کی برابر مخالفت کر رہا تھا۔ اسپر لارڈ ہیسٹنگز نے اسی قسم کے ایک معاہدے کی تجویز بھوپال کے ساتھ (۳۱) امید پیش کی کہ پنڈاروں کے روکنے میں مدد مل سکے گی بھوپال مالوہ کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو وادی نربدا میں برطانوی علاقے اور پنڈاری مستقر کے مابین واقع تھی یہیں کا رئیس ایک ایسا سردار تھا جسنے ۱۸۰۷ء میں جنرل گوڈارڈ کی مہم کو راستے میں کسی قسم کی امداد دی تھی اور اس موقع پر جو اسناد جنرل موصوف نے دی تھیں وہ اب تک فخر و امتیاز کے ساتھ اس شریف خاندان حکومت کے خاندانی تحائف میں محفوظ ہیں۔ ۱۸۱۲ء میں سندھیا اور راجہ ناگپور نے ایک اتحاد اس غرض سے کیا کہ بھوپال کے علاقے کو ہضم کر جائیں اور

باب ہفتم
فصل دوم

بھوپال کے سربرآوردہ وزیر مسمی وزیر محمد پر ساٹھ ہزار فوج چڑھالائے
جسنے متواتر دو سال تک دار الحکومت کو محصور رکھا۔ وزیر موصوف نے
گورنمنٹ برطانیہ سے امداد کی التجا کی اور لارڈ ہیسٹنگز نے یہ خیال کیا
کہ جو موجودہ حالت وسط ہند کی ہو رہی ہے اُس کے اعتبار سے یہ
اشد ضروری تھا کہ بھوپال جیسی ریاست کو بالکل فنا ہو جانے سے بچا لیا جائے
چنانچہ لارڈ موصوف نے دونو مرہٹہ حملہ آوروں کو ۱۸۱۳ء میں اطلاع دیدی
کہ بھوپال برطانیہ کی حمایت میں آچکا ہے۔ اسپر راجہ ناگپور نے تو کچھ
پس وپیش کے بعد اپنی فوجیں ہٹالیں مگر سندھیا نے کچھ تحکمانہ لہجہ اختیار
کرلیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ نیپال میں متواتر تین شکستیں اٹھانی پڑی تھیں اور
سندھیا نے یہ جواب دیدیا کہ بھوپال اُسکی باجگذار ریاست ہے اور سر جارج بارلو
کے ۱۸۰۵ء کے معاہدے کے موافق گورنمنٹ برطانیہ کو اُسکے اور سندھیا کے
معاملات میں مداخلت کرنیکا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر ادھر تو لارڈ ہیسٹنگز نے
اپنا مطالبہ تسلیم کرانیکے لئے نہایت زبردست تیاریاں شروع کردیں اور
ادھر جنرل اختر لونی کو فتح نصیب ہو گئی اس سے سندھیا کے قدم ڈگمگا گئے
اُسکے دونوں جنرل عین بھوپال کی دیواروں کے تلے ایکدوسرے پر حملہ
کر بیٹھے اور محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ مگر بھوپال کے ساتھ اتحاد قائم کرنیکا منصوبہ
بھی اس وقت ملتوی ہو گیا؛

معاملات پونا

اس اثنا میں باجی راؤ پیشوا کی برطانوی گورنمنٹ سے
مڈبھیڑ ہو گئی جسکا انجام پیشوا کی تباہی پر ہوا۔ اس پیشوا میں
کوئی ایسی قابلیت حکمرانی نہیں تھی جسکی وجہ سے اُسکے مورثان اعلیٰ ممتاز
رہ چکے تھے۔ اور اسنے اپنے تمام منصوبوں کی کامیابی کو صرف سازشوں
اور غداریوں پر موقوف کر رکھا تھا۔ باجی راؤ حرص اور اوہام پرستی کا
بندہ تھا۔ اُسنے دس سال کے عرصے میں پانچ کرور روپیہ جمع کرلیا تھا مگر وہ
برہمنوں اور مندروں کو دان پن کرنے میں نہایت مسرف تھا اور اسکا
تمام وقت ایک تیرتھ سے دوسری تیرتھ کی جاترا میں صرف ہوتا تھا۔ اُسنے اپنے

(صفحہ ۳۲۲)

باب ہفتم
فصل دوم

بڑے با حگذار دنکی جاگیروں پر جو دکنی جاگیر دار کہلاتے تھے ہاتھ صاف کرنیکی بہت کوشش کی جنمیں سے بعض اُنکے خاندان سے بھی زیادہ قدامت استحقاق کے مدعی تھے۔ مگر برطانوی رزیڈنٹ کی مداخلت سے وہ ان ارادوں میں کامیاب نہو سکا جس سے اسکی بیزاری برطانیہ کی طرفسے اور ترقی کر گئی۔
۱۸۱۴ء کے قریب ایک شخص مسمی ترمبک جی ڈانگلیا جو دراصل سر رشتہ پرچہ نویسی میں ملازم تھا اُسکے خاص خدمتگاروں میں داخل ہو گیا اور اپنی ذہانت اور مستعدی کی وجہ سے بالخصوص اپنے آقا کی قرمساقی کی وجہ سے اُسنے پیشوا کی طبیعت پر پورا قابو پا لیا۔ وہ اپنے آقا کے ساتھ اس درجہ غلامانہ اطاعت شعاری کا اظہار کرتا تھا کہ اُسنے ایک مرتبہ برطانوی رزیڈنٹ سے یہ کہدیا کہ اُن داتا اگر حکم دیں تو میں گئو ہتھیا کرنیکو تیار ہوں۔ انگریزی حکومت کے ساتھ اُسے ایک للّہی بیر بغض تھا اور وہ برابر پیشوا کو اسپر ابھارتا رہتا تھا کہ کسی طرح انگریزوں کے اتحاد کو منقطع کر دے اور مرہٹہ برادری کے سرپنچ کی حیثیت سے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دے۔

گیکواڑ پر پیشوا کے دعوے | پیشوا کے کئی دعوے گیکواڑ پر کوئی پچاس سال پہلے سے چلے آرہے تھے جنکی مجموعی مقدار معہ سود کے تین کروڑ سے کچھ ہی کم تک پہنچی تھی۔ گیکواڑ نے بھی تقریباً اسی قدر رقم کے جواب دعوے پیشوا کے خلاف نکالے اور اپنے خاص کاربار ی گنگادھر شاستری کی حساب فہمی کے لیئے پونا روانہ کیا۔ لیکن کارباری مذکور نے بغیر رزیڈنٹ کی کفالت کے پونا میں داخل ہونا نہیں پسند کیا۔ اُسکا خیر مقدم نہایت ذلت کے ساتھ کیا گیا اور روز کی لیت و لعل سے وہ اسقدر تنگ آگیا کہ اُسنے بڑودہ واپسی کا ارادہ کر لیا۔ اسپر ترمبک جی نے اپنے توڑ جوڑ کو بدل دیا اور اُسکو اپنے آقا پیشوا کے اغراض سے متفق کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا یہانتک کہ پیشوا نے شاستری کے بیٹے کو اپنی سالی دینے کا بھی وعدہ کر لیا۔ اسی طرح شاستری کو اسپر بہکا لیا گیا کہ اُسنے گیکواڑ کے سات لاکھ روپے سالانہ آمدنی کی اراضی کے دعوے سے بغیر گیکواڑ یا رزیڈنٹ کی اطلاع کے

باب ہفتم
فصل دوم

بہ اختیار خود دست برداری داخل کر دی۔ موعودہ تقریب شادی کے لیئے جو تشیوں نے ایک سبھ گھڑی نکالی وہی اور بڑی شان و شوکت سے اسکے لیئے تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن شاستری کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُسکے آقا گیکوار نے اُسکے فیصلے کو نامنظور کر دیا ہے تو اُسنے یہ التجا کی کہ بالفعل اس تقریب کو ملتوی کر دیا جائے۔ پیشوا نے اس حرکت کو اس درجہ ناقابل معافی قرار دیا جسکی تلافی صرف شاستری کے خون سے ہو سکتی تھی ؛

شاستری کا قتل ۱۸۱۵ء

چنانچہ شاستری کو یہ ترغیب دیگئی کہ وہ پیشوا کی ہمرکابی میں پندرپور کی جاترا کو چلے۔ اگرچہ شاستری کو اس خطرے کی طرف سے آگاہ کر دیا گیا تھا تو وہ وہاں گیا اور ترمبک جی کے اصرار سے ایسا مجبور ہوا کہ وہاں پہنچنے کے بعد درشن کے لیئے شام پڑنے کے بعد پڑاؤ سے نکل کھڑا ہوا۔ واپسی میں اُسے غلط راستے پر لگا دیا گیا اور چپکے سے قتل کر ڈالا گیا۔ ایک بڑے درجے کے اور شاستروں کے ودوان برہمن کا ایک مقدس شہر میں خاص جاترا کے زمانہ مندر کے بالکل قریب مارا جانا ایسا واقعہ تھا جس سے تمام مرہٹہ برادری میں سنسنی پھیل گئی مگر آخر وہ ایسے رئیس کا وزیر تھا جو انگریزوں کا دوست تھا اور پونا میں انگریزی بدرقے کے گھمنڈ میں داخل ہوا تھا۔ رزیڈنٹ نے فوری صیغے میں نہایت سرگرمی کے ساتھ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس قتل میں ترمبک جی کی سازش کا پتا لگا کر پیشوا سے اسکی سپردگی کا مطالبہ کیا۔ پیشوا نے اس مطالبے کی تکمیل سے اصرار کے ساتھ انکار کیا اور اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور باوجودیکہ اُسے کسی دوسرے مرہٹہ سردار کی طرف سے امداد کی کوئی امید نہیں دلائی گئی تھی مگر اُسنے اپنے بل بوتے پر اپنا جھنڈا بلند کرنیکا عزم کر لیا لیکن مسٹر الفنسٹن نے بطور پیش بندی کے انگریزی فوجیں پونا میں پہلے ہی سے بلائی تھیں۔ آخر کار باجی راؤ کی طبعی بزدلی اُسکے تمام دیگر خیالات پر غالب آگئی اور اُسنے اپنے بھٹو کو اس شرط پر حوالے کر دیا کہ اُسکی جان بخشی فرمائی جائے۔ ترمبک جی کو قلعۂ تنا میں محبوس کر دیا گیا جہاں اُسنے اس قتل کا

صفحہ ۳۲۱

باب ہفتم
فصل دوم

پورا پورا اقبال کر لیا مگر یہ بھی ساتھ ہی کہدیا کہ اُسنے بغیر اپنے مالک کے حکم کے اسکا ارتکاب نہیں کیا ہے ؎

لارڈ ہیسٹنگز کی دوسری عرضداشت

لارڈ ہیسٹنگز اختتام ۱۸۱۵ء پر کلکتہ پہنچا اور کونسل کے روزنامچہ خاص میں ہمیشہ سے زیادہ زبردست الفاظ میں نہایت تفصیلی اندراج اس روزافزوں خطرے کا کیا جو پنڈاریوں کی ترقی سے پیدا ہو گیا تھا اور اس خطرے کا سدباب کرنیکے لیئے اُسنے کمپنی کی سرپرستی میں ایک اتحاد عامہ کی تجویز کی اور دیسی ریاستوں کے ساتھ کمپنی کے تعلقات کو محتاج نظر ثانی قرار دیا اور مرہٹہ ممالک کی از سر نو حدبست کی ضرورت ظاہر کی۔ اُسکے دونوں ہمعصر اراکین کونسل نے اس تجویز کی مخالفت کی اور یہ تمام معرکۃ الآرا مباحثہ لفظ بلفظ انڈیا ہاؤس کے ملاحظے اور احکام مناسب کے لیئے بھیجدیا گیا۔ ابھی یہ تحریریں راستہ ہی میں تھیں کہ واقعات نے وہ صورت اختیار کر لی کہ فوری کارروائی کرنیکی ضرورت آپڑی۔ دسہرے کا تہوار جبکہ موسم سرما کی کارروائیوں کا خاکہ کھینچا جاتا تھا اکتوبر ۱۸۱۵ء میں جیتو کے مستقر واقع نیماڑ پر منایا گیا۔ اس دفعہ پنڈاروں کا ایسا زبردست اجتماع ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور اُنکی اس موسم سرما کی تمام کارروائیوں کی جولانگاہ مملکت کمپنی و مملکت نظام تھیں۔ آٹھ ہزار غارتگروں کی ایک فوج نے اکتوبر ۱۸۱۵ء میں نربدا کو عبور کیا اور نواب نظام الملک کے صوبہ جات کو جنوب کی طرف دریائے کشنا تک روند ڈالا اور اس قدر مال غنیمت سے لدے ہوئے واپس لوٹے کہ ہر طرف سے اسکی خریداری کے لیئے سوداگروں کو دعوت دیگئی۔ اس غیر معمولی کامیابی نے پنڈاروں کے جھنڈے تلے ہزاروں نئے کھلاڑیوں کو کھینچ بلایا اور تیئیس ہزار کا ایک غول فروری ۱۸۱۶ء میں نربدا سے پار اُترا۔ انمیں کے ایک زبردست دستے نے شمالی سرکار پر یورش کی اور ساحل کورومنڈل کے ملکی مستقر گنتور کو لوٹ لیا اور قرب و جوار کے

(صفحہ ۴۲۲)

مواضع پر دس دن تک نہایت بے باکی سے لوٹ مار مچاتا رہا۔ خبریں پہنچتے ہی کلکتے سے فوراً سمندر کے راستے فوجیں پہنچی گئیں لیکن پنڈارے ان کے پہنچنے سے پہلے غائب ہو چکے تھے اور ان کا تعاقب کرنا بالکل ویسا ہی فضول تھا جیسا کسی ٹڈی دل کا تعاقب کرنا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اس آفت میں تین سو تیس مواضعات لوٹے گئے جنمیں سے اکثر جلا کر خاک سیاہ کر دیئے گئے۔ پانسو آدمی زخمی ہوئے۔ ایکسو بیاسی بالکل مار ڈالے گئے اور تین ہزار چھ سو کو مال بتانیکے لیئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور مال غنیمت کا اندازہ پچیس لاکھ تھا۔

ناگپور کے ساتھ حمایتی معاہدہ ۱۸۱۶ء

اس تعزیری مہم نے راجہ ناگپور کے اتحاد عمل کی ضرورت ظاہر کی جسکے علاقے میں سے ہو کر پنڈارے گزرے تھے مگر راجہ اب بھی معاہدہ استجزاکا ویسے ہی اصرار کے ساتھ مخالف تھا۔ ۲۲۔ مارچ ۱۸۱۶ء کو اس راجہ کا انتقال ہو گیا اور اُسکا بیٹا پرساجی اوسکا جانشین ہو مگر یہ لڑکا اندھا تھا۔ رعشہ کا مریض تھا اور مسلمہ فاتر العقل تھا۔ چنانچہ اُسکے بھتیجے اپا صاحب کو مدار المہام بنایا گیا مگر اُسکی تمام دربار اور محلات میں سازشیں کر کے سخت مخالفت کی گئی اور اُسنے برطانوی گورنمنٹ کا سہارا ڈھونڈھا اور فوراً معاہدۂ مجوزہ کو منظور کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ ۲۹۔ مئی ۱۸۱۶ء کو اس معاہدہ پر دستخط ہوئے جسکی شرائط کے بموجب چھ ہزار پیدل اور کچھ رسالے سواروں کے مع مناسب توپ خانہ کے ناگپور کے خرچے پر ناگپور کی حمایت کے لیئے مقرر کیئے گئے۔ راجہ پر یہ پابندی عائد ہو گئی کہ وہ کسی غیر اقوام سے اتحاد نکرے اور غیر علاقوں کے ساتھ جتنے تنازعے پیش آئیں اُن سکو فیصلے کے لیئے برطانیہ سے رجوع کرے۔ اس طرح لارڈ ہیسٹنگز سرکاری روزنامچے میں یہ اندراج کرنیکے قابل ہو گیا کہ دو ماہ کے قلیل عرصے میں اُسنے وہ کار روائی تکمیل کو پہنچائی جسکے لیئے بارہ سال سے بلا نتیجہ محنت کی جا رہی تھی۔ اور اب اسکو یقین ہو گیا کہ پنڈارے نربدا کو عبور کرنیکے

باب ہفتم
فصل دوم

قابل نہو سکیں گے۔ اسکے کچھ ہی دن بعد انڈیا ہاوس کا مراسلہ وصول ہوا
جسمیں اس اجازت کو منسوخ کیا گیا تھا جو راجہ ناگپور سے اتحاد قائم کرنیکی
اتنے سال پہلے دی جا چکی تھی مگر یہ حکم اتنی دیر سے پہنچا کہ اس نے کوئی
نقصان نہیں پہنچایا ٭

جے پور کے ساتھ مجوزہ معاہدہ

مجلس انتظامیہ نے ۱۸۱۳ء میں جے پور کے ساتھ
معاہدۂ حفاظت کی تجدید کرنیکی منظوری دیدی
تھی جسکو سر جارج بارلو نے فسخ کر دیا تھا۔ امیر خاں اور اسکے لٹیرے جو دھپور کو
تاخت و تاراج کر کے اس ریاست پر آکر پڑے اور خاص شہر جے پور کا
محاصرہ کر لیا۔ راجہ نے سر چارلس مٹکاف رزیڈنٹ مقیم دہلی کے پاس سفیر
بھیجا اور گورنمنٹ سے حمایت و حفاظت کی التجا کی۔ اسوقت مسٹر سٹین کے
ممبری پر انتخاب ہو جانے سے لارڈ ہیسٹنگز کا زور بند ہوگیا تھا کیونکہ یہ
ممبر ہمیشہ گورنر جنرل کے موافق رائے دیتا تھا۔ اسلیئے لارڈ ہیسٹنگز نے
مجلس انتظامیہ کے ۱۸۱۳ء کی اجازت کا فائدہ اٹھا کر مجوزہ اتحاد کو
قائم کرنا چاہا۔ فوج کے دو دستے نو نو ہزار کی تعداد کے میدان میں اسلیئے
بھیجے گئے کہ جا کر پٹھانوں کو جے پور سے نکال باہر کریں اور اگر
سندھیا یا ہلکر کوئی مزاحمت کریں تو انسے بھی سمجھ لیں کیونکہ ان دونوں
نے ایک مرتبہ اس ریاست کے علاقوں کو لوٹ لیا تھا اور اس وقت
سے اس خیال میں تھے کہ یہ ملک انکا محکوم ہے۔ ساتھ ہی اسکے پیشوا۔
نواب نظام الملک۔ گیکواڑ اور ناگپور کی حمایتی فوجوں کو بھی پیش قدمی کا حکم
دیا گیا۔ لیکن راجہ جے پور اس کے پیروں میں ایسے معاہدہ کی بیڑیاں ڈالنی
پسند نہیں کرتا تھا اور خاص مشرقی حکمت عملی کے معنے کے مطابق اسنے
خود امیر خاں سے نامہ و پیام شروع کر دیا اور اسکو انگریزی معاہدہ پر
دستخط کرکے انگریزی فوج اسکے خلاف لڑنیکی دھمکی دی اور محاصرہ اٹھوا دینے
میں کامیاب ہو گیا ٭

(صفحہ ۳۲۲)

انگلستان کے مراسلے

مسٹر جارج کیننگ جو انگریز مدبرین میں نہایت

باب ہفتم
فصل دوم

سربرآوردہ تھا جون ۱۸۱۶ء میں جماعت نگران کار کا عہدہ مقرر کیا گیا اور
فوراً اُسکے ذمہ یہ کام آپڑا کہ لارڈ ہیسٹنگز کی اس تجویز پر غور کرے کہ
پنڈاروں کا استیصال کا حل کرنیکے لیئے ایک عام سلسلۂ اتحاد قائم کیا جائے
مسٹر کیننگ اس عہدہ پر بالکل نیا نیا آیا تھا اور کوئی تعجب کی بات نہیں
ہے کہ اُسے سلطنت کے اصول عمل میں ایسی بنیادی تبدیلی کرنیکی ذمہ داری
اپنے سر لیتے ہوئے نہایت پس و پیش ہوا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ
کلکتے کے ممبران کونسل بھی اسکے مخالف تھے اور جو لوگ لیڈن ہال سٹریٹ
میں اُسکے آئینی مشیر تھے وہ بھی اسکے موئد نہیں تھے۔ چنانچہ لارڈ ہیسٹنگز کو یہ
اطلاع دیدیگئی کہ مجلس انتظامیہ پنڈاروں کے استیصال کی ظنی غایت کی
خاطر ایک عام جنگ کی جوکھم میں پھنسنے کے لیئے تیار نہیں ہے اسلیئے موجودہ
فوجی یا سیاسی اتحاد کی توسیع کی اس خاص غرض کے لیئے منظوری نہیں دیجاسکتی
ساتھ ہی اسکے گورنر جنرل کو یہ بھی مشورہ دیا گیا تھا کہ اگر مناسب ہو تو بعض پنڈاروں
کو اپنی طرف توڑنیکے لیئے نامہ و پیام کیا جائے یا اُنکی فوج والوں کو اسپر راضی
کیا جائے کہ وہ اپنے سرغناؤں کو خود گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالہ کردیں
اس نصیحت گری نے لارڈ ہیسٹنگز کی نفرت و حقارت کے جذبات کو مشتعل
کردیا۔ مجلس انتظامیہ نے جو یہ مشورہ اُسے دیا تھا کہ پنڈاری برادری کے
ایک حصے کو توڑکر اپنا بنالیا جائے اور اسطرح دوسرے حصہ کا زور
توڑا جائے اسکی وجہ اُسکی سمجھ میں یہ آگئی کہ گورنمنٹ ہندوستان نے
اب تک اس مجرمانہ تغافل کا ارتکاب کیا ہے کہ اس مردود گروہ کی سفاکانہ
اور مردم آزارانہ خصائل کا انکشاف انڈیا ہاوس پر نہیں کیا ہے۔ لیکن
اس مراسلے کے ارسال کر چکنے کے بعد ہی مسٹر کیننگ کو یہ اطلاع پہنچی کہ
پنڈاروں نے اضلاع شمالی سرکار پر یورش کی اور وہاں طرح طرح کی
سفاکیاں عمل میں لائے۔ مسٹر کیننگ کے خیالات فوراً بدل گئے اور
اُسنے خاص اپنی ہدایات پر مشتمل ایک اور مراسلہ بھیجا جس کا مضمون
حسب ذیل تھا:

(صفحہ ۳۲۴)

جماعت نگران کا اپنا یہ فرض سمجھتی ہے کہ گورنر جنرل کو فوراً اسکی اطلاع دیدے کہ جو تجویزیں گورنر جنرل نے ان حملہ آوروں کے تعاقب یا سزا دہی کی پیش کی ہیں اُن سب کو منظوری و مقبولی کا شرف عطا کیا جاتا ہے - جماعت ہذا ہرگز اُن سرگرم فوجی کارروائیوں کو ایک لمحے کے لیئے بھی روکنا پسند نہیں کرتی ہے جو برطانیہ کا اقتدار قائم رکھنے کے لیئے یا اُس بے پناہ مخلوق کی حفاظت و حمایت کے لیئے اختیار کی جائیں جو برطانیہ کی طرف نظر فریادرسی سے دیکھتی ہے اگر سندھیا اور ہلکر کا کوئی تعلق ان پنڈاروں سے گورنمنٹ برطانیہ یا اُسکے اتحادیوں کے خلاف خفیہ یا علانیہ ثابت ہو جائے تو اُن دونوں کو بھی برطانیہ کا بدترین دشمن اور مخالف سمجھا جائے "

پنڈاروں کی فوجکشیاں ۱۸۱۶-۱۷ء لارڈ ہیسٹنگز کو پورا بھروسہ تھا کہ ناگپور کی حمایتی فوج جو نربدا کے کنارے پر قائم کردی گئی ہے وہ پنڈاروں کو نربدا عبور کرنے سے پورے طور پر روک دیگی مگر لارڈ موصوف کو نہایت تکلیف دہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب سالانہ یورشوں کا زمانہ قریب آگیا تو کرنل واکر ابھی چھ ہزار کی پوری فوج لیکر نربدا کے کناروں پر چلا گیا لیکن اتنی تعداد ڈیڑھ سو میل کے خط مدافعت کے واسطے بالکل ناکافی ثابت ہوئی پنڈاروں کے دستے انگریزی فوج کی چوکیوں کے درمیان سے ہوکر گھستے ہوئے چلے گئے اور انکا ایک بڑا گروہ انگریزی اضلاع کیمدی میں گھس گیا اور شہر گنجام کے ایک حصے کو آگ لگادی اور اگر اس وقت اتفاقیہ کمپنی کی فوج اوڑیسہ کی ایک بغاوت کی سرکوبی کو نہ پہنچ گئی ہوتی تو پنڈارے اس تمام صوبے کو تباہ و برباد کر کے رکھدیتے - پنڈاروں کے دوسرے گروہوں نے حیدرآباد اور ناگپور کے علاقوں میں خوب لوٹ مار مچائی - اُنکی یہ ۱۸۱۶-۱۷ء کی مہمیں نہایت دلیرانہ اور اُنکی ہمت بڑھانیوالی ثابت ہوئیں اور ان پر فوری

اور معقول غور و خوض کی ضرورت ہوئی۔ باوجودیکہ ناگپور کی حمایتی فوج نربدا پر
نگہبانی کر رہی تھی مگر ۲۳ ہزار پنڈارے نربدا کو عبور کر گئے تھے۔ اور
باوجودیکہ علاوہ پونا کی اور نواب نظام الملک کی حمایتی فوجوں کے ۳۲ ہزار انگریزی
فوج دکن میں اور مامور تھی مگر پنڈارے جنوبی علاقے کے اندر گھس پڑے
تھے اور دونوں ساحلوں کو لوٹ لے گئے تھے۔ یہ تخمینہ کیا گیا کہ ان
حفاظتی افواج پر جتنا خرچ پڑا تھا وہ اس خرچ سے بہت زیادہ ہوتا تھا
جو پنڈاروں کے استیصال کامل کی غرض سے باقاعدہ فوج کشی پر پڑ سکتا
تھا۔ چنانچہ کونسل نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ احکام انگلستان کی منظوری
کے انتظار میں جو جارحانہ کارروائیاں ملتوی کی جانیکی تجویز اس سے
پہلے منظور کی گئی تھی اب اُس تجویز کو بالکل ترک کر دیا جائے اور ان
غارتگروں کے خلاف فوری صیغے میں جارحانہ کارروائی کیجائے۔

سندھیا کا عزم ۱۸۱۷ء

اسکی اطلاع فوراً سندھیا کو دیگئی کہ پنڈاروں کے
استیصال کامل کا عزم بالجزم کر لیا گیا ہے۔ اور اس
سے استدعا کی گئی کہ وہ اس تجویز پر عمل پیرا ہونے میں اتحاد عمل کرے۔
لیکن پنڈاروں کے کارکن سندھیا کے دربار میں رہتے تھے اور خود سندھیا
کے بعض وزرا ان پنڈاروں کے نہایت سرگرم جانبدار تھے۔ اور ان
سب نے ایک زبان ہو کر سندھیا کو یہ بہکایا کہ ان قابل قدر مددگاروں
کے فنا ہو جانے سے خود سندھیا کی سلامتی معرض خطر میں پڑ جائیگی کیونکہ
یہ پنڈارے ہر وقت اُسکے جھنڈے تلے جمع ہونیکو تیار رہتے تھے اور
کبھی کوئی تنخواہ بھی طلب نہیں کرتے تھے۔ ان پنڈاروں کے وکیلوں نے
سندھیا پر یہ رعب جمانا چاہا کہ پنڈارے جسونت راؤ ہلکر کے کارناموں
پر بھی ایکدن پانی پھیر دینگے اور انکی پچاس ہزار کی فوج کلکتے تک تلوار چلاتی
اور آگ لگاتی چلی جائیگی۔ لیکن سندھیا پر اس شیخی بازی کے دکھاوے
نے کوئی اثر نہیں کیا۔ اُسنے ابھی تک آسائی کو دل سے فراموش نہیں
کیا تھا۔ علاوہ بریں کمپنی کو ابھی نیپال میں فتح حاصل ہو چکی تھی اُسکے

(صفحہ ۳۲۵)

قبضے میں ناگپور کے وسائل آگئے تھے اور کلکتہ گورنمنٹ میں اس وقت پھر لارڈ ولزلی کی روح زور شور سے کام کر رہی تھی۔ اسلئے سندھیا نے اتحاد عمل کا وعدہ کر لیا تھا۔

باجی راؤ کی مخاصمت ۱۸۱۶ء

گوالیار کے ساتھ ابھی نامہ و پیام ہو ہی رہا تھا کہ بڑے مہتم بالشان واقعات پونا میں پیش آگئے۔ ترمبک جی کسی نہ کسی طرح قلعہ تھانہ سے بھاگ گیا اور اگرچہ کچھ عرصے سے پیشوا اپنے برطانوی رزیڈنٹ کے ساتھ نہایت درجہ خلوص کا اظہار شروع کر دیا تھا مگر اسکی صاف شہادتیں پہنچ رہی تھیں کہ وہ انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ایک ساتھ فوجی کارروائی کرنیکے خفیہ مشورے ہلکر، سندھیا۔ اور امیر خاں کے ساتھ کرنے میں مصروف تھا۔ ترمبک جی کے مشورے کے مطابق پیشوا نے خود بھی فوجوں کی بھرتی شروع کی۔ بارکشی کے مواشی مہیا کرنے شروع کیئے۔ اپنے توپ خانے کو بڑھانے لگا اپنے قلعوں میں ذخائر بھر دیئے اور سب سے زبردست قلعہ میں اپنا زر و جواہر محفوظ کر دیا۔ اپریل ۱۸۱۷ء میں مسٹر الفنسٹن نے ایک تحریر اسکے سپرد کی جس میں اُسے اُس تحریک پر ملامت کی گئی تھی جو وہ خفیہ طور سے پھیلا رہا تھا اور آخر میں یہ اطلاع دیگئی تھی کہ اب تک اُسکے اور گورنمنٹ برطانیہ کے درمیان جو حسن مفاہمت قائم تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ اسکے ساتھ رزیڈنٹ نے تحکمانہ لہجہ میں ترمبک جی کی سپردگی کا اور بطور فعل ضمانت کے تین قلعوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا اور ان مطالبات کو زور دینے کے لیئے پونا میں انگریزی فوجیں بلوالیں۔ پیشوا کے بہادر سپہ سالار گوکھلے نے بہادری کے ساتھ مردانہ وار فوجی ہتھیار سنبھالنے کا مشورہ دیا مگر پیشوا کا دل ایسا کہاں تھا کہ اس نصیحت پر عمل کر سکتا۔ مطلوبہ قلعے حوالے کر دیئے گئے اور ترمبک جی کی گرفتاری کے لیئے ایک انعام کا اعلان کر دیا گیا۔

پیشوا کے خلاف مزید تعزیری کارروائی

لارڈ ہیسٹنگز نے پنڈاروں کے خلاف زبردست اجتماعی کارروائی کرنیسے

کچھ ہی پہلے اسکو ضروری سمجھا کہ اس غدار رئیس کی طرف سے مزید اطمینان حاصل کرے - اسلیئے مسٹر الفنسٹن سے یہ خواہش کی گئی کہ وہ پیشوا کی دستخط کے لیئے ایک معاہدہ کا مسودہ پیش کرے جسمیں یہ شرائط تھیں کہ پیشوا تمام رئیسوں کے وکیلوں کو اپنے دربار سے علیحدہ کردے جو اُسکے پاس ہر وقت گھسے رہتے تھے - اور جن رئیسوں کے ساتھ اسکے جتنے تنازعات ہیں وہ سب گورنمنٹ برطانیہ کی طرف رجوع کردے - ساگر اور بندیلکھنڈ پر اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو جائے اور جو ہزار سوار اور تین ہزار پیدل فوج اسکی حمایت کے لیئے رکھی گئی تھی اُسکی تنخواہ کے لیئے چوبیس لاکھ سالانہ کا علاقہ کمپنی کے حوالے کردے - پیشوا کے ذریعوں نے ان تعزیری شرائط کی سختی کو کم کرانیکی کوشش کی اور یہ بھی کہا کہ برطانوی حکومت اپنے معاہدات کی پابندی کے متعلق پیشوا پر مقابلہ دوسرے رئیسوں کے زیادہ سختی کا برتاؤ کرتی ہے مگر ۱۳ - جون ۱۸۱۷ء کو اس معاہدہ پر دستخط ہو گئے - جب ان انتظامات کی اور کمپنی کے مقبوضات میں اس بڑے اضافہ کی خبر انگلستان پہنچی تو مسٹر کیننگ نے جواب میں یہ الفاظ لکھے "

(صفحہ ۲۲۶)

اس ردوبدل سے اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ ہماری ہندوستانی سلطنت میں اپنے حدود کو وسعت دینے کی ایک ناقابل انسداد قوت متحرکہ ہے کیونکہ باوجودیکہ انگلستان سے محض مدافعت پر قناعت کرکے مجارحت سے احتراز کرنیکے تاکیدی احکام برابر پہنچتے رہتے ہیں اور ہندوستان میں ان احکام کی نہایت ایمانداری کے ساتھ اطاعت کی جاتی ہے مگر برطانوی اقتدار برابر بڑھتا چلا جاتا ہے - بصورت موجودہ جنکا دروائیوں کی اطلاع دیگئی ہے اُنکو ہم اصول عمل کے خلاف مستثنیات میں سے سمجھکر جائز قرار دیئے لیتے ہیں اگرچہ ہم اُنکو کچھ خوشگوار نہیں سمجھتے ہیں - ہمکو یہ ضرور اعتراض ہے کہ اس قسم کے مستثنیات سوء اتفاق سے اتنی کثرت سے نہ پیش آتے رہتے تو اچھا تھا "

باب ہفتم
فصل دوم

یہ مراسلہ ابھی ایوان ہند (India House) سے چلا بھی نہیں تھا کہ پیشوا اپنے دارالحکومت سے فرار ہو چکا تھا اور اسکی ریاست برطانوی صوبہ بن چکی تھی

دربار ہلکری ۱۱-۱۸۱۷ء

سنہ ۱۸۱۱ء میں ہلکر کے انتقال کے بعد اُسکی نہایت پیاری رانی تلسی بائی نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ کیا۔ یہ خوبصورت رانی ابھی بالکل نوجوان تھی۔ اسکے طرز خطاب میں مطیع بنا لینے والی نرمی تھی مگر اُسکا مزاج خشمگیں اور طبیعت کینہ توز تھی۔ امیر خاں کا ریاست میں بڑا زبردست رسوخ ہو گیا تھا اور جب وہ راجپوتانہ کی تاخت و تاراج کے لیئے اندور دربار سے غیر حاضر ہو جاتا تو اپنے نائبوں کے ذریعے سے اپنا رسوخ قائم رکھتا تھا۔ اُسکو پٹھان فرقے کا سرگروہ سمجھا جاتا تھا۔ تانتیا جوگ ایک برہمن سوداگر کے ہاتھ میں قلمدان وزارت تھا اور وہ مرہٹہ گروہ کا سردار تھا۔ ریاست کی فوجیں اکثر اپنی تنخواہ کے لیئے سرکشی پر آمادہ رہا کرتی تھیں اور ایسے وقت سپہ سالار کے سپرد بعض اضلاع کر دیئے جاتے تھے اور وہ وہاں کے باشندوں کے وسائل پر خوب ہاتھ صاف کرتا تھا۔ مواضعات کو لٹوا دیتا تھا اور فصیل بند شہروں پر گولہ باری بھی کرا دیتا تھا۔ ریاست بھر میں فوج سے زیادہ زبردست کوئی قوت موجود نہیں تھی اور نظم حکومت پر ایک طوائف الملوکی کا عالم طاری تھا۔ یہ صورت واقعات اندور میں پیش آ رہی تھی جبکہ سنہ ۱۸۱۷ء کی فصل خزاں میں باجے راؤ کے سفیر دربار ہلکری میں اُس اتحاد کے متعلق گفتگو کرنیکو پہنچے جو کہ باجے راؤ پیشوا انگریزوں کے خلاف قائم کر رہا تھا۔

(صفحہ ۳۲۷

فصل سوم

لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت پیشوا۔ ناگپور۔ ہلکر اور پنڈاریوں کے ساتھ جنگبازی

لارڈ ہیسٹنگز کی نئی حکمت عملی سنہ ۱۸۱۷ء

اس وقت وسط ہند کی ابتری و بدنظمی

باب ہفتم
فصل سوم

انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ اُن مسلح آدمیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تک پہنچ گئی
تھی جنکی گذر اوقات لوٹ مار پر تھی اور ہندوستان بھر میں کوئی ریاست
ایسا نہ تھی جو قوت رکھتا تھا نہ ارادہ رکھتا تھا کہ اس غارت گر گروہ کا
زور توڑے۔ ۸ جولائی ۱۸۱۷ء کو لارڈ ہیسٹنگز اس بدنظمی کو
فرو کرنیکے لئے بالائی صوبہ جات کی طرف روانہ ہوا۔ اُسنے یہ طے کرلیا تھا
کہ پنڈاروں کے ساتھ عہدہ برآ ہونیکا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ
اُنکے مامنوں پر جاکر حملہ کیا جائے اور تمام ملک میں اُنکا سرگرم تعاقب
اُس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ اُنکا شیرازہ درہم برہم ہو جائے
ساتھ ہی اسکے اس طرح کے ہولناک جتھوں کے پھر زور پکڑ جانیکا
تدارک اس طرح ہو سکتا تھا کہ وسط ہند کی بندوبست از سر نو کی جائے
ہر ریاست کے حدود مقرر کر دیئے جائیں اور انگریزی اقتدار حکومت کو
سب پر قائم کرکے ایک ریاست کو دوسری ریاست کے حقوق پر دست درازی
کرنے سے باز رکھا جائے۔ غرض یہ کہ اُس حکمت عملی کی تکمیل کر دی جائے
جسکی تجویز لارڈ ولزلی نے بارہ سال پہلے پیش کی تھی۔ لیکن جماعت نگرانکار
مجلس انتظامیہ اور گورنر جنرل کی کونسل کے ممبر سب کے سب کسی ایسے
اتحاد کے مخالف تھے جو برطانیہ کی سرکردگی میں قائم ہو جانیوالا تھا۔
بہر حال لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے بالائی صوبہ جات کے دورے کے
دوران میں کونسل کو اس عزم کی اطلاع دیدی کہ گورنر جنرل اپنی ذمہ داری
پر حکام انگلستان کے خیالات سے اختلاف کرنیکی دل میں ٹھان چکا ہے
اور اس تجویز پر عمل پیرا ہونیکی جو برطانیہ کی سرکردگی میں اتحاد عام کے
متعلق اُسنے کونسل میں پیش کی تھی تیاری کرنا چاہتا ہے۔

ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ معاہدات اتحاد

غرض یہ کہ اس تجویز پر مستعدی
و سرگرمی کے ساتھ عمل درآمد
شروع ہو گیا۔ راجپوتانہ و مالوہ کے رئیسوں کو یہ اطلاع دیدی گئی کہ عدم
مداخلت کا اصول ترک کر دیا گیا ہے اور گورنمنٹ انکو اپنے حمایتی

معاہدوں کے ذیل میں لینے کے لیئے تیار ہے۔ اس خبر کا بڑی خوشی سے اُن صوبہ جات میں خیر مقدم کیا گیا اور دہلی رزیڈنسی میں وسط ہند کے رئیس رئیسوں کے وکیل آ کر پہنچ گئے۔ اس حلقۂ اتحاد میں داخل ہونیوالا پہلا شخص بوڑھا راعتباز ظالم سنگھ مدار المہام کوٹہ تھا۔ اُسکے بعد نوجوان نواب بھوپال آیا جس نے بڑے شوق سے اُس اتحاد کو قبول کر لیا جس سے اُسکے باپ نے انکار کر دیا تھا۔ اب پھر راجہ بوندی کو بھی برطانوی حمایت میں لے لیا گیا۔ جسکو سر جارج بارلو کی پست حوصلگی نے ہلکر کے سامنے بے پناہ چھوڑ دیا تھا۔ راجہ جودھپور نے بڑے شوق سے اُس اتحاد کو قبول کر لیا جو اُسے تمام پریشانیوں سے نجات دلانیوالا تھا کیونکہ اب تک مرہٹوں اور پٹھانوں کی تاخت و تاراج سے اُسکا ملک ورطۂ ہلاکت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اودیپور کے معزز خاندان نے بھی کمپنی کی سرداری کے آگے سر تسلیم خم کر دیا دراں حالیکہ اُس خاندان نے کبھی مغلوں یا مرہٹوں کے سامنے بھی گردن نہیں جھکائی تھی۔ اور سب سے آخر میں راجہ جےپور بھی اس سلک اتحاد میں آ گیا جب اُسنے یہ دیکھا کہ ہندوستان کا ہر رئیس حاکم وقت کے سامنے سر اطاعت خم کر رہا ہے۔ اس نامہ و پیام کا انصرام مسٹر مٹکاف رزیڈنٹ دہلی کے سپرد کیا گیا تھا۔ اور چار ماہ کے اندر رزیڈنٹ موصوف نے ان تمام رئیسوں کے ساتھ باحکمت انہ اتحاد عمل اور مسلمہ اقتدار حکومت کے اصول پر تمام معاہدات کی تکمیل کر لی۔

فوجی تیاریوں کی وسعت

جو فوجی تیاریاں لارڈ ہیسٹنگز نے اختیار کیں وہ لارڈ ولزلی کی تجویز سے بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر کی گئی تھیں اور تمام ملک پر دریائے کرشنا سے گنگا تک اور کانپور سے گجرات تک حاوی تھیں۔ تینوں احاطوں کی تمام فوجیں طلب کی گئیں اور دیسی رئیسوں کی حمایتی فوجیں اور ضرورت جنگ کی لیے قاعدہ فوج کو ملا کر تمام سپاہ کی تعداد ایک لاکھ سولہ ہزار سوار اور پیدل مع تین سو توپوں کے ہو گئی۔ یہ تمام فوجی تیاریاں اس معیار سے بہت زیادہ

تھیں جو چند غارتگر گروہوں کے استعمال کے لیئے درکار تھا مگر لارڈ ہیسٹنگز اس سے ناواقف نہیں تھا کہ پنڈاروں کا استعمال اکثر خاص خاص ہندوستانی رئیسوں کے اغراض کو صدمہ پہنچانیوالا ہے اور غدار پیشوا پہلے سے سب رئیسوں کو انگریزی گورنمنٹ کے خلاف سلک اتحاد میں شریک کرنیکی کوشش کر رہا ہے۔ اسلیئے ان لمبی چوڑی تیاریوں کی یہ غرض بھی تھی کہ اگر کسی ایسے رئیس کی جانب سے کسی مخاصمانہ ارادوں کا ظہور ہو تو اُسکا بھی تدارک کیا جاسکے۔ خوش قسمتی سے گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف کے اختیارات ایک ہی ذات کو تفویض تھے اور تمام فوجی اور سیاسی انتظامات کا غیر منقسم انصرام ایک ہی شخص کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ ۶۵ سال کے بوڑھے سپاہی نے خود سپہ سالار کل کی حیثیت سے میدان سنبھالا۔ فوجکشی کی داغ بیل اس طرح ڈالی گئی تھی کہ چار دستے دکن سے سر ٹامس ہسلپ کمانڈر انچیف مدراس کی سرکردگی میں روانہ ہوں اور چار شمال مغرب سے روانہ ہوں اور دونوں طرف کی فوجیں پنڈاروں کے مستقروں کو دباتی ہوئی چلی آئیں اور آپس میں مل جائیں ۔

سندھیا کے ساتھ معاہدہ

شمال میں بھی یہ ضروری تھا کہ سندھیا اور امیر خاں کے مشتبہ ارادوں کی بھی پیش بندی کر لی جائے۔

سندھیا نے پنڈاروں پر حملہ کرنیکی کارروائی میں کمپنی کے ساتھ اتحاد عمل کرنے پر فوراً رضامندی ظاہر کر دی تھی مگر اُسکی فوج میں بڑے خاص اہتمام سے یہ خبریں پھیلائی جارہی تھیں کہ باجے راؤ عنقریب کمپنی پر حملہ کرنیکے لیئے قومی جھنڈا اٹھانیوالا ہے اسلیئے سندھیا کی فوجیں اس قومی جنگ میں شریک ہونیکے لیئے بے چین نظر آتی تھیں اور خود سندھیا نے بھی پیشوا کی طرف کا پچیس لاکھ کا نذرانہ قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ ۱۰۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو ایک یادداشت سندھیا کے حوالے کی گئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر گاہ سندھیا نے پنڈاروں کو کمپنی کے علاقے پر حملہ کرنیکے لیئے ابھارا ہے اور اُنکی واپسی پر اُنکی فوجوں کو اپنے ملک میں پناہ دی ہے

(صفحہ ۳۴۹)

اسلیئے گورنر جنرل ۱۸۰۵ء کے معاہدہ کو منسوخ سمجھتا تھا اور راجپوتانہ اور مالوہ کے رئیسوں کے ساتھ عنقریب وہ معاہدات اتحاد قائم کرنیکی کارروائی کرنیوالا ہے جو ۱۸۰۵ء کے معاہدے کے مطابق ممنوع تھے۔ اب اگر سندھیا کو اپنی صداقت ثابت کرنا منظور ہے تو وہ اپنی فوجیں کمپنی کے تصرف میں دیدے اور ہنڈیا اور اسیر گڑھ کے قلعوں پر انگریزی فوجوں کو قابض ہو جانے دے۔ سندھیا کا آخری جواب بہت جلد حاصل کرنیکے لیئے لارڈ ہیسٹنگز نے ۱۶۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو میدان میں فوجیں آتار دیں اور جمنا کو عبور کرکے سیدھی گوالیار پر پیش قدمی شروع کردی۔ اس استادانہ نقل و حرکت سے سندھیا کا ارتباط پیشوا اور پنڈاروں سے قطع ہوگیا بلکہ اسکی اپنی فوج کا بڑا حصہ بھی اس سے اسلیئے دور رہ گیا کہ اس کا پڑاؤ اس وقت جنوبی علاقہ میں تھا اور سندھیا بالکل تنہا صرف آٹھ ہزار فوج کے ساتھ اپنے دارالحکومت میں رہ گیا۔ سندھیا نے لارڈ ہیسٹنگز کی آمد پر اس نئے معاہدہ پر دستخط کردیئے اور اپنی مملکت کا وہ حشر ہونے سے بچالیا جو دوسری مرہٹہ ممالک کا ہوا تھا۔ ابھی انگریزی لشکر گوالیار کے قرب و جوار ہی میں تھا کہ لشکر پر ہیضے کی بلا نازل ہوئی جسکا منحوس قدم ہندوستان میں بہت کم آیا کرتا تھا اور اس وبائے مہلک سے لشکریوں کی کل تعداد مع غیر مبارز مخلوق کے گھٹکر صرف بیس ہزار رہگئی بیماری کا جب زور زیادہ بڑھگیا تو لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے افسران خاص کو یہ ہدایات کردیں کہ اگر گورنر جنرل خود اس موذی مرض کا شکار ہو جائے تو اسکی نعش کو خموشی کے ساتھ اسی کے خیمہ میں دفن کردیا جائے کہیں ایسا نہو کہ اسکی موت کی خبر سے فوج بددل ہو جائے اور سندھیا اس مصیبت کی حالت میں انگریزی لشکر پر حملہ کر بیٹھے ؛

امیر خاں ۱۸۱۷ء | اس نازک موقعہ پر امیر خاں سندھیا سے کسی طرح کم درجے کا سردار نہیں تھا۔ اسکی فوج باون پلٹنوں پر

باب ہفتم
فصل سوم

مشتمل تھی جنکے ساتھ ہی خاصی تعداد سواروں کی اور ڈیڑھ سو توپیں بھی تھیں۔
اور اس پٹھان فوج کا زور توڑنا بھی ایسا ہی ضروری تھا جیسا پنڈاروں کا۔
اور لارڈ ہیسٹنگز نے اس غرض کے حاصل کرنیکے لیئے یہ شرط پیش کی کہ اگر امیر خاں
اپنی فوجوں کو توڑ دے اور اپنی توپوں کو ایک مقررہ قیمت پر کمپنی کے
حوالے کردے تو اسکو اُن اضلاع کی حکومت پر مستقل رئیس بنا دیا جائے
جو اس وقت اُسکے قبضے میں ہیں اور گورنمنٹ اُسکی ریاست کی کفالت
بھی کریگی۔ اول اول امیر خاں کو اس شرط کو قبول کرنے میں کچھ پس و پیش
ہوا لیکن جب اُسنے باجے راؤ اور آپا صاحب کی بربادی کی خبریں سن لیں
تو اُسنے اس تجویز کو منظور کر لیا اور ایک مسلمہ محکوم رئیس بنگیا جسکی
ریاست کی مجموعی آمدنی پندرہ لاکھ ٹھیری تھی

پیشوا کی سرکشی ۱۸۱۷ء

ہندوستان سے ایک دستے فوج کی اور دکن سے
دو دستوں کی پنڈارے ستقریہ پیشقدمی گویا اس
سازش کا مواد پھوٹ پڑنیکا اشارہ ہو گیا جو پیشوا گورنمنٹ برطانیہ کے
خلاف مرہٹہ سرداروں کے ساتھ پختہ کر رہا تھا پیشوا نے خود ۵۔ اکتوبر
۱۸۱۷ء کو علانیہ بغاوت کر دی۔ راجہ ناگپور نے ۲۶۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء
کو اور ہلکر کی فوج نے ۱۶۔ دسمبر ۱۸۱۷ء کو علم بغاوت بلند کر دیا۔ ۵۔ جون
والے معاہدے کے بعد پیشوا پنڈرپور کی جاترا کو گیا اور اُسکے فوراً بعد
ہی سرجان ملکم اس سے ملنے گیا۔ اس کچے کانوں کے فوجی افسر کو پیشوا نے
اپنی چکنی چپڑی باتوں میں ایسا بہلایا کہ اُسے یہ یقین کامل ہو گیا کہ پیشوا
تہ دل سے انگریزوں کا دوست اور جانبدار ہے اور اُسنے پیشوا کو
یہ اجازت دیدی کہ وہ بیشک اپنی فوجی قوت کو بڑھالے۔ سرجان ملکم
کے ہی مشورے سے جنرل سمتھ کی فوج کو پونا سے رخصت کر دیا گیا اور وہ
قلعہ جات بھی خالی کر دیئے گئے جن پر احتیاطاً قبضہ کر لیا گیا تھا۔ اب
باجے راؤ نے اپنی جنگی تیاریاں کئی گونہ زیادہ کر دیں۔ اپنی جیب خاص
سے اُسنے ایک کروڑ روپیہ اپنے سپہ سالار گوکھلے کو اس غرض سے

(صفحہ ۳۳۰)

باب ہفتم
فصل سوم

دیدیا کہ نئے سپاہی بھرتی کیئے جائیں اور قلعہ جات کا مزید استحکام کیا جائے۔ اسنے اپنے تعلقات دکنی جاگیرداروں کے ساتھ بہتر کرکے انکی تالیف قلوب میں کوئی کسر نہ اٹھار کھی دراں حالیکہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ انکے ساتھ برسر تنازعہ رہا کرتا تھا۔ اسنے انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں کو بھی رشوت دیکر فوج سے باغی ہوجانیکی تحریک کی مگر اس ترغیب میں وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اسنے مسٹر الفنسٹن کو بھی چپکے سے قتل کرادینے کی تجویز ڈالی تھی مگر اسکے سپہ سالار گوکھلے نے اسکو پسند نہیں کیا۔ وہ اوائل اکتوبر ۱۸۱۷ء میں پونا واپس آیا اور اس تمام مہینے کے دوران میں یہ روز بروز واضح ہوتا چلا گیا کہ جنگ ناگزیر ہوتی جارہی ہے۔ مسٹر الفنسٹن بھی رنگ بگڑا ہوا دیکھکر اپنے مقام سے دو میل پیچھے ایک زیادہ محفوظ مقام کرکی پر ہٹ گیا اور بمبئی سے ایک گورہ رجمنٹ بھی اپنی حفاظت کے لئے بلالی لیکن اس نئی فوج کے آجانے پر کل انگریزی سپاہ تین ہزار سے زائد نہیں تھی دراں حالیکہ مرہٹہ سپاہ کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔

کرکی پر لڑائی ۱۸۱۷ء

پیشوا کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ اپنے اپنے مواعید کے مطابق سندھیا اور امیر خاں میدان جنگ میں آچکے ہونگے اور انکی تقلید فوراً ہی ہلکر اور راجہ ناگپور نے بھی کی ہوگی چنانچہ ۵۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو اسنے میدان مخاصمت میں علانیہ قدم رکھا لیکن اسی تاریخ کو وہاں سندھیا اس معاہدہ پر دستخط کر چکا تھا جسکی رو سے اسکی طاقت بالکل بیکار ہوچکی تھی۔ دوپہر کے قریب پیشوا نے مسٹر الفنسٹن کو ایک نہایت تحکمانہ پیام بھیجا جسمیں ان خاص شرائط کی تفصیل کی گئی تھی جس پر وہ گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ روابط اتحاد قائم رکھ سکتا تھا۔ جس وقت اسکا پیام بر واپس آرہا تھا اس وقت تمام میدان مرہٹہ سرداروں سے بھرا پڑا تھا اور شہر کے ہر کوچہ و برزن سے ٹڈی دل فوجیں نکلی چلی آرہی تھیں۔ مسٹر الفنسٹن نے

(صفحہ ۳۳۱)

باب ہفتم
فصل سوم

نہایت دور اندیشی کو کام میں لاکر انگریزی سپہ سالار کو یہ حکم دیا کر وہ مجارحانہ پہلو اختیار کرے اور اگرچہ بوڑھا کرنل بر ایک ایسے مرض میں مبتلا تھا جو بعد کو اسکی جان لیکر گیا۔ مگر اسنے دلیری کے ساتھ آگے بڑھکر اس ٹڈی دل پر حملہ کر دیا اور صرف چھیاسی مقتول اور زخمیوں کا خفیف نقصان اٹھا کر نہایت شاندار فتح حاصل کرلی۔ یہ آویزش کر کی برطانوی ہند کی تاریخ میں نہایت شاندار کارنامہ سمجھے جانیکے قابل ہے اور اگر اسکا بھی لحاظ کیا جائے کہ اسنے پیشوا کی سلطنت کو بالکل تباہ کر دیا تو اسکو نہایت ہی فیصلہ کن اور آخری آویزش بھی کہا جاسکتا ہے جنرل سمتھ بھی فوراً اپنی فوج کو لیکر پونا کی طرف واپس لوٹا لیکن باوصف اسکے کہ پیشوا کے پاس دکنی جاگیرداروں کی فوجوں کی کمک آگئی تھی مگر دوسری لڑائی لڑنے پر اسکی ہمت نہ بندھ سکی اور ۱۷۔ نومبر ۱۸۱۷ء کو وہ اپنا خیمہ و خرگاہ اسی طرح قائم چھوڑ کر اپنے لشکر کو لیکر جانب جنوب فرار ہوگیا جنرل سمتھ نے پونا کو تسخیر کر لیا اور اس ذلت کے ساتھ پیشوا کی اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا جو ایک صدی پہلے اسکے پردادا بالاجی وشواناتھ نے قائم کی تھی ؎

معاملات ناگپور ۱۸۱۷ء

معاہدہ استجزا کے طے ہو جانیکے کئی ماہ بعد تک آپا صاحب مدار المہام ناگپور برطانوی رزیڈنٹ کے ساتھ نہایت دوستانہ طریقے پر رہا لیکن یکم فروری ۱۸۱۷ء کو مفلوج الحم راجہ پرت جی اپنے بستر پر پھانسی لگا ہوا پایا گیا اور آپا صاحب فوراً تخت پر بیٹھ گیا۔ بعد کی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قتل آپا صاحب ہی کے کرتوت سے تھا۔ بہرحال اپنی گدی نشینی کے بعد سے آپا صاحب کے انداز میں ایک بیّن تغیر رونما ہو گیا اور وہ اس محکومیت کی حالت سے آزاد ہو جانیکے لیئے بیچین سا نظر آنے لگا جسمیں اس معاہدے نے لاکر اسے ڈال دیا تھا۔ آپا صاحب نے پیشوا کی مخاصمانہ تجویز کو بڑی خوشی سے لبّیک کہا اور پنڈاری سرغنہ

باب پنجم
فصل دوم

جیتو کو ایک خلعت فاخرہ عطا کیا جو اُس سے امداد طلب کرنے کے لئے آیا تھا۔
پیشوا نے انگریزی فوجوں کے سامنے سے بھاگتے بھاگتے آپا صاحب کو سلطنت مرہٹہ کے سپہ سالار کل کا خطاب عطا کرنا چاہا اور باوجود رزیڈنٹ کی فہمائش کے آپا صاحب امتیاز سپہ سالاری کو حاصل کرنے پیشوا کے لشکر میں گیا اور وہاں سے آتے ہی اُسنے رزیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ رزیڈنٹ کا پڑاؤ دو پہاڑیوں پر واقع تھا جنمیں ایک سے دوسری نیچی تھی۔ یہ جگہ شہر ناگپور کے قریب ہی سیتا بلدی کے نام سے مشہور تھی۔ رزیڈنٹ کے پاس اسوقت پندرہ سو فوج تھی اور چار تین سیری توپیں تھیں۔ راجہ ناگپور کی فوج اٹھارہ ہزار تھی جسمیں سے چار ہزار عرب تھے جو دکن کے شجاع ترین سپاہی تھے اور چھتیس توپیں تھیں رات بھر راجہ کا توپ خانہ پہاڑیوں پر مصروف گولہ باری رہا۔ صبح کے قریب ایک توپ کی پیٹی اڑ گئی اور اُس وقت کی ابتری سے فائدہ اُٹھا کر عربوں نے چھوٹی پہاڑی پر ہلّہ بول دیا اور توپوں پر قبضہ کر لیا اور اُنھی توپوں کا رُخ بڑی پہاڑی کی طرف پھیر دیا۔ اب راجہ کی تمام فوج سب طرف سے اُس پہاڑی پر جھوم جھوم کر چلی۔ اور عام حملے کی تیاری شروع ہوگئی۔ رزیڈنٹ کے لشکر کا گولہ بارود کم ہوتا جا رہا تھا۔ اس چھوٹی سی فوج کا چوتھائی حصہ قتل و زخمی ہو چکا تھا جسمیں چودہ افسر بھی تھے اور تمام فوج کی کامل تباہی لازمی نظر آنے لگی تھی کہ کپتان فٹز جیرالڈ کی جانبازی نے اُس دن کی لڑائی کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ کپتان مذکور بنگال کے تینوں رسالوں کا قائد تھا اور اپنے پست ہمت سپہ سالار کی ممانعت کی پرواہ نکرکے اُسنے نہایت جوش و خروش کے ساتھ دشمن کے خاص رسالے پر دھاوا کر دیا اور اُسنے دو توپیں بھی چھین لیں جنکا رخ اُسنے دشمن ہی کی طرف پھیر دیا۔ اس جانبازی کے حیرت انگیز نظارے نے اوپر والی پہاڑی کی تھکی ہوئی فوجوں میں بھی ایک روح پھونکدی جو برابر اٹھارہ گھنٹے سے لڑ رہی تھیں اور افسر اور سپاہی جان جھونک کر پہاڑی سے نیچے کو

وصفحہ ۳۴۴

جمعیت پڑے اور دشمن کی پیدل سپاہ پر ٹوٹ پڑے اور اُسے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح منتشر کر دیا۔

آپا صاحب کی معزولی

ذرا سے عرصے میں ہر طرح سے انگریزی فوجوں کی کمک ناگپور میں آنی شروع ہو گئی اور مسٹر جنکنس رزیڈنٹ نے راجہ کے سامنے من مانی شرائط پیش کیں اُسکو اپنی فوجیں توڑ دینے کا اپنی توپیں حوالے کر دینے کا اور خود رزیڈنسی میں حاضر ہو کر اپنی مملکت کا ضبط ہو جانا تسلیم کرنیکا حکم دیا گیا اور اُسنے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں۔ لارڈ ہیسٹنگز نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس سفاکانہ غداری کی پاداش میں آپا صاحب کو گدی سے ضرور اُتارا جائیگا۔ مگر جب گورنر جنرل کو یہ معلوم ہوا کہ مسٹر جنکنس نے آپا صاحب سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ اُسکی رئیسانہ حیثیت کو بحال کر دیا جائے گا تو اُسنے اس وعدے کا احترام کیا اور ۸۔ جنوری ۱۸۱۸ء کو راجہ کو پھر اختیارات ریاست عطا کر دیئے گئے۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد آپا صاحب نے اپنے متعاقبین کے آگے آگے بھاگنے والے پیشوا کو اپنی مملکت میں پناہ دی اور خود بھی اُسکے لشکر میں شریک ہونیکی تیاریاں کیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جنگلی قبیلوں کو بھی بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ اور اپنے قلعوں کی حوالگی میں رکاوٹیں ڈال رہا تھا۔ چنانچہ لارڈ ہیسٹنگز نے یہ حکم دیا کہ آپا صاحب کو معزول کر کے اُسے بنارس کی تیرتھگاہ میں نظر بند رکھا جائے اور دو لاکھ سالانہ وظیفہ اُسے دیا جایا کرے۔ لیکن اُسنے اپنے بدرقے کے سپاہیوں کو راستے میں رشوت دیکر پھر اپنی فراری کی ترکیب کر لی اور گورنمنٹ کے خزانے کو اس بار اٹھانے سے بچا لیا۔ اسکے بعد اس خاندان کا قریب ترین وارث گدی نشین کر دیا گیا اُس کی نابالغی کے زمانے میں ریاست کا انتظام مسٹر جنکنس کے سپرد کر دیا گیا جسکے عہد میں ملک میں بارہ سال تک ایسی خوشحالی اور سرسبزی رہی جیسی کبھی پہلے نہیں رہی تھی۔

ہلکر کے ساتھ آویزش ۱۸۱۷ء

لارڈ ہیسٹنگز نے تلسی بائی کے سامنے

باب ہفتم
فصل سوم

ایک معاہدے کا مسودہ پیش کیا تھا اور اُسنے جواب میں ایک نج کا مراسلہ
رزیڈنٹ پونا کے نام بھیجا تھا۔ جسمیں نوجوان رئیس اور ریاست کو برطانوی
حمایت میں دیدینے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔ مگر ریاست کی تمام حقیقی
قوت فوجی سرداروں کے ہاتھ میں تھی اور جسوقت انکو یہ علم ہوا کہ
پیشوا نے ہتھیار اُٹھا لیئے ہیں تو انھوں نے فوراً کوچ کر کے پیشوا کے
جھنڈے تلے جمع ہونے کا عزم کر لیا۔ مدارالمہام یعنے تلسی بائی اور
تمام وزیرانِ ریاست پر یہ شبہ ہوا کہ انکا میلان انگریزی اتحاد کی
طرف ہے اور فوجی افسروں نے خاص کاردباری کو قید کر لیا اور
۲۰- دسمبر ۱۸۱۷ء کی شام کو تلسی بائی کو سیپری ندی کے کنارے لیجا کر
اُسکا سر کاٹ ڈالا اور اُسکی نعش کو ندی میں پھینک دیا۔ اُسکے بعد
پوری بیس ہزار فوج پیشوا کی شرکت کرنیکے لیئے چل کھڑی ہوئی اور
راستے میں اُسکو وہ برطانوی فوج مہدپور پر پڑاؤ ڈالے ملی جو
پنڈارے سردار چیتو کے تعاقب میں جا رہی تھی۔ ۲۱- دسمبر ۱۸۱۷ء
کو ایک فیصلہ کن لڑائی دونوں فوجوں میں اُس مقام پر ہوئی۔ مرہٹہ
فوج کو نہایت قابلیت اور اُستادی کے ساتھ جمایا گیا تھا۔ اُسکے
میسرہ کی حفاظت سیپری ندی کے ایک موڑ سے ہو رہی تھی۔ اُسکے
میمنہ کی نگہبان ایک گہری دلدل تھی اور اُسکے ہراول کے سامنے
ستر آتشبار توپیں سینہ سپر تھیں۔ اس لڑائی کی اصل خصوصیت اُس
دن کی انگریزی فوج کی یہ مجنونانہ حرکت تھی کہ وہ ایک ناقابل گزارہ
دریا کو صرف ایک ہی ایسے گھاٹ پر ہو کر عبور کرنا چاہتی تھی
جسکی حفاظت کے لیئے توپیں چڑھی ہوئی اور خندقیں بنی ہوئی تھیں
اور اُن توپوں کو دھاوا کر کے چھیننا چاہتی تھی جنکی آتشباری
نے انگریزوں کی ہلکی میدانی توپوں کا منہ بند کر دیا تھا۔ انگریزی
فوج کے سپاہیوں کو دشمن کی توپوں نے بھون بھون ڈالا لیکن
وہ غیر متزلزل پامردی کے ساتھ برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک

صفحہ ۳۳۳

کہ وہ توپ خانے تک پہنچگئے اور اُسپر قبضہ کر لیا مگر اس سے پہلے
سات سو اٹھتر قتل و زخمی ہو چکے تھے۔ اس لڑائی کی نقل و حرکت
سر جان ملکم کی ہدایات کے مطابق ہو رہی تھی جسمیں سفارتی قابلیتیں بیشک
زیادہ تھیں مگر فن حرب کی واقفیت بہت کم تھی۔ اگر اس سے بہتر فوجی
چالیں چلی جاتیں تو یہی نتیجہ بہت کم نقصان اُٹھاکر حاصل ہو جاتا۔ بہرحال ہلکر کا
تمام لشکر مع توپوں اور سامان حرب کے فاتحین کے ہاتھ آگیا اور ریاست
کی قوت ہمیشہ کے لیئے ٹوٹ گئی۔ اسکے بعد ہی فوراً ایک صلحنامہ پر دستخط
ہوئے جسکی رو سے ہلکر نے اپنے علاقے کا کچھ حصہ کمپنی کو۔ کچھ ظالم سنگھ کو۔
کچھ امیر خاں کو اور کچھ امیر خاں کے ماتحت سردار غفور خاں کو حوالے کیا اور
ہلکر کی مملکت اس طرح گھٹکر اصلی علاقے سے دو ثلث رہگئی ۔

پنڈاروں کے خلاف کارروائیاں

۱۸۱۷ء کے موسم بارش میں پنڈارے
اپنے تین سرغناؤں مسمیان چیتو۔ کریم خاں
اور واصل محمد کے جھنڈوں کے تلے ۲۳ ہزار کی تعداد میں جمع ہوئے۔
یہ لوگ اُن کارروائیوں سے غافل نہیں تھے جو اُنکے استیصال کیلیئے
برابر کی جارہی تھیں اور اُنھوں نے مرہٹہ رئیسوں سے امداد کی درخواستیں
کیں مگر مرہٹہ رئیسوں کو اپنی ہی جانیں بچانیکی فکریں پڑی ہوئی تھیں چنانچہ
جس وقت انگریزی فوجیں اُن پر دونوں طرف سے جھوم کر آئیں تو پنڈاروں کو
مجبوراً منتشر ہونا پڑا۔ سندھیا نے کریم خاں اور واصل محمد کو گوالیار
آجانیکی دعوت دیدی تھی مگر لارڈ ہسٹنگز نے ایسا ناکہ روک لیا تھا
کہ جس سے یہ دونوں پنڈارے سردار گوالیار نہیں جاسکتے تھے۔ پھر
یہ دونوں جانب مغرب پلٹ گئے اور اُسطرف اُنکا راستہ جنرل ڈانکن
نے روکا اور کریم خاں کے ہاتھی ۔ نقارے ۔ جھنڈے اور سب خاندان
کو گرفتار کرلیا۔ دونوں سرداروں نے اپنے خیمہ و خرگاہ کو آگ لگادی
اور اپنے چار ہزار بہترین سواروں کو لیکر جنوب کی طرف بھاگے
اور اُنکے دوسرے آدمیوں کو انگریزی سپاہیوں سے اور اُن

غصے میں بھرے ہوئے گاؤں والوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جنکو ان لٹیروں نے لوٹ لیا تھا۔ دونوں سرغناؤں کا ایسا سخت تعاقب کیا گیا کہ آخرکار انکو اپنے آپ ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو جانا پڑا اور اُن میں سے ایک کو صوبۂ غازی پور میں چھوٹی سی جائداد دیکر بسا دیا گیا اور دوسرے کو نظربند کر دیا گیا اور اُسنے زہر کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ سب سے سربرآوردہ سرغنا چیتو کا تعاقب سرجان مالکم نے کیا اس کی تمام بھیڑ و بنگاہ پر کئی کئی بار قبضہ کر لیا گیا اور وہ اپنے مٹھی بھر ہمراہیوں کے ساتھ کوہ و بیابان میں مارا مارا پھرتا رہا۔ آخرکار یہ ساتھی بھی آہستہ آہستہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے گئے یہانتک کہ فاقہ کشی سے تنگ آکر اُسکے بیٹے اور اُسکے آخری رفیق نے بھی اس سے منھ موڑ لیا اور وہ جان سے بیزار ہو کر ایک ایسی جھاڑی میں گھس گیا جہاں شیر ہی شیر بھرے ہوئے تھے بڑی سخت تلاش کے بعد اُسکا گھوڑا اُسی طرح زین و لگام سے تیار چرتا ہوا ملا اور اُس سے کچھ ہی فاصلے پر جابجا سے گھائل نعش بھی اُس شخص کی ملی جو ایک زمانے میں بیس ہزار سواروں کا سردار تھا۔

فوجکشی کے نتائج

یہ جنگی اور سیاسی کارروائیاں اپنی عجلت کے اور اپنے مہلک نتائج کے اعتبار سے تقریباً یکساں مہتم بالشان ہیں۔ وسط اکتوبر ۱۸۱۷ء میں مرہٹوں۔ پنڈاروں اور پٹھانوں کے پاس ڈیڑھ لاکھ سوار و پیدل کی فوجیں اور پانسو توپیں انگریزوں سے دو دو ہاتھ کرنیکو تیار تھیں۔ لیکن چار ماہ کے قلیل عرصے میں یہ زبردست فوج ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ سندھیا کی قوت مفلوج ہو چکی تھی۔ ہلکر کی فوج صرف نام کو باقی رہ گئی تھی۔ پیشوا نے فرار برقرار کیا تھا۔ امیر خاں کی پٹھان فوج توڑ دی جا چکی تھی اور پنڈارے بالکل نابود ہو چکے تھے مرہٹہ برادری ہمیشہ کے لیئے

باب ہفتم
فصل سوم

ٹوٹ چکی تھی اور ستلج کے اس پار کی ہر فوجی قوت کا سوائے سندھیا کی فوج کے بالکل خاتمہ ہو چکا تھا مگر سندھیا کی فوج بھی کچھ پرخطر نہیں رہی تھی۔ علاوہ براں اس فوجکشی کا صرف یہی نتیجہ نہیں تھا کہ انگریزی حکومت دیسی رئیسوں پر قائم ہو گئی بلکہ انگریزی حکومت ہندوستانی دلوں پر قائم ہو گئی اور ہندوستانی راعی و رعایا دونوں کو یقین ہو گیا کہ اب تیغ ہندی غیر ہندی ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ بعض رئیسوں نے اپنی آزادیاں کھو دی تھیں اور اس آزادی کے ساتھ وہ احساس شرافت بھی کھو دیا تھا جو اکثر صفات حسنہ کا باعث ہوتا ہے۔ ایسے خاص رئیسوں کے لیئے یہ تغیر ایک مصیبت سے کم نہ تھا مگر کافۃ الناس کے واسطے یہ انقلاب حکومت بلاشک و شبہ برکت الہی تھا۔ عالمگیر بے اطمینانی کی جگہ امن عامہ نے لیلی تھی جس کی کفیل ایک ایسی طاقت ہو گئی تھی جو امن عامہ کو پسند کرتی اور قائم رکھنا چاہتی تھی۔ تمام وسط ہند میں حقیقی امن و امان کا خیال دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہاں کے باشندے اب اپنی گذر اوقات اور اپنی نیکنامی و امتیاز کے ذرائع دور امن کے علم و فن کی ترقی میں بجائے جنگ و غارتگری کے مشغلوں کی تلاش کرنے لگے تھے۔ علاوہ براں ۱۸۱۸ء میں ہندوستان کی جو حدبست کیگئی وہ ایسی معقول اور پرکار بنیاد پر قائم کی گئی ہے کہ اوس میں اُس وقت سے اب تک اتنی کم ترمیم و تنسیخ کی ضرورت پڑی ہے کہ اتنے بڑے سیاسی ڈھیر میں اتنی صحت کا قائم رہ جانا عدیم النظیر نظر آتا ہے۔ اس طرح تمام مخالفتوں اور مقاومتوں پر غالب آکر لارڈ ہیسٹنگز نے تمام اقلیم ہند میں کمپنی کی عالمگیر حکومت کا اعلان کیا۔ جسمیں یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آئندہ کے اغراض و مقاصد کے اعتبار سے دریائے اٹک پر برطانوی ہند کی سرحد ہے ؎

صفحہ ۲۲۵

کورے گاؤں کی لڑائی | باجی راؤ نے ۲۸۔ نومبر ۱۸۱۷ء کو جانب جنوب اپنی پسپائی شروع کی اور ستارا پر سے گزرتے

باب ہفتم
فصل سوم

ہوئے اُسنے ستارا کے راجہ کو جو سیواجی کی اولاد سے تھا اور اُسکے خاندان کو اپنے لشکر میں پکڑوا بلایا اور اپنے ساتھ نظر بند رکھا۔ پیشوا نے جب اپنے تعاقب میں جنرل سمتھ کو برابر لگا ہوا دیکھا تو وہ شمال کے رخ پونا کی طرف لوٹ پڑا۔ کرنل برقائد فوج نے اپنی کمک کے لیئے وہ دستہ بلوا لیا جو سیرور پر کپتان سٹینٹن کی سرکردگی میں ایک پلٹن اور تین سو بیقاعدہ سواروں کا چھوڑ دیا گیا تھا۔ کپتان سٹینٹن نے آٹھ بجے شام کو کوچ کیا اور پونا سے ۱۶ میل کے فاصلے پر کوری گاؤں میں یکم جنوری ۱۸۱۸ء کو دس بجے صبح کے پہنچگیا مگر وہاں کیا دیکھتا ہے کہ پورے پچیس ہزار مرہٹہ فوج ندی کے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ مرہٹہ فوجیں اُس مٹھی بھر انگریزی فوج کے مقابلے کے لیئے ندی پار سے بھیجی گئیں۔ دراں حالیکہ یہ چھوٹی سی فوج رات بھر کے سفر سے چکنا چور ہو رہی تھی اور اُسکے پاس کھانے پینے کی بھی بہت کمی تھی مگر سپاہیوں اور افسروں نے زبردست مرہٹہ سپاہ کی ٹکر کو اٹل پامردی کے ساتھ برداشت کیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی اور گاؤں کی چپہ چپہ زمین پر مجاربت و مدافعت کے جوہر دکھائے گئے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹے بہ تنگ آکر پسپا ہو گئے۔ اس شاندار لڑائی کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں تمام ہندوستانی سپاہی بغیر کسی یوربین امداد کے تھے صرف ۲۴ توپچی یوربین تھے جنمیں سے بیس اُسی دن قتل و زخمی ہو گئے۔ جو آٹھ افسر شریک کارزار تھے انمیں سے تین زخمی ہوئے اور دو مارے گئے اور کل نقصان انگریزی فوج کا کیسو نیناکی ہوا ہے۔

پیشوا کا تعاقب اور اسکی امان طلبی

کوری گاؤں کو چھوڑ کر پیشوا نے پھر جنوب کا راستہ پکڑا۔ وہ اپنے متعاقبین سے بہت فاصلے پر رہتا تھا مگر اچانک انگریزی فوج نے اُسے مقام آشٹی پر جا لیا۔ اوّل تو پیشوا نے اپنے سپہ سالار گوکھلے کو اس پر

باب ہفتم
فصل سوم

لعنت و ملامت کی اُسنے انگریزی فوجوں کو بالکل سر پر کیوں آجانے دیا۔ پھر وہ اپنی پالکی سے اترا اور گھوڑے پر بیٹھکر بھاگا اور سپہ سالار کو پسپائی قائم رکھنے کے لیئے چھوڑ گیا۔ گوکھلے کو اپنے آقا کے سخت الفاظ کا نہایت صدمہ ہوا اور اُس نے اُس دن جان ہی دینے کی دل میں ٹھان لی۔ چنانچہ اُسنے تین سو چیدہ سوار اپنے ساتھ لیئے اور خود سب سے آگے ہو کر انگریزی رسالے پر ٹوٹ پڑا اور تین پستول کی گولیاں اور تین تلوار کی ضربیں کھاکر میدان شجاعت میں اُسنے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور سب سے آخری اور سب سے شریف و شجاع مرہٹہ سردار کا اسطرح سپاہی کی موت پر خاتمہ ہو گیا۔ مقام آشٹی پر راجہ ستارا کو پیشوا کی نظربندی سے خلاصی دلوا دی گئی۔ تمام دکن میں جب پیشوا کا کہیں پیچھا نہیں چھوڑا گیا تو اُس نے پھر شمال کا رخ کیا اور تاپتی کو عبور کر کے نربدا پار اُتر نکلنے ارادے سے چلا۔ مگر تمام گھاٹوں پر انگریزی فوجیں متعین تھیں اور متعاقب فوجوں کے دستے ہر طرف سے اُسپر بڑھتے چلے آتے تھے یہانتک کہ جب پیشوا کو کوئی مفر نظر نہیں آیا تو اُسنے پھر سر جان ملکم کی کمزور طبیعت کی طرف رجوع کیا اور اُسسے اپنا قدیم ترین اور بہترین دوست کہکر اُس کی پناہ ڈھونڈی۔ تعجب یہ ہے کہ سر جان ملکم نے پھر اُسکو ملاقات کی اجازت دی اور اُسنے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے پھر سر جان ملکم کو گرویدہ کر لیا اور ایسے وقت پر جبکہ اُسکی قسمت کا پاسہ بالکل پلٹ چکا تھا اور اُس سے من مانی شرائط پر اطاعت کرائی جا سکتی تھی۔ جنرل سر جان ملکم نے کوتہ اندیشی سے اُسکو آٹھ لاکھ سالانہ وظیفہ دلانیکا اور بہت سی مفر اور خلاف مصلحت مراعات عطا کر دینے کا وعدہ کر لیا۔ لارڈ ہیسٹنگز کا خیال یہ تھا کہ پیشوا کو صرف دو لاکھ سالانہ کا وظیفہ دیا جائیگا اور اُس کو سر جان کی اس غیر دانشمندانہ فیاضی سے سخت صدمہ ہوا مگر تقاضائے پاس وضع یہ تھا کہ وعدے کی گورنر جنرل نے تصدیق کر دی۔ پہلے سے یہ اعلان عام کر دیا گیا تھا کہ پیشوا اور اُسکے خاندان کو تخت پونا سے ہمیشہ کے لیئے محروم کر دیا گیا ہے۔

(صفحہ ۳۳۶)

باب ہفتم
فصل سوم

اسلیئے تمام مملکت پونا میں سے کچھ علاقہ پندرہ لاکھ سالانہ آمدنی کا لیکر ایک چھوٹی سی ریاست کی حیثیت سے سیواجی کی اولاد کو دیدیا گیا اور بقیہ مملکت کو کمپنی کے علاقے کے ساتھ ملحق کر لیا گیا۔ پیشوا کو نظر بند کر کے مقام بٹھور یا کانپور کے قریب بھیجدیا گیا جہاں وہ اتنے عرصے زندہ رہا کہ اسنے انگریزی خزانے سے ڈھائی کروڑ روپیہ بطور وظیفے کے وصول کر لیا۔

قلعہ جات کی تسخیر

یہ ملک جو جنگبازی کا آماجگاہ بنا رہا تھا ایسے قلعوں سے پٹا پڑا تھا جو کچھ عرصے تک ان رئیسوں کی اطاعت کے بعد بھی اپنی خود مختاری پر قائم رہے۔ ان قلعوں میں عام طور سے عرب سرفروشوں کی فوجیں تھیں جنکی خدمات کی محض اُنکی بہادری اور نمک حلالی کے اعتبار سے ہی قدر نہیں کیجاتی تھی بلکہ اُن کو دیسی سپاہ کے عوض رکھا جاتا تھا جنکی قدیم خصوصیت نافرمانی تھی۔ قلعۂ تالنیر کی تسخیر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہاں ایک غلط فہمی کی وجہ سے تین سو قلعہ بند فوج کا قتل عام کر دیا گیا اور قلعہ دار کو بے انصافی کے ساتھ پھانسی دیدی گئی اور اس کارروائی نے سرٹامس ہلپ سپہ سالار افواج انگلشیہ کے دامن شہرت پر نہایت بدنما دھبہ لگا دیا۔ سب سے آخر میں جو قلعہ تسخیر ہونے سے رہگیا وہ اسیر گڑھ تھا۔ سندھیا نے ضابطے سے وہاں کے قلعہ دار کو حکم بھیجدیا تھا کہ اس قلعے کو حوالے کر دے اگر قلعہ دار مذکور کے پاس بخ سے احکام ایسے پہنچگئے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اسکو خود نہ حوالے کرے اور یہ قلعہ اُس وقت تک نہیں تسخیر کیا جاسکا جبتک کہ ساٹھ سے زائد توپوں کا ایک قلعہ شکن توپخانہ کامل پندرہ دن تک اُسپر گولے نہ برساتا رہا۔

فصل چہارم

لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت - انگلستان کی کارروائیاں تعلیم - مطابع - پامر اینڈ کمپنی

انگلستان میں کارروائیاں

مسٹر کیننگ نے ایوان عام میں لارڈ ہیسٹنگز کے اور ہندوستانی فوج کے لیئے شکریے کی جو معمولی تجویز پیش کی اسمیں مندرجۂ ذیل تقریر کی :-

اس ملک کی اب تک یہ عادت رہی ہے کہ ہندوستان میں انگریزی فوجوں کو بڑے حسد کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے - اگرچہ ہماری فوجیں ہندوستان میں متواتر کامیابیاں حاصل کرتی رہی ہیں مگر اُنکو متواتر قابل اعتراض سمجھنے ہی کو انصاف سمجھا جاتا رہا ہے - ہندوستان میں کسی جنگ کا اختتام خواہ کتنا ہی شاندار ہوا ہو لیکن اُسکو کبھی خالص اطمینان کے ساتھ نہیں دیکھا گیا ہے اور توسیع مملکت کو معاملہ فہم اہل خرد اور انصاف پسند اہل معلومات کی طرف سے حق تلفی و آزپوری کے ساتھ منسوب کیا جاتا رہا ہے - اگرچہ ان تمام خیالات کو اس جنگ مرہٹہ و پنڈاری کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے - پھر بھی ایوان عام سے یہ استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس تجویز شکریہ کے معنے یہ نہ سمجھیں کہ جنگی حکمت عملی کی کوئی منظوری آئندہ کے لیئے عطا کی جارہی ہے بلکہ اسکی غرض صرف اتنی سی ہے کہ فوجکشی کے دوران میں جس حربی

اخلاق و انداز کا لحاظ رکھا گیا ہے اور پھر اظہار اطمینان
کیا جائے ؎

مجلس انتظامیہ نے بھی اسی نکتہ چینی کے انداز سے اگرچہ اُس دوربینی-
مستعدی اور سرگرمی کی تعریف کی جو لارڈ ہیسٹنگز نے ایک مخاصمانہ
سازش کے جمع ہونیوالے عناصر کے منتشر کر دینے میں ظاہر کی تھی مگر اُسپر
بھی نہایت افسوس ظاہر کیا کہ واقعات ایسے پیش آگئے جنکی وجہ سے توسیع
مملکت ناگزیر ہوگئی - ایوان ہند نے تو گویا لارڈ ہیسٹنگز کو ذات باہر ہی
کر دیا تھا اور ایوان مذکور کے جو باضابطہ مراسلات لارڈ موصوف کے
پاس آتے تھے وہ اُن مراسلات سے کچھ کم تلخ و ترش نہیں ہوتے تھے جو کلایو
یا وارن ہیسٹنگز یا لارڈ ولزلی کے پاس آیا کرتے تھے - اس فتح کشی کی تکمیل
کی اطلاع ہونے پر جو مراسلہ ایوان ہند نے بھیجا تھا وہ نہایت تند و ترش
الفاظ و خطابات سے بھرا ہوا تھا اور بقول لارڈ ہیسٹنگز کے محض اشک شوئی
کی خاطر بھی ان تمام فوجی کارگزاریوں کے شاندار نتائج پر اشارۃً
بھی اظہار اطمینان نہیں کیا گیا تھا - ایوان مذکور نے لارڈ ہیسٹنگز کو
اس بات پر ملامت کی تھی کہ اُسنے ایوان موصوف کی تخفیف سپاہ
کے احکام کو قصداً پس پشت ڈال دیا دراں حالیکہ ایوان مذکور پر قطعی
و یقینی شہادت سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ بصورت موجودہ جبکہ ایسی
خطرناک آویزش ناگزیر ہو چکی تھی - فوجی تخفیف کے احکام پر عملدرآمد
ہونا سلطنت کے اغراض کے لیئے یقیناً مہلک ہوتا - ایک وسیع
پیمانے پر فوجی کارروائیوں کی ضرورت پیش آتی دیکھکر لارڈ ہیسٹنگز نے
صیغہ میر سامانی کو ازسرنو ترتیب دیا تھا اور مجلس انتظامیہ نے
اُسے اسپر بھی ملامت کی کہ اُسنے اس کام کے لیئے مجلس موصوفہ کی
منظوری پہلے سے کیوں نہ حاصل کر لی - ساتھ ہی اسکے مجلس موصوفہ
نے اپنے ایک خاص آدمی کو اس عہدۂ میر سامانی پر متعین کرنیکے لیئے
زور دیا جسکے متعلق لارڈ ہیسٹنگز نے اپنے جوابی مراسلے میں صاف

(صفحہ ۲۲۸)